ششماہی رسالہ
نوائے ادب
ناشر

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

(ملحق بمبئی یونیورسٹی)

کے

اغراض و مقاصد

1. ایم اے کی تعلیم کا انتظام
2. پی، ایچ، ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت۔
3. تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون۔
4. ایک جامع کتب خانہ کا قیام۔
5. مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کی ترتیب۔
6. نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت۔
7. اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی سہ ماہی رسالہ کا اجراء۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کی خصوصیات

1. اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق
2. گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت
3. اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع۔
4. اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت۔

رسالہ سال میں چار بار شائع ہوگا

جنوری اپریل جولائی اکتوبر

چندہ سالانہ: چار روپے مع محصول ڈاک

ششماہی: دو روپے

فی پرچہ: ایک روپیہ

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی

ترسیل مضامین و خط و کتابت کا پتہ

ڈائرکٹر

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

92، دادابھائی نوروجی روڈ

بمبئی 1

خریداری و ترسیل زر کا پتہ

ہندوستان میں:

ادبی پبلشرز

8 شیرڈ روڈ، بمبئی 8

فہرست

نوائے ادب بمبئی

جلد ۱۱ جنوری ۱۹۶۰ع شمارہ ۱

شذرات

انجمن اسلام بمبئی سنہ ۱۸۷۵ء میں قائم ہوئی تھی، اس کا مقصد مسلمانوں کی تعلیمی، اخلاقی اور سماجی اصلاح و ترقی تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے سنہ ۱۸۸۰ء میں ایک مدرسہ قائم کیا اور تعلیم کی ترقی کے ساتھ اس کے شعبوں میں برابر ترقی ہوتی رہی۔ اس وقت انجمن لڑکوں اور لڑکیوں کے متعدد اسکولوں کے علاوہ کمرشیل اسکول، بیت الاطفال اور متعدد دوسرے ادارے کامیابی کے ساتھ چلا رہی ہے۔ ان میں ایک بڑا اہم ادارہ صابو صدیق پولی ٹکنک ہے۔ یہ سنہ ۱۹۳۶ء میں قائم ہوا تھا اور اب صوبہ میں وہ اپنی قسم کا ممتاز تر ادارہ ہے۔ اس کے متعدد شعبے ہیں، ان میں ایک شعبہ جو چند برسوں سے بڑا مفید کام کررہا ہے ادبی پرنٹنگ پریس کا ہے۔ اس میں طباعت کا کام ہوتا ہے۔ ابتدا ہی سے انجمن نے کمیت پر کیفیت کو ترجیح دی ہے، چنانچہ وہ کتابوں کی طباعت اور جلد بندی کو بہتر سے بہتر بنانے کی بھی کوشش کررہی ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اس میں اس کو بہت زیادہ کامیابی ہوئی ہے۔ اس کا بہت بڑا ثبوت وہ گراں قدر انعام ہے جو اس سال دیوان غالب کی طباعت کے سلسلہ میں اس مطبع کو ملا ہے۔ یہ انعام حکومت ہند کی طرف سے ہندوستان کی مختلف زبانوں کی مطبوعات کو ان کی حسن طباعت، جلد بندی اور تزئین کے پیش نظر ہر سال دیا جاتا ہے۔

یہ وہی حسین و جمیل دیوان غالب ہے جسے سردار جعفری نے مرتب کیا ہے اور جو ہندوستانی بک ٹرسٹ کی طرف سے اردو اور ہندی حروف میں ایک ساتھ شائع ہوا ہے۔ ہم اس پریس کے ارباب حل و عقد کو اور ان کے ساتھ بک ٹرسٹ کے منتظمین کو ان کی اس محنت و ذوق کی کامیاب عملی تخلیق پر مبارکباد دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ہندوستانی بک ٹرسٹ کا مقصد بڑی حد تک یہ ہے کہ وہ اردو شعرا کا کلام نہایت اہتمام سے اردو اور ہندی دونوں رسم الخطوں میں شائع کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے اپنا نصب العین تجارتی نہیں رکھا، لیکن جب ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود ہندوستانی بک ٹرسٹ کے عالم وجود میں آنے کا واحد سبب وہ بڑی رقم ہے جو شری یودھ راج (دہلی) نے اسی مقصد کے حصول کے لئے دی تو ہماری دلچسپی اور مسرت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اب بک ٹرسٹ اسی اہتمام سے میر کے کلام کا انتخاب شائع کررہا ہے۔ ہم کو امید رکھنا

چاہیئے کہ : نقاش نقش ثانی بہتر کشد زاول

انجمن ہی کا ایک ادارہ ہمارا ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی ہے وہ طلبہ اور دوسرے تحقیق دوست احباب کی رہنمائی کے علاوہ اردو ادب کی تخلیقات میں بھی اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ نوائے ادب اسی کا رسالہ ہے، ہمارے لائق دوست عبد الرزاق قریشی کے مستقل طور سے ادارہ میں شریک ہونے کی وجہ سے کام کی رفتار تیز ہوگئی ہے، چنانچہ انہوں نے آتے ہی دو کام شروع کردئے ہیں۔ (۱) دیوان عزلت کی ترتیب اور (۲) حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے حالات اور ان کے اردو کلام کی ترتیب، موخر الذکر تالیف مکمل ہوگئی ہے اور انجمن اسلام کا شعبہ اشاعت «ادبی پبلشرز» اس کو طباعت کی منزل سے گذار رہا ہے۔

آزادی وطن کے بعد ہی سے انجمن ترقی اردو (ہند) اردو کو اس کا حقیقی مقام دلانے کی کوشش میں لگی ہے۔ اسی کے زیر ہدایت متعدد ریاستوں کی طرف سے صدر کی خدمت میں لاکھوں دستخطوں کے ساتھ درخواستیں پیش کی جاچکی ہیں مرکزی حکومت نے اس سلسلے میں ریاستوں کو ہدایتیں بھیجی ہیں اور ریاستوں نے بھی بعض مراعات دینے کا اعلان کیا ہے لیکن عملی حیثیت سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا اس لئے انجمن کی مجلس عاملہ نے ایک مرتبہ پھر اس مسئلہ کو اٹھانے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلہ میں مختلف تجویزیں منظور کی ہیں، ہم کو ان تجویزوں سے پورا پورا اتفاق ہے، لیکن ایک مرتبہ پھر ہم یہ عرض کریں گے کہ تجاویز کی منظوری اور یوم اردو کے انعقاد سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ اردو دوست اصحاب اپنے اپنے حلقہ میں خود عملی قدم اٹھائیں، اردو کے لئے اپنا وقت دیں اور خلوص و محبت سے مدارس کے ذریعہ اس کی اشاعت کی طرف متوجہ ہوں۔ ہر ایسی جگہ جہاں کے لوگوں نے صدر کی خدمت میں درخواستیں بھیجی ہیں ابتدائی مدارس قائم کرکے اپنے دعویٰ کا ثبوت مہیا کریں اور پھر اس ناقابل انکار ثبوت کو پیش کرکے اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کریں۔ ایسی حالت میں کوئی ریاست بھی اردو کو اس کا جائز حق دینے سے انکار نہ کرسکے گی۔ اگر ہم کو اردو کو باقی رکھنا ہے تو سب کام ہم کو خود کرنا ہوگا۔

بہار میں ادارۂ تحقیقات اردو بانکی پور پٹنہ کے قیام کا تذکرہ اس سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ اس ادارہ کے بانی اور روح رواں جناب قاضی عبدالودود صاحب

ہیں. حال ہی میں اس ادارہ کی طرف سے اردو کی قلمی اور مطبوعہ کتابوں، اور اخباروں. رسالوں، سرکاری دستاویزوں اور مشاہیر کے اردو خطوں کی بڑی شاندار نمائش پٹنہ میں ہوئی ہے، اس کی صدارت صوبہ کے وزیز اعلیٰ سری کرشن سنگھ نے کی. اور رسم افتتاح ریاست کے گورنر ڈاکٹر ذاکر حسین نے انجام دی دونوں نے اردو سے متعلق بڑی مفید باتیں کہیں خدا کرے یہ نمائش اب اردو کی ترقی کے سلسلہ میں اصلیت کی شکل اختیار کر لے اور اس ریاست میں اس کو اس کا جائز مقام مل جائے نمائش میں جتنے مخطوطات آئے تھے ان کی ایک فہرست بھی ادارہ کی طرف سے شائع کی گئی تھی. ضرورت ہے کہ اردو کی مطبوعات وغیرہ کی فہرست بھی شائع کی جائے تاکہ تحقیقی کام کرنے والوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ کون سی چیز کس شخص یا کس ادارہ کی ملکیت ہے تا کہ ضرورت کے وقت اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے ادارہ نے تحقیقاتی مطبوعات کی اشاعت بھی شروع کردی ہے. خدا کرے یہ ادارہ نہ صرف اس ریاست کے لئے بلکہ ساری دنیا کے لئے مفید اور مبارک ثابت ہو.

دارالمصنفین میں جو مفید کام ہو رہا ہے اور اس سے زبان و ادب کو جو فائدہ پہنچ رہا ہے اس کا تذکرہ متعدد بار ان صفحوں میں کیا جا چکا ہے. خوشی کی بات ہے کہ اس سال کے سرکاری انعام میں یہاں کی ایک تصنیف بھی شریک ہے. ہندوستان کے عہد وسطی کی ایک ایک جھلک جناب صباح الدین عبدالرحمان ایم، اے کی تالیف ہے، اس کی دوسری خوبیوں کے علاوہ یہ ایک ایسی تصنیف ہے جو ہندوستان کے عہد اسلامی کی حکومتوں سے متعلق غلط بیانات کی تردید ہی نہیں کرتی بلکہ تعمیری حیثیت سے اس عہد کے صحیح واقعات کو پیش کرکے اس زہر کے لئے جو صدیوں سے پھیلایا جارہا تھا تریاق ثابت ہورہی ہے پھر اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ مرتب کا بیان نہیں ہے بلکہ بڑی حد تک ہندو مورخین کے نتائج فکر ہیں. ضرورت ہے کہ اس کتاب کا ہندی اور ملک کی دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا جائے.

اس سہ ماہی کا علمی حادثہ جناب اسد ملتانی مرحوم کی وفات ہے وہ ایک بلند پایہ شاعر تھے اور بڑی حد تک اقبال سے متاثر، عرصہ دراز سے ان کا کلام ملک کے مقتدر رسالوں میں شائع ہوتا تھا اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے.

گذشتہ شمارہ میں فم بنگلوری پر ایک مضمون شائع ہوا ہے: صاحب مضمون کا نام عبدالغفار ہے نہ کہ عبدالغفور، قارئین تصحیح فرمالیں.

قاضی عبد الودود، پٹنہ

بیاض عنایت حسین خاں مہجور بنارسی

عنایت حسین خاں کا سال ولادت « بہار بوستان دولت آمد » سے معلوم ہوتا ہے (بیاض ورق ۲۷) . ان کا بیان ہے کہ اس سے ۱۲۰۲ نکلتا ہے، لیکن دراصل ۱۲۱۲ مستخرج ہوتا ہے . طرہ یہ کہ سنہ ۱۲۷۲ ھ کی ۱٤ ربیع الثانی کو یہ لکھتے ہیں کہ ایک حساب سے میری عمر کا ستاونواں اور دوسرے سے چھپنواں برس ہے (ورق ۲۷) .

اپنے بزرگوں کے بارے میں انہوں نے « شیخ صاحب » کو بتایا ہے :

بنارس کے تھے حاکم اسکے دادا — بحد شان و شوکت حکم فرما — ورق ٤۹
ہوئے والد مرے بعد ان کے حاکم — رہے برسوں ہی اس عہدے پہ قائم

دادا سے علی ابراہیم خاں، خلیل مصنف گلزار ابراہیم وغیرہ (متوفی سنہ ۱۲۰۸ ھ) اور والد سے نصیر الدین علی خاں دختر زادہ یوسف علی خاں[1] مرشد آبادی صاحب تذکرۃ الشعرا وغیرہ مراد ہیں . اپنے بھائیوں کے متعلق ان کا قول ہے :

حقیقی تھے ہم تین بھائی غریب — مگر مبتلائے ستم بے نصیب — ورق ۱۱
علی محمد تھا منجھلے کا نام — غلام علی چھوٹا تھا نیک نام
بڑا سب سے ہے یہ عنایت حسین — زمانے کے ہاتھوں سے پایا نہ چین
پدر ایک تھا اور مادر تھی ایک — عداوت نہایت ہے آپس میں لیک
وہ پٹنے میں رہتے تھے چھوٹے اجی — بنارس کے ساکن تھے وہ اوسطی
چہل و پنج ساله تھے وہ خوش نہاد — حسد انکے دل میں تھا سب سے زیاد
نشانہ حسد کا تھا پر یہ حقیر — تھا چھوٹوں کا چھوٹا یہ تھا گو کہ پیر

علی محمد سنہ ۷۱ ھ میں بتاریخ ۲۲ شعبان فوت ہوئے اور جہاں ان کے باپ دادا کی قبریں تھیں مدفون ہوئے (ورق ۱۱ و ۱۲ الف). ان کے متعلق ورق ۵۳ میں لکھا ہے کہ ان کی شادی دختر مرزا مغل مرحوم سے ہوئی تھی اور اسی سبب سے تیلیا نالے

---

[1] یوسف علی خاں کے تذکرۂ شعرای فارسی کا تتمہ نوائے ادب میں شائع ہو چکا ہے۔

میں مقیم تھے۔ ورق ١٢ میں ہے کہ «بیوی کے دشمن» تھے ورق ٦٥ میں بھائی کے وارثوں کی شکایت کی ہے:

جو وارث ہیں ہمارے بھائی جی کے | وہ گاہنک (کذا) ہیں ہمارے آہ جی کے
نہ دے خالق کسی کو ایسے وارث | کہ ہے ایک ایک ان میں شمر و حارث
کیا اس شہر میں ہے مجھ کو بد نام | ستاتے ہیں مجھے ہر صبح اور شام

بیاض میں عنایت حسین خاں کی ایک بیٹی امام باندی کا ذکر ہے جس کی شادی باقر علی خلف «یمین الدولہ مرحوم» سے ہوئی تھی۔ اس کے بیٹے کا نام آصف علی مرزا احمد علی مرزا رکھا گیا، ولادت ٢٣ ربیع الثانی سنہ ٧٢، ورق ٦٥۔ لیکن ورق ٢٧ میں احمد کی جگہ محمد۔ ہر دو نام مطابق قرآن، پنڈت نے «پترا» دیکھ کر طالب علی مرزا نام نکالا۔ پکارنے کا نام تھے مرزا تھا۔ تاریخی نام نہیں دیا۔ اس کی کسر رہ گئی۔ ورق ٤٩ میں اپنی تحصیل علم اور تصانیف کے بارے میں رقمطراز ہیں:

فراغ حاصل ہوا تحصیل سے جب | ہوا زوق (کذا) طبابت بندے کو تب
سدیدی اور نفیسی اور قانون | کتابیں سب پڑھیں از فضل قیوم (کذا)
ہوا پھر شعر گوئی کا وہ کچھ شوق | کہ جملہ زوق پر اس کو ہوا فوق
کہے تا آنکہ دو بندے نے دیوان | بہم پہنچا غزل گوئی کا سامان
لکھا پھر اک مجلد مثنوی کا | کہ لکھی مثنوی ہیں اس میں صدہا
سوا سو مثنوی ہے اس میں مرقوم | کہ ان کا حال ہو دیکھے سے معلوم
لکھا اک تذکرہ ہے شاعروں کا | خود اس کے طرز کا موجد ہے بندہ
کلام و شعر کو ہر ایک کے بس | مثلث اور مربع اور مخمس
کیا اس تذکرے میں میں نے داخل | ہوا یہ طرز تازہ تر ہے حاصل
مطول اک قیامت نامہ صادق | حدیث و نص قرآں کے مطابق
لکھا بندے نے زاد الاخرت ہے | بلا شک اس سے میری مغفرت ہے
لکھا افسانہ اک رنگیں بصد طول | ہوا اہل طبائع کے وہ مقبول

ورق ١٦ میں ہے کہ یہ صفر سنہ ١٢٧١ ھ میں حسین آباد (آباد کردہ فرجدم ۔۔ علاء نصیر») گئے تھے۔ یہ زمانہ فدا علی خاں کا تھا۔ ورق ٤٤ میں شاکی ہیں کہ «اخوی فدا علی خاں کہ امیر کبیر اند باوجود دولت لکھوکھا روپیہ ۔۔ بجز این نشخہ براقم کہ بدولت جد ماست چیز دیگر عنایت نفرمودند»۔ فدا علی خاں قاسم علی خاں برادر

علی ابراہیم خاں کے پوتے تھے ۔ ایک نظم میں سفر شیخپورہ (ضلع مونگیر، قریب حسین آباد) میں جو تکلیف ہوئی اس کا ذکر ہے، اس کی بیت اول یہ ہے:

وہ کون راہ شیخپورہ کی جو راہ ہے دوزخ کی راہ ہے وہ جہنم کی راہ ہے

ایک اردو خط میں جس کا آغاز یوں ہوتا ہے «بفرعرض بندگان جناب عالی متعالی خداوند نعمت سلامت» لکھا ہے کہ خرچ زیادہ اور آمدنی کم ہے («مداخل قلیل ہے» کذا). اس میں استدعا کی ہے کہ ۲۵ روپے ملیں. ان کی کچھ جایداد ضلع پٹنہ میں تھی، جو «بھائی محمد سعید خاں و مسماۃ فضیلت النسا» کے یہاں ٹھیکا تھی، قسط پھاگن و چیت سنہ ۱۲۶۳ھ کی بابت ۵۲ روپے انہیں ملے تھے ورق ۱. اور جگہ بھی باقساط وصولی کا ذکر ہے، قرینہ ہے کہ اس ذریعے سے کل آمدنی سالانہ دو سو روپے یا اس سے کچھ زیادہ تھی. بعض اوقات زیور وغیرہ رہن رکھنا پڑتا تھا ورق ۱۰. ایک غزل کا مطلع ثانی ہے (ورق ۸۹).

نہ وہ دولت نہ وہ حشمت نہ وہ فرط تجمل ہے

چراغ اس گھر کا اپنے دیکھتے ہی دیکھتے گل ہے

بیاض میں جا بجا خرابی صحت کی شکایت ہے اور ایک جگہ لکھا ہے کہ ۱۸ برس سے سانحہ میں مبتلا ہوں،

عنایت حسین خاں کا تخلص مہجور اور خطاب اقبال الدولہ تھا («راقم آثم نواب عنایت حسین خاں بہادر المتخلص بہ مہجور» ورق ۷۳)۔ انکے عربی اشعار سلطان القصص میں موجود ہیں، اور اردو وفارسی اشعار بیاض میں موجود ہیں. مجھے یاد آتا ہے کہ سلطان القصص میں ۵ دواوین کا ذکر ہے. اس کتاب پر میرا مقالہ عنقریب «آجکل» میں شائع ہونے والا ہے.

سنہ ۱۲۷۸ھ تک مہجور کے زندہ رہنے کا ثبوت موجود ہے. بیاض میں انکی والدہ کا سال وفات بہت صاف طور پر ۱۲۷۱ھ مرقوم ہے ورق ۵۶ لیکن قطعہ تاریخ میں جو مادہ ہے وہ سنہ ۱۲۶۳ھ پر مشعر ہے. بیت آخر یہ ہے:

ز ہاتف بمہجور آمــــد ندا به آمد بخلد از طفیل بتول

قاعدے کے مطابق بد آمد نہیں، بیامد ہونا چاہئے اور اس صورت میں ۱۲۶۸ مستخرج ہوگا.

بیاض مہجور (۱۰۰ ورق) «علی خاں لائبریری» حسین آباد نے ادارۂ تحقیقات اردو پٹنہ کی ادبی نمایش کے لئے مستعار دی ہے. ورق ۵۸ میں بہت سی چیزوں کی

فہرست ہے . اس میں «لحاف چھینٹ در حسین آباد مع پٹنہ وغیرہ ۱/۸ھ اور یہ بیاض ہے . اس میں سنہ ۷۸ ھ تک کے مندرجات ہیں.

(۱) خط بنام مہاراجہ (بنارس) میں لکھا ہے کہ مہاراجہ چیت سنگھ کے زمانے سے دونوں خاندانوں میں برابر «رابطۂ اتحاد و وداد» چلا آتا ہے ورق ٤.

(۲) کسی شخص کا حال تذکرے میں اس طرح لکھا تھا کہ اس کی ناراضی کا باعث ہوا. منظوم خط میں معذرت کی ہے ورق ٦.

(۳) غزل در جواب میر؟ مصرع ۱ «یہ ولولہ (کذا) جواب ہیں اور جوش مستیاں ہیں» «ستیاں» (صفت) «آنکھیں ترستیاں» ورق ۲.

(٤) مثنوی ۱٤۷ ابیات «لکھیں کیا رنگ نیرنگ جہاں کا، کسی کو یاں نہیں یارا بیاں کا» ایک سپاہی کی «جورو» خوبصورت تھی اور وہ اس سے محبت کرتا تھا، مگر فکر معیشت نہ تھی اور بری طرح گزرتی تھی. بیوی نے شوہر کو یقین دلایا کہ میں باعصمت ہوں. بدگمانی نہ کرو اور گھر سے باہر نکل کر کچھ حاصل کرو، سپاہی «براہ طعن» بولا:

مگر جب جانوں میں تجھ کو اے مہرو کرے سامان شاہی جمع یاں تو
سوا اس کے ہو بیٹا ایک پیدا کہ جس کے حسن پر یوسف ہو شیدا
نہ دیکھوں گا اگر میں آکے یہ طور تو تجھ کو قتل کر ڈالونگا فی الفور

عورت نے جواب دیا کہ خدا کی قدرت سے باپ کے بغیر بھی بیٹا پیدا ہوتا ہے. سپاہی روانہ ہوگیا اور اس کے پیچھے میں ایک متمول سوداگر اس عورت پر عاشق ہوا. اور ایک مشاطہ کے ذریعے اپنا حال کہوا بھیجا. اس عورت نے کہا کہ میری «چند شرطیں» ہیں، پہلے ایک «ملوکانہ» مکان بنواؤ، جہاں بالکل شاہانہ سامان ہو، ڈیوڑھی پر بہت سے نوکر ہوں، بہت سی کنیزیں اور خواجہ سرا میری خدمت کو حاضر رہیں. اصطبل گھوڑوں اور فیلخانہ ہاتھیوں سے بھرا ہوا ہو. یہ سب ہوگیا تو عورت نے یہ کہوا بھیجا کہ:

ہے تیرے پاس جو کچھ دولت و مال وہ میرے پاس سب بھجوا دیجیو فی الحال

اسی پر مثنوی ختم، صریحاً ناقص الآخر ـ بعض مصرعے ملاحظہ ہوں: ہوا جب ان کا حال از بس کہ تغیر. ہم پہنچا رکھے تو بادشاہت، بلائیں اس نے تب مشاطہ چند. کہ ہو اقوال قدما کے موافق، جو اہل روزگار ہوتے ہیں انساں، خوش آتی ہے جنہوں

کو سبزفروشی، املا: بکسرت = بکثرت، چہڑہ = چڑھ، طابع = تابع …

(۵) «… میر نواب عرف محمد حسین خاں … سلمہ … نوۂ (= نواسہ) نواب عالیجاہ میر محمد قاسم خاں … صوبۂ جنگ … مولد ایں شاعر سخن رس … محمد آباد بنارس، در فارسی دستگاہ وافی دارد و در نظم اشعار مشہور . مولد ومنشا والد بزرگوارش … اصفہان … ہر چند کہ ازیں اخلاص مند بچند نوع قرابت پیوند (کذا) است لاکن نہ بایں سرشتۂ محامد اوصافش مینگارم بل امر حقہ را بروے کار میآرم . گو از تلمیذ (کذا) مکرم علی خاں مکرم کہ در ہمیں ردیف میم ذکرش ترقیم یافتہ، مشق دارد فلما ترجیح صحیح بلا مرجح بر استاد دارد » ایک غزل کا مخمس، اس میں تخلص نہیں. بعض اشعار غزل :

ہم میں عشق ہے ہنر سے یہ ہنر پیدا ہوا عشق اپنے دل میں بے فیض ہنر پیدا ہوا

میں وہ مجنوں ہوں تری دولت سے اے لیلاے حسن

بید کو بھی میرے سائے سے حذر پیدا ہوا

مخمس کے بعد دو مثلث، ظاہراً محمد حسین خاں کے اشعار کی تضمین :

کلم کرتا ہے بڑا یہ کہیں مہجور نہ ہو مہرباں دیکھو رقیبوں پہ یہ مشہور نہ ہو

ان دنوں رہتے ہو تم برسر کیں ڈرتے میں

نکالا ہمنے یہ مضمون چن کر لاکھ مضموں سے صبا ناقہ ہے تیرا تیز رو مشہور مجنوں سے

کہ اب لیلیٰ کے ناقے پر تو اب لیلیٰ محمل ہے (کذا)

مصرع ۲ میں مشہور کے بعد « کہہ دینا ہے » بھی ہے .

(۶) «رقعہ بخدمت میر نواب … مونس کہ از مہنکو (کذا) بسبب قرابت خویشی از آغا میر سود اگر کہ بعد مرد نش بنا برحصول ترکہ بماہ محرم سنہ ۱۲۷۲ بجزیرہ تشریف آوردہ بودند بندہ دعوت شان کردہ بود » .

دو منظوم خط، مونس کا ایک سلام « اے محرم گیا سر سرور کہاں کہاں الخ » ورق ۴۰، اور ایک دوسرے سلام « اے سلامی دیکھ کر لے روے اکبر چاند نی » الخ کا مخمس ورق ۴۱ .

(۷) ایک منظوم خط بنام « مرزا صاحب » ورق ۴۳ میں اشعار ذیل متعلق اودھ :

یا الٰہی سلطان (کذا) کو تخت جلدی ہو نصیب دفع ہوئیں جلد اعدا نا شکیب

کلکتہ سے سلطان (کذا) پہنچا سکا عمل مارے جاویں اسکے دشمن بے اجل

لکھنؤ پھر حاسد تر آباد ہو   جلد تر اس کا عدو برباد ہو
دفعۂ ثانی سے لشا ہندوستان   از نصاری ملک در ہندوستان (کذا)
شیعہ ہے یا رب جو یہ شاہ اودھ   تخت و تاج اسکو ملے بے ردو کد

(۸) «نواب جعفر حسن خاں» فیض کی غزل کا مخمس۔ تاریخ ۱۳ ربیع الثانی سنہ ۷۲ھ (ورق ۲۷ وما بعد)۔

رات ایک پری سامنے آ لے گئی جی کو   جلوہ ہمیں چہرے کا دکھا لے گئی جی کو
کیا رات ترے کوچۂ گیسو میں بسی تھی   آتے ہی سحر باد صبا لے گئی جی کو
اک عمر گرفتار رہے چاہ ذقن میں   اب کھینچ تری زلف رسا لے گئی جی کو
وہ خوک میں یکساں ترے کوچے میں کھڑا تھا   ٹھوکر تری اے شوخ اڑا لے گئی جی کو
جو دیکھتے ہی باتوں میں ہوا میں ہمہ تن گوش   پردے ہی سے بس اسکی صدا لیگئی جی کو
اب ہاتھ کسی رنگ سے آتا ہی نہیں ہے   مہندی بھری کس کی کف پا لے گئی جی کو
ہے چاک مرے بر میں گریبان تحمل   کافر یہ تری تنگ قبا لے گئی جی کو
دل شہر میں لگتا نہیں کیا جانے ہوا کیا   پھر ان دنوں صحرا کی فضا لے گئی جی کو
ہے سیل سر شک اور دم سرد پہ عالم   بیساختہ دریا کی ہوا لے گئی جی کو
محجوب نگہ کا ہوا دیوانہ مرا دل   آنکھوں کی تری شرم و حیا لے گئی جی کو
تھا ہمش تمنا یہ وہ گریاں کئی دن سے   سمجھا کے بہت یاس اٹھا لے گئی جی کو
دزدیدہ نگہ کر کے چرایا نہیں دلکو   آنکھوں سے پری آنکھ ملا لے گئی جی کو
ہم دیکھتے ہیں فیض تمہیں دو دو پہر کو   سچ ہم سے کہو کس کی ادا لے گئی جی کو

(۹) «عظیم آباد کے صاحب جج کا جو والفیل صاحب نام ہے تو ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اس انگریز کا سجع کہیے۔ میں نے کہا کہ ان کا سجع تو سجا سجایا ہے۔ . . الشاط لطیفۃ (کذا) والفیل جیفۃ» میر جنت حسین وکیل نے کہا، میرا سجع کہہ دیجیے میں نے کہا «جنت حسین پر لعنت یزید پر»۔

(۱۰) مہمل اشعار بعنوان «نہ» اس سے قبل خود مہجور کے اشعار ورق ۵۷:

جاویں گر قیس سے آوارہ وطن دریا میں   مچھلیاں دشت میں پیدا ہوں ہرن دریا میں
نہ ٹھہرے ایک جگہ گو جہاں جہاں نہ رہے   صبا کو ضد ہے کہ بلبل کا آشیاں نہ رہے
نہ ٹھہرے دشت میں اور طرف بوستاں نہ رہے   صبا کو ضد ہے کہ بلبل کا آشیاں نہ رہے
کوئی شنوا نہ ہوا سوختہ جاں سوکھ گئی   چیختے چیختے بلبل کی زباں سوکھ گئی

دیکھو اشک کے رومال سے باندھا ہے دریا کو   تماشا ہے کہ ہم نے بال سے باندھا ہے دریا کو
کون وہ رویا ہے آوارہ وطن دریا میں   بہہ گئے خاک کے سوتوں کے کفن دریا میں
خالق ارض و سما ہے لاکھ زنجیروں کے بیچ

(۱۱) « افلاطون ثانی و مسیح زمانی حکیم مولیٰ بخش . . . در فن سخنگوئی از اقران ملک گوے سبقت ربود ، قصبۂ چھپرہ مولد ، شاگرد رشید شیخ امام بخش (کذا) راسخ و شیخ . . از ارشد تلامذۂ . . میر است . چوں خواجہ عسکری احمد کہ از متولدان بلدہ و ساکنان قصبہ مذکور . . در بنارس آمدند . . غزل ایں شاعر . . را کہ خود . . مخمس فرمودہ بودند خواندند . . » اس کے بعد مثلث مہجور ، بعض شعار غزل ، مقطع میں تخلص رضا :

بیہوش ہو رہا ہے وہ عہد شباب سے	ہے نشہ حسن کا کہیں دونا شراب سے
بے نور جام مے کو کیا آوے یار نے	شرمندہ آفتاب ہوا ماہتاب سے
محروم دید سے نہیں ہوتے ہیں سنگدل	معلوم ہوگیا ہے یہ چشم حباب سے
چہرے پہ یار کے یہ رواں تار اشک ہے	ظاہر ہوئی ہے یا یہ کرن آفتاب سے
رونے میں بھی نہ آتش دل کم ہوئی ذری	یہ آگ وہ نہیں ہے جو بجھتی ہے آب سے
خوش چشموں سے یہ عشق ہے مجھ بادہ خوار کو	دل ہوگیا کباب ہرن کے کباب سے
کس کس جگہ یہ روح مری جاکے پھرتی ہے	ہرگز خیال شعر نہیں کم ہے خواب سے
میں اس کو چھوڑتا نہیں اور وہ رقیب کو	یا رب رضا کو توہی چھڑا اس فشار سے

« فشار » کی جگہ « عذاب » ہوگا (ورق   ) مکتوب بنام « شیخ صاحب » (تسلیم) میں بھی ان کے متعلق اشعار ہیں جن کی بہت تعریف ہے اور یہ استدعا کہ ان کی غزل کا جو « خمسہ » (مثلث کا ذکر نہیں) جارہا ہے ، وہ انہیں « مرسول » کر دیں ورق ۴۹ .

(۱۲) مرزا امان علی خاں (ورق ۲۵ میں اضافۂ بیگ ، ورق ۱ وغیرہ میں مرزا امان علی) ذبیح ابن مرزا امان علی خاں ابن مرزا یوسف علی خاں ابن مرزا علی محمد خاں اصفہانی کہ بحضور . . شاہ . . عباس صفوی . بعہدۂ خوش نویسی و کتب خانہ داری سرفراز بودند . مولد و منشا شاعر موصوف . . اکبر آباد است ، بعزور دہور بعظیم آباد آمدہ سکونت ورزید و بخانہ یکے از امرایان آنجا کدخدائی نمودہ . و در لکھنؤ رفتہ بہ تلامذگی (کذا) میر . . بلند آوازہ گردیدہ چوں درسن یک ہزار و دو صد و دو ہجری بمعیت سید قاسم علی پسر میر عبد اللہ مرحوم نگر سیٹھ عظیم آباد

در بنارس آمدند از راقم اتحاد کثیر . . روداد» ورق ۷۵ و ۷۶ . ورق ۹۰ و ۹۱ میں ہے «غول طرح مشاعرہ . . ذبیح بمیله نو چند ماه رجب سنه ۱۲۷۲ . . که ہمراه سید قاسم علی خاں پسر دیوانه و بکار خود فرزانه میر عبد الله مرحوم . . در بنارس آمده بودند و بعد چهار ماه بعد دیدن میله (کذا) منگل که در تمام ہندوستان مثلش میله نمی‌شود باز بعظیم آباد رفتند از تلمیذ . میر خود را می‌گفتند شاعر کہنه سال بودند».

ورق ۱ سے معلوم ہوتا ہے که یه بتاریخ ٤ شعبان سنه ۷۲ روانۂ پٹنه ہوئے تونے ؛ ورق ۹۳ میں ہے که یه پٹنه کے محلۂ مغلپوره میں «متصل پل سید راجه زیر درخت بڑ برناله (کذا) عقب مکان نواب مہدی علی خاں مرحوم» رہا کرتے تھے۔ ان کے خط کا منظوم جواب مرقومه ۱۲ رمضان سنه ۷۲ ھ (ورق ۳۱).

مرزا صاحب مشفق عالی مقام — یه گزارش کرتا ہوں بعد از سلام
آپ کا مکتوب پہنچا ڈاک پر — دل کو بس فرحت ہوئی وہ دیکھ کر
لله الحمد اب تلک زنده ہیں ہم — رنج و غم لیکن نہیں ہوتے ہیں کم
مرض مزمن درپے آزار ہے — زندگی جس کے سبب دشوار ہے
اور ہے ان روزوں وبا وہ سخت تر — ایک دم میں سینکڑوں جاتے ہیں مر
دھوم ان روزوں ہے ہر سو موت کی — موت ہے زندوں کو گویا زندگی
ایک دم کا بھی بھروسا اب نہیں — دم جو ہے گویا وہ دم ہے واپسیں
باخته ہر ایک ہے ہوش و حواس — زندگی کو موت کرتے ہیں قیاس
جب بنارس میں تھے تم اے مہرباں — کیسے کیسے ربط تھے باہم عیاں
کہتے تھے خط لکھونگا میں اس قدر — آپ گھبرا جائیے گا سر بسر
سو نتیجه اس کا یه ظاہر ہوا — اک مہینے بھر کے بعد اک خط لکھا
کس قدر سچ بولتے ہیں آپ واہ — صادق القول آپ ہیں بے اشتباه
ہم تو پہلے جانتے تھے مہرباں — آپ سچے ہیں بلا ریب و گماں
آخرش کو وہ ہی اب ظاہر ہوا — اور ہر اک اس بات سے ماہر ہوا
مولوی صاحب کہاں اے مہرباں — آپ نے لکھا جو ہے یه ہے تکاں (کذا)
آپ کا جاکر کہوں ان سے پیام — یعنی بعد از خیر پرسی و سلام
آپ سے میر نے کہا ہے بارہا — بنده سے خدمت نہ ہوگی یه لطفا

آپ کا نوکر نہ ان کا طابعدار (کذا) اور نہ میرا قاصدی کا ہے شعار
آپ پر آتے نہیں ہیں اس سے باز واہ رے عقل و ادب اور امتیاز
آپ نے ان کو نہ لکھا خط جو اب خوب بندہ اس کا سمجھا ہے سبب
ان سے جو روپیہ لیا ہے آپ نے فکر فرمائی ہے یہ اتنے لئے
تا تقاضا وہ نہ لکھیں ناگہاں عقلمند آپ کے کھولی کھول کے تہاں (کذا)
ہے محض بے فائدہ یہ کانٹ چھانٹ اور عبث کی ہے یہ اتنی آنٹ سانٹ
پھر نہ لکھئے گا کبھی ایسے کلام تلخ تر ہوگا جواب اب ارتقام
ہاں مگر جب تک تلافی ہو بہم خیریت اپنی کیا کیجے رقم
زیادہ اس سے کیا لکھوں میں جز سلام خط یہاں سے اب ہوا ہے اب (کذا) تمام

«از راقم بسیار محبتہا نمودند و در نفس الامر شاعر نغز گفتار نادر روزگار بودند. صاحب تصانیف مجلہ کہنہ مشق پرگو و خوشگو» ورق ۲۷، ذبیح کی دو غزلیں (ورق ۷۳ و ما بعد):

دود جگر نے گنبد گردوں بنا دیا اشکوں نے آکے جوش میں جیحوں بنادیا
اس نقد داغ عشق کی افراط کیا کہوں دل کو مرے خزینۂ قاروں بنا دیا
کسطرح اشک چشم سے آویں نہ لعل گوں ہردم کے عشق نے تو جگر خوں بنا دیا
دیوانے سینکڑوں ہیں ترے اے پری خصال لیلیٰ نے ایک قیس کو مجنوں بنا دیا
پھر دیگا کیا کسی کو یہ خالی ہے آپ ہی گردوں کو حق نے کاسۂ واژوں بنا دیا
دیکھو ہے کیا ہی صنعت نیرنگ کردگار موسی کسی کو کوئی فلاطوں بنا دیا
اس انقلاب چرخ کو خدمت ملی یہ آہ ہاموں سے دشت دشت سے ہاموں بنا دیا
میخواری اسکی یاد جوآئی (تو) اشک نے آنکھوں کو جام بادۂ گلگوں بنا دیا
آئینے میں پری نے سنوارا جو زلف کو دیوانہ ہم کو اور ہی افزوں بنا دیا
حیرت یہ ہے چمن میں کہ (کس) خوشنگاہ نے نرگس کو آنکھ مار کے مفتوں بنا دیا
ایسا ہے سرو کب کوئی باغ جہاں میں آہ جیسا کہ قد یار کو موزوں بنا دیا
مسرور ایک دم نہیں پاتی اسے ذبیح کیا دل کو اس کے عشق نے محزوں بنادیا
جی الجھتا ہے جو ہر دم کبھی ایسا تو نہ تھا یاد آتا ہے مجھے غم کبھی ایسا تو نہ تھا
سینہ کوبی ہے سدا پیٹتے ہیں روتے ہیں جو کہ اب دل کا ہے عالم کبھی ایسا تو نہ تھا
غم سے کوئی نہیں خالی ہے مہینہ اب تو مجھ کو ہر ماہ محرم کبھی ایسا تو نہ تھا

ید رخسار کی ہے وجہ وگرنہ دل میں جلوۂ نور کا عالم کبھی ایسا تو نہ تھا
کل کوئی چرخ کی بگڑی ہے مقرر ورنہ کارخانہ مرا برہم کبھی ایسا تو نہ تھا
وجہ ہو گئی جو ہمیں منہ نہ دکھایا اس نے ور نہ یار آنے نہ ہمدم کبھی ایسا تو نہ تھا
لاسکا ... شب کی دس (کذا) طرح ذبیح ہیچ یہ قطرۂ شبنم کبھی ایسا تو نہ تھا

(۱۳) « مرور کہ سہ شنبہ بست و ہفتم .. جمادی الثانی سنہ ۱۲۷۲ .. بودنواب محمدحسن خون.. عرف ... میاں نوۂ ..میر محمد قاسم خان..صوبہ بنگالہ کہ بزیور قابلیت ظاہر و باطن ... بودند .. انتقال فرمودند حالیا در تمام تلیبا نالہ بلکہ در تمام شہر مثل ان مرحوم امیرے و رئیس زادہ باقی نماند. افسوس از آں برادر عالی تبار پسر ان مرحوم بلیاقت وشو .. کے میتو اند رسید.» (ورق

(۱٤) خمسہ غزل تسکین (نام ندارد) بعض اشعار غزل (ورق ۲۹)

... یہ ہو نہ ہے کہ اصلا نہیں جاتا ہر روز کا یہ وعدۂ فردا نہیں جاتا
بھلا ہے مگر اس دہن تنگ کا چرچا غنچوں کا جو گلشن میں چٹکنا نہیں جاتا

(۱۵) ایک مسدس جس کے ہر بند کے آخر میں یہ شعر جو غالباً حسرت کا ہی ہے، آتا ہے:

جو شب کاٹی تو دن مشکل جو دن کاٹا تو شب مشکل
ترے نزدیک سب آساں میرے نزدیک سب مشکل

ورق ۱۰

(۱٦) ایک نسخہ « گفتہ شیخ ذاکر علی ذاکر کہ ہمیں مرض لاحقہ راقم .. قرب المرگ (کذا) شدہ بود (کذا) حسب گفتۂ درویشے بعمل آوردند و صحت یافتند» مصراع طرح بزم مشاعرہ محمد ذاکر علی ذاکر در تلیبا نالہ بمکان محمد رضا خاں درکٹرہ مقرر کردہ بودند .. « ہر سرو اس چمن کا ایک آہ بےصدا ہے» «ہر رہے گل ہے شب مہتاب ہے گلزار ہے » ورق ۲۷

(۱۷) ذیل میں جو نام ہیں، یہ مغل شاہزادوں کے نام معلوم ہوتے ہیں جو مقیم بنارس تھے، (ورق ٤۳):

مرزا احمد جان عرف مرزا کیخسرو جلال بہادر، میرزا لعل عرف مرزاعظیم الدین بہادر، مرزا عبداللطیف عرف مرزا فخرالدین علی بہادر، مرزا ظفر بخت عرف نظام الدین بہادر، میرزا نظام الدین عرف میرزا طہماسپ بہادر، میرزا زین العابدین

عرف میرزا فخر الدین بہادر۔ میرزا احسن بخت بہادر، مرزا محمد ضیاء الدین محمود بخت بہادر عرف مرزا بلاقی بہادر، مرزا جھبو (؟) عرف مرزا عبدالرحیم بخت بہادر، مرزا احسن بخت خلف مرزا جلال الدین اکبر عرف بڑے مرزا صاحب بہادر، مرزا عثمان بہادر۔

(۱۸) سنہ ۷۱ میں ملامت شاہ سے ایک نسخہ ملا «درویش رسول شاہی که حالا.. درویشے ازیں گروہ نیست و راقم را از چہل سال عقیدت کا مله در ایشاں است وہمگی رئیسان ہندوستان بخدمت ایشاں عقیدتہا دارند» ورق ۵۲

(۱۹) پہنچا حسین آباد میں بندہ جو نا گہاں

بھائی ہیں ایک میرے محمد سعید خاں
بس مقتدر ہیں اور بڑے ہی امیر ہیں
اور وہ اجارہ دار معاش فقیر ہیں
والد کا ان کے نام محمد تقی خان
دادا کے میرے بھائی چچیرے تھے بیگماں
دادا کو میرے ان سے محبت کمال تھی
ربط کثیر ان سے تھا الفت کمال تھی
جا کر ہوا فرود میں ان کے مکان میں

ورق ۵۹

(۲۰) «.. شاعر یگانہ .. شیخ مہدی بخش تسلیم و نام .. والدش شیخ علی بخش دعا .. که عمر شریفش از نود .. متجاوز گشتہ ہوش و حواس بجا زوق سخن گوئیہا دارد .. دیوان چند در عربی و فارسی واردوے معلی دارد ریختی نیز میفرماید چنانچہ دیوانے در ریختیہا نیز دارد. از مولدان وسکناے چھپرہ .. شاعریکہ ایں ہردو غزل از.. اوست شاعر یست نازک کلام ..صاحب دیوانین (کذا) متین است درعدالت آں مقام پیشہ وکالت بلند نام است. چوں خواجہ عسکری (کذا) که .. از ماموے (کذا) خود شیخ مہدی بخش تسلیم مشق ایں فن .. دارد از متولدان .. عظیم آباد است بتقریبے در شہر بنارس وارد گشتہ .. ایں ہر دو غزل .. بدست آمدہ درج .. مدائح الشعرا مخولہئ گردید» ۱۵ شعبان سنہ ۱۲۷۲ ھ ورق ۶۳

تاملة منظوم فارسی بنام تسلیم ورق ۳۲ ـ اردو کا منظوم خط ورق ۴۹ و مابعد

میں ہے۔ وہ یقین ہے کہ انہیں کے نام سے ہے۔ اس کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں
(مرقومہ ۱ رمضان سنہ ۷۲ھ)

ہوا مشتاق تو بس یہ مہجور تلاقی تھی و لیکن چونکہ معذور
یہ دو غزلوں کا کرکے اندور خمسہ سبیل ڈاک ہے خدمت میں بھیجا
کریں اصلاح اس کی بے توقف نہایت مرتبہ ہوگا تلطف

ایک خمسہ بیاض میں ہے ورق ۶۲، غزل تسلیم کے بعض اشعار:

دیدہ حو شد از فسانۂ ما سینہا سوزد از ترانۂ ما
دست شستم از تلاش معاش گریہ ماست آب و دانۂ ما
دل من جلوہ گاہ مستی عشق کعبہ تا شراب خانۂ ما

(۲۱) «اسم آں شاعر رنگیں خواجہ محمد عسکری است خواہر زادۂ شیخ علی بخش (کذا) تسیم نوجوانیست با طبع سلیم برجادۂ سخنوری مستقیم تلمذ از ماموے خودش بہمرسیدہ بہ بےسروسامانی بسیار وارد بنارس گشتہ روز چند بمکان شیخ ذاکر علی فرودماندہ، با لآخر بمساعی .. مشارٌالیہ نزد ہندوئے بصیغہ معلمی نوکر شدہ .. ہر چند فہمایش نمودم کہ بخانۂ خود بر گردد چوں صاحب غیرت است ہمت جوان مردانہ اش مقتضی (کذا) نمیکرد .. اگرچندے دیگر اصلاح .. از ماموے خودش کہ شاعرہمہ‌داں است میگرفت، بی فی‌الجملہ خامیے کہ در پختگی ثمرۂ کلام اوست بحصول‌می پیوست با لحاصل (کذا) چوں ہر روز پیش راقم میامد غزل ماموے خودش را ازیں ہیچمدان مخمس کنانیدہ بنابر مخمس نمودن غزل خودش نیز متصدعہ (کذا) گشت ..» ورق ۸۸ ۔ غزل ورق ۸۷:

دیدہ کی ہم نے در دندان ولعل یار کی
سیر کی ہے آج گویا جوہری بازار کی
کوچۂ جاناں کے شوق دید میں آئی اجل
ہوں وہ‌بلبل رہگئی حسرت مجھے گلزار کی
شوق نظارہ میں وا آنکھیں رہیں مرقد میں بھی
بعد مردن بھی مجھے حسرت رہی دیدار کی
جس کا جوہر ہو گیا زائل وہ بے قیمت ہوا

جب تلک ہے کاٹ تب تک قدر ہے تلوار کی

نیند مرقد میں نہ آئی حشر تک بھی مجھ کو آہ
جب صدا پہنچی ترے خلخال کی جھنکار کی

جس نے دیکھا ہو گیا وہ قتل ہے شمشیر کے
ہیں نرالے طرز اے قاتل تری شمشیر کے

نوح کا طوفاں لیا ہو روؤں گر اک پل کبھی
رشک ہیں آنکھیں ہماری ابر دریا بار کی

ہم قفس میں بیٹھے دیتے ہیں دعا صیاد کو
ہمصفیروں کو مبارک سیر ہو گلزار کی

زیست کرتے ہیں لہو پی پی کے فرقت میں سدا
یاد اپنے دل کو رہتی ہے کسی میخوار کی

خرمن دل پر ہمارے دیسد کرتے ہی گری
برق اس خورشید رو کے جلوۂ رخسار کی

ہے عجب طوف حرم ہندو بھی اب کرنے لگے
گرد عارض کے رہا کرتی ہیں زلفیں یار کی

اس قدر اس سنگدل کا میں ہوں محو انتظار
ٹکٹکی سے آنکھ پتھرائی ہے مجھ بیمار کی

داغ دل پر نو خطوں کے عشق میں ہے جو صبا
چاہیے پٹی لگانا مرہم زنگار کی

ورق ۴۹ (مکتوب « بنام شیخ صاحب ») میں ان کے متعلق مرقوم ہے :

که خواجه عسکری صاحب جو یاں آئے انھوں نے لطف اس عاصی پہ فرمائے
نہایت وہ جوان خوبتر ہیں نہایت منسکر ہیں بسا ہنر ہیں
ہیں فن شاعری سے خوب آگاہ سخن روشن ہے ان کا مہ سے تا ماہ
بہت طباع ہیں اور شاعر خوب کلام ان کا ہے بس ہر اک کو مرغوب
وہ بندہ خانے میں رہتے ہیں ہر دم مرے وہ دوست ہیں اور یارو ہمدم
رہا کرتی ہے ہر دم ان سے صحبت مودت ان دنوں میں ہے نہایت

ایک مثنوی میں حضرت عائشہ کا خواب بیان کیا ہے جس میں انھیں بتایا گیا تھا۔ کہ امام حسن اور امام حسین کے قتل میں علی الترتیب معاویہ و یزید کا ہاتھ ہوگا. یہ روایت اُنھیں شاعر زیر بحث سے ملی تھی، بعض اشعار یہ ہیں:

اگرچہ جھوٹ کہا عائشہ[1] نے اے یارو طمانچہ منہ پہ ہزاروں ہی اس کے اب مارو
صحیح اور کہا ہے تو ہے وہ صدیقہ ضرور بنت ابوبکر کو کہو سچا
ہیں دوست میرے جو اک خواجہ عسکری احمد حدیث پہنچی ہے ان سے مجھے یہ بے رد و کد

ورق ۴۵

ورق ۹۱ میں ہے «نسخۂ آتشک از مجربات اخوی حکیم ابوالحسن .. سلمہ کہ بنا بر خواجہ عسکری احمد عظیم آبادی نوشتہ بودند» صبا کا نام مولف نے مختلف طور پر لکھا ہے۔

(۲۲) «اسمش ملکا (کذا) طبعش پیشتر ازیں فن .. آشنائی نداشت لاکن از فیوض صحبت میر مشرف علی .. جوہر بحصول ایں جواہر زواہر مشرف گشت۔ از متولدان و متوطنان عظیم آباد» زمانۂ تحریر نہیں بتایا لیکن اس کے بعد ۲۶ رمضان سنہ ۱۲۷۲ ھ کی لکھی ہوئی عبارت. اشعار ملکا:

یہ طور یار نے سیکھا ہے بیوفائی کا کہ نام تک نہیں لیتا ہے آشنائی کا
پھرا میں وادیٔ پر خوار میں صبا کی روش خیال بھی نہیں آیا برہنہ پائی کا
رجوع کیوں نہ ہوں شیخ و برہمن اس بت سے خدا نہیں ہے یہ داہر ہے اک خدائی کا
قمر میں نور نہیں یار کی جبیں سے سوا شفق میں رنگ نہیں اس کف حنائی کا
مقابلہ کرے کیا عندلیب اے ملکا چمن میں شور ہے تیری غزل سرائی کا
گلگشت چمن میں بھی مرا جی نہیں لگتا سچ ہے کہ کسی جا پہ لگا جی لگتا

«ملکا» نہیں بلکہ «ملکہ» ہوگا اور یہ کوئی طوائف ہوگی۔ سنہ ۵۷ ع سے پیشتر کی بہت کم بہاری عورتوں کا کلام ملتا ہے۔

(۲۳) غزل مشاعرۂ ذاکر علی (تیلیا نالہ) کا ایک شعر از مہجور ورق ۳۹ :

کب نصاریٰ کے اکھاڑے سے یہ اکھڑا عیسیا ؟ اب نشاں آل محمد کا ہی قائم ہوگا

قائم قافیہ مرہم غم وغیرہ کا آیا ہے اور یہ عجیب ہے۔ غزل طرح تیلیا نالہ ورق ۴۴.

---

[1] حضرت عائشہ کی شان میں یہ الفاظ استعمال نہ کرنے تھے حد بھی و حشی ہیں۔

(۲٤) «حکیم احمد شاہ خان .. از باشندگان اطراف لکھنؤ کہ در لکھنؤ علم طب خوانده بودند در بنارس آمده نزد احمقان بنارس فلاطون زمانہ مشهور نمودند و پیش رئیسان اینجارسائیہا پیدا کرده .. دماغ خود بآسمان چهارم رسانیدند» ورق ۲۱

(۲۵) رباعی از مهجور

«خدا کے گھر میں تولد پدر کا جس کے ہو آہ

اٹھاویں تعزیہ مسجد سے اس کے بیٹے کا واہ

لڑیں نہ ان سے جو مردود مسجدیں تڑوائیں،

خدا کا قہر ہے اس کلمہ گوے پر واللہ ورق ۵۳

(۲٦) مثنوی مصرع ۱ «پس از حمد خدا نعت پیمبر» یہ چالیس حدیثوں کا ترجمہ:

محدث ایک ہیں عالمرابت ہیں شاہ عبداللہ کر کے وہ مخاطب

محدث ہیں وہ بس دہلی میں رہتے حدیث وعظ ہیں ہر جا یہ کہتے

نہیں ہے ہند میں کوئی مثل ان کا نہایت دور دور ہے ان کا شہرہ

ابو طاہر تھے ان کے باپ فاضل محدث تھا نہ ان کا کوئی مقابل

یہ احادیث وہی با سناد بیان کرتے تھے مہجور کا قول ہے کہ ۱۸۰ اشعار ہیں لیکن دراصل ۲۱۸ ہیں۔ مثنوی ۲۹ محرم سنہ ۱۲۷۰ھ کی لکھی ہوئی ہے ورق ۷۷ تا ۸٤۔

(۲۷) رسالۂ نادر «چوں محرراں کارداں .. کو اکسر (کذا) لغات و اصطلاحات عربی و فارسی و ہندی میں تردد واقع ہوتا تھا لہٰذا راقم .. نے بسعی تمام وہ الفاظ اقتباس کر کے اس (کذا) اوراق میں مرتسم کیے» نمونۂ الفاظ: ہمدانس وہم زلف ساڑھو چغل ستراء سفری زن چیپٹ باز، پاپا خلیفۂ نصاریٰ یعنی پادری، شاخشانہ مونڈ چراء نزوک (کذا) دان دہیز پرنس، ٹوپی انگریزی' اس رسالے میں بقول مہجور توریت سے لیکر حضرت علی حضرت فاطمہ، حضرت حسن وائمہ دیگر (تا امام مہدی) کے نام لکھے ہیں۔ جمادی الاولی سنہ ۷۲ھ میں ختم ہوا ورق ٦٦ تا ۷۳

(۲۸) «نقل تعویذ وفلیتہ کہ میر غلام حسین .. خالوے .. امین الدولہ مرحوم دادہ بودند» ورق ۱، امین الدولہ علی ابراہیم خان کا خطاب تھا، مگر اس جگہ نام نہیں

(۳۹) مزوری (مزدوری ؟) ورق ۱۳ ۔ تماکو (تنباکو) واله (کذا) بوتلم (تام) حلواسوہن ۲۴ ۔ جوتبہ (جوتا) ۵۷ ۔ لہی کلاٹ ۵۸ ۔ جٹ سیاہ ، نیلو ۔ تھان پلن ؟، یکرنگہ سرخ ، ساٹھن ۔ نول اودہ (اودا) ، تشتری ، گیلاس ، لالٹین ، پاتیلہ ، کھڑکھڑکیہ (کھڑ کھڑیا) ۸۴ ۔ کڑ گڑی ، تھان سوسی ۔ مربہ سیب (کذا) حپ و لول ۹۸ ، رقومات ۱۰۰ ۔ تھان ڈوریہ (کذا) ۵۸ ، جازم (کذا) ، لبادہ بنات افشانی ۔ فالسائی ، لوا آہنی ڈبیہ (کذا) ویفر ، اچاری ۔

سید محمود حسن قیصر امروہوی

کلام مصحفی پر اسیر کی اصلاحات

نواب کلب علی خاں والئ رام پور کے عہد میں مصحفی کے ابتدائی چار دیوانوں کا ایک انتخاب شایع ہوا تھا، جس کے دیباچہ میں ناشر نے لکھا ہے :

« یہ امر تو سب جانتے ہیں کہ میاں مصحفی مرحوم کے آٹھ دیوان اردو ہیں مگر کمیاب بلکہ نایاب، اور دو ایک دیوان جو ملتے ہیں وہ نسخ ناسخین اور تحریف کاتبین سے ایسے غلط کہ میاں مصحفی مرحوم خود بھی مطالعہ کرتے تو نئے سرسے تصنیف کی حاجت ہوتی، اس عہد ہمایون میں بہ تلاش بسیار چار دیوان فراہم کئے گئے اور فقیر کے والد ماجد، جناب منشی امیر احمد صاحب امیر اور ان کے استاد جناب منشی مظفر علی صاحب اسیر مدظلہما نے بڑی عرق ریزی سے ان کی تصحیح بقدر مایمکن کرکے اشعار پسندیدہ و دلچسپ منتخب کئے اور ایک دیوان مرتب کیا » .

یہ دیوان سنہ ۱۲۹۶ ھ میں تاج المطابع رام پور سے شائع ہوا تھا، اس کے آخر میں منشی مظفر علی صاحب اسیر، منشی محمد اسمعیل حسین منیر، مولوی محمد فصیح الزماں خاں، مولوی الہی بخش غریب، سید احمد نذر امروہوی، مہدی علی خاں ممتاز اور امیر مینائی کے قطعات تاریخ ہیں .

اہل ادب کے سامنے مصحفی کا جو کچھ کلام ہے وہ اسی مطبوعہ دیوان کی شکل میں ہے، اس لئے کہ ان کے وہ آٹھ دیوان جن کا نام عموماً تذکرہ کی کتابوں میں لیا گیا ہے، بیحد کمیاب ہیں، چنانچہ علامہ کیفی چریا کوٹی نے « جواہر سخن » میں مصحفی کے کلام کا جو انتخاب دیا ہے وہ اسی دیوان سے دیا ہے، اس بنا پر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اہل ادب کے سامنے اس حقیقت کا اظہار کر دیا جائے کہ یہ دیوان کس حد تک مصحفی کا کلام ہے اور کس حد تک دوسروں کا .

رضا لائبریری رام پور میں مصحفی کے کئی دیوان قلمی شکل میں محفوظ ہیں، ان نسخوں سے اس مطبوعہ دیوان کا مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جگہ

جگہ تصحیح کے نام سے اشعار میں اس قدر ترمیم اور الفاظ میں اس حد تک تصرف کیا گیا ہے کہ جس سے مصحفی کے کلام کے اصلی خد و خال پوشیدہ ہوگئے ہیں۔

ان اصلاحات کو دیکھ کر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ مصحفی نے چونکہ ایک طویل عمر پائی اور ان کے آخر زمانہ تک زبان بہت کچھ صاف ہوگئی تھی، اس لئے انہوں نے خود ہی اپنے دواوین پر نظر ثانی کی ہو اور وہی نسخے اسیر کے ہاتھ آگئے ہوں جن کو اس مطبوعہ انتخاب دواوین کی اصل قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن بوجوہ ذیل اس حسن ظن کو راہ نہیں دی جاسکتی۔

۱ مصحفی کے دواوین کا کوئی ایسا مخطوطہ اب تک دستیاب نہیں ہوا جو اس مطبوعہ دیوان کے مندرجات سے کسی حد تک مطابقت رکھتا ہو۔

۲ ریاض الفصحاء جو مصحفی کی آخر عمر کی تصنیف ہے، اس میں انہوں نے اپنے اشعار کا جو انتخاب دیا ہے، اس میں تمام وہی الفاظ ملتے ہیں جن کو مطبوعہ دیوان میں بدلا گیا ہے، چنانچہ دو شعر جو ریاض الفصحاء اور مطبوعہ دیوان دونوں میں ملتے ہیں۔ ان میں حسب ذیل اختلاف ہے۔

ریاض الفصحاء	دیوان مطبوعہ
ایک بھی آبلہ پاؤں میں تو اب کے نہ پڑا	ایک ہی آبلہ تو پاؤں میں ان کی نہ پڑا
کیونکہ طے کر گئے یاران عدم منزل کو	صاف طئے کر گئے یاران عدم منزل کو
خوں ناحق ہوں میں، کیونکر کوئی کھووے مجھکو	خون ناحق ہوں وہ کسطرح سے کھووے مجھکو
رہوں گردن پہ میں دامن سے جو دھووے مجھکو	. . .

۳ مصحفی کے دیوان کا ایک مخطوطہ جو رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے[۱]، اس میں خود اسیر کے قلم کی اصلاحات موجود ہیں اور مطبوعہ انتخاب دواوین میں یہ اشعار ان ہی اصلاحوں کے ساتھ ملتے ہیں۔ جس کے بعد اس خیال کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ یہ اصلاحیں خود مصحفی نے کی ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ اسیر کا مقصد ان اصلاحات سے اپنے استاد کے کلام

---

۱ ۔ جناب عرشی صاحب نے دیوان مصحفی کے اس مخطوطہ کی پوری تحقیق کی ہو اور اسیر کی دیگر تحریروں سے ملاکر یہ ثابت کیا ہو کہ یہ تمام اصلاحات اسیر ہی کی قلم کی ہیں۔ مؤلف۔

سے متروک الفاظ اور تعقید لفظی وغیرہ عیوب کو دور کرنا اور ان کے پھسپھسے اشعار کو چست بناتا تھا۔ اور اس میں وہ کہیں کہیں کامیاب بھی ہوئے ہیں، لیکن بیشتر مقامات پر یہ اصلاح اس اعتبار سے ناکام رہی ہے کہ الفاظ کی تبدیلی نے شعر کی روح اور لطف زبان کو ختم کردیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی استاد کے الفاظ کو بدلنا کس قدر نزاکت رکھتا ہے۔

اسی جذبہ میں مصحح نے کہیں کہیں اپنی طرف سے بھی اشعار کا اضافہ کردیا ہے مثلاً:

مصحفی کیا میں رہوں مرگ سے بیخوف۔ کہ ہے قبر تہ خانہ مری کلبۂ احزاں کے تلے

یہ مقطع مصحفی کے کسی مخطوطہ دیوان میں مجھ کو نہیں ملا، حالانکہ اس ردیف و قافیہ میں انہوں نے دو غزلہ کہا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ اسیر نے اپنے اس انتخاب میں بکثرت ایسے اشعار چھوڑ دئے ہیں جو کسی طرح نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھے، اور کمزور اشعار کو لے لیا ہے، اس بنا پر اس دیوان کو مصحفی کے کلام کا صحیح انتخاب نہیں کہا جاسکتا ہے، مثلاً ایک غزل ہے۔

۱۔ جھانک لیتے تھے کبھی روزن دیوار کی راہ دیکھیں کیا نکلے ہے اب یار کے دیدار کی راہ

اس ردیف و قوافی میں مصحفی نے سہ غزلہ کہا ہے، اسیر نے ان تینوں غزلوں کا انتخاب لیا ہے مگر حسب ذیل اشعار نظر انداز کردئے ہیں۔

منھ اٹھائے میں دوانہ سا چلا جاتا ہوں نہ بیاباں کی سمجھتا ہوں نہ کہسار کی راہ

قیس و فرہاد پہ آساں ہوئی کہسار کی راہ باتوں باتوں میں کٹے جیسے کہ دو یار کی راہ

صدمہ کیا جانئے، کیا دل پہ ہوا بلبل کے متصل قطرۂ خوں ٹپکے ہے منقار کی راہ

کیا ہوا، شام سے در میں نے اگر بند کیا تم اگر آؤ تو کھلی ہے دل بیدار کی راہ

دیکھ کر حسرت مجنوں کو بہت سر پٹکا ناقہ لیلیٰ کا جو گذرا کبھی کہسار کی راہ[1]

۲۔ جاتے تھے دوڑے دوڑے چلے محملوں کے ساتھ کیا یاد ہمکو آتے ہیں ان منزلوں کے ساتھ

اس غزل میں اسیر نے حسب ذیل دو شعر جو نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھے، چھوڑ دئے ہیں۔

اس کی گلی میں قدر ہے کیا آفتاب کی پھرتا ہے یہ بھی کاسہ لئے سائلوں کے ساتھ

۱۔ دیوان مصحفی مخطوطہ نمبر ۲۴۵ ورق ۱۱۸۔

مجنوں کی روح محمل لیلیٰ کے شوق میں　　پھرتی ہے گرد ہو کے لگی قافلوں کے ساتھ [1]

۳۔ خورشید کا ادھر سے گذر کسطرح سے ہو　　دیکھوں شب فراق، سحر کسطرح سے ہو

اس غزل میں ذیل کے دو شعر اسیر سے چھوٹ گئے ہیں:

جو خون کشتگاں سے ملے ہاتھ پر حنا　　اسکو کسی کے خون کا ڈر کسطرح سے ہو

میں تو شب فراق کے زنداں میں قید ہوں　　وا میرے منہ پہ صبح کا در کسطرح سے ہو [2]

٤۔ اشک بے صرفہ نہ اے دیدۂ تر جانے دو　　آستیں خون میں بھرتی ہے تو بھر جانے دو

اس غزل میں ذیل کا شعر اسیر نے چھوڑ دیا ہے جو پوری غزل کی جان ہے۔

ہم پریشانی کی اپنی ہی کریں گے تقریب　　تم ذرا اور بھی زلفوں کو بکھر جانے دو [3]

۵۔ بیخودوں کو کشش زلف گرہ گیر ہے شرط　　جس طرح پیل سیہ مست کو زنجیر ہے شرط

اس غزل میں حسب ذیل شعر اسیر نے نہیں لیا۔

کون کہتا ہے تجھے کعبۂ دل کو نہ بنا　　لیک بتخانۂ صورت کی بھی تعمیر ہے شرط [4]

٦۔ شانہ کرتے جو وہاں زلف کا مو ٹوٹ گیا　　زخم سینہ کا مرے تار رفو ٹوٹ گیا

اس غزل میں بھی ذیل کے دو شعر اسیر نے نظر انداز کر دئے ہیں۔

مجھ پہ ہوتا ہے تو کیوں زخم لگا کر برہم　　نیمچہ کب ترا، اے عربدہ جو ٹوٹ گیا،

مصحفی خوب ہوا یہ کہ کشاکش میں بہم　　رشتہ الفت یاران دو رو ٹوٹ گیا [5]

۷۔ دیکھتا ہوں اسکو میں پردم دو چار آئینہ　　اپنے پردہ میں ہوا ہے وہ شکار آئینہ

اس ردیف و قافیہ میں مصحفی نے دو غزلہ کہا ہے، اسیر نے اپنے انتخاب میں حسب ذیل شعر جو پورے دو غزلہ میں نمایاں ہے، چھوڑ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

جلوہ گر ہوتا ہے اس میں جب وہ روئے پر عرق　　عقد پروین کو کرے ہے مہ نثار آئینہ [6]

۸۔ مجرکو یاروں نے بد و نیک کہا کیا کیا کچھ　　دیکھ تو اک تری خاطر میں سنا کیا کیا کچھ

اس غزل میں حسب ذیل دو شعر اسیر نے چھوڑ دئے ہیں۔

ساغر و بادہ و دامان گل و دست نگار　　ہاتھ سے میرے یک بار گیا کیا کیا کچھ

دیدۂ فرق سے تک دیکھ کہ ایک ایک پل میں　　رنگ بدلے ہے زمانہ کی ہوا کیا کیا کچھ [7]

۹۔ اگر بتوں کی تمنا سے دل مرا پھر جائے　　تو وونہیں شعر و سخن کا مرے مزہ پھر جائے

۱۔ دیوان مصحفی مخطوطہ نمبر ۹٤۵ ورق ۱۱۹ ب۔　۲۔ ایضاً ورق ۵:۱ ب۔　۳۔ ایضاً
٤۔ دیوان مخطوطہ نمبر ۹٤۳ ورق ٦ ب۔　۵۔ ایضاً۔　٦۔ ایضاً ورق ٤٤ الف،　۷۔ ایضاً
ورق ٤٦ الف۔

اس غزل میں ذیل کا شعر چھوڑ دیا گیا ہے ۔

پھول چوتی ہے زلزلی، نہ ہے دعا میں اثر میں ہوں وہ بندہ کہ جس بند سے خدا پھر جائے
(مخطوطہ نمبر ۹۴۴ ورق ۹۲ الف)

ذیل میں کچھ وہ اشعار ہدیہ ناظرین کرتا ہوں جن پر اسیر نے قلم اصلاح کی روانی دکھائی ہے ۔ ان کا مقابلہ اصل سے کرنے پر مصحفی کی استادی اور بلاغت کلام کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے ۔

دیوان مخطوطہ	دیوان مطبوعہ
۱ ۔ اپنی تو اس چمن میں عمر اسطرح سے گذری	اپنی تو اس چمن میں نت عمر یونہی گذری
واں آشیاں بنایا	ماں آشیاں بنایا، . . . .

اس شعر کے پہلے مصرعے میں اسیر نے « نت » کا لفظ بدلنا چاہا ہے جسکی وجہ سے « یونہی » کا لفظ بھی ان کو نکالنا پڑا ۔ لیکن اہل ذوق سمجھ سکتے ہیں کہ یہی دو لفظ شعر کے اصلی مفہوم کی تصویر کشی کر رہے ہیں ۔

دیوان مخطوطہ	دیوان مطبوعہ
اے مصحفی ! گریباں سارا لہو میں تر ہے	۲ ۔ سو ٹکڑے ہے گریباں، دامن لہو میں تر ہے
کہاں بنایا	ـــــہ رنگ تو نے اپنا ظالم، . . . .

اس شعر کا دوسرا مصرعہ حالت کی غیر معمولی دگرگونی کو چاہتا ہے ۔ مصحفی نے مصرعہ اولیٰ میں اس کا پورا اہتمام کیا تھا اور گریباں اور دامن دونوں کی الگ الگ حالتیں دکھائی تھیں، اسیر نے اپنی اصلاح میں اس بلاغت کا لحاظ نہیں کیا انھوں نے صرف گریباں کو لہو میں تر دکھایا ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ حالت ایسی نہیں جس پر استعجاب کیا جاسکے ۔

دیوان مخطوطہ	دیوان مطبوعہ
. . . .	۳ ۔ کنج قفس میں لطف ملا جسکو وہ اسیر
چھوٹا بھی تو کبھی نہ سوئے آشیاں گیا	چھوٹا بھی گر تو پھر نہ سوئے آشیاں گیا

اہل نظر سمجھ سکتے ہیں کہ مصحفی کے یہاں « پھر » کا لفظ مصرعہ کے زور اور اثر کا پورا پورا ضامن ہے ۔ اسیر نے پہلے تو حرف شرط « گر » کو اڑایا جو لفظی بحیثیت نہایت معنی خیز ہے ۔ اس کے بعد « پھر » کو « کبھی » سے بدلا ۔ ظاہر ہے کہ اس تبدیلی سے مصرعہ میں کتنی آورد پیدا ہوگئی ۔

دیوان مخطوطہ	دیوان مطبوعہ
کیا جانتا تھا میں کہ نہ دیوے گا وہ مصحفی	۴ ۔ کیا جانتا تھا میں کہ نہ دیوے گا مصحفی
	گیا ... بوسہ مرا ... لیکر گیا

اس شعر کا پہلا مصرعہ ضمیر غائب « وہ » کو چاہتا ہے، کیونکہ بغیر اس کے « دینے » کا فاعل مصحفی قرار پاتا ہے۔ جو مراد شاعر کے برعکس ہے۔ اسیر نے « وہ » کا لفظ رکھ کر اس عیب کو تو دور کر دیا لیکن اصل شعر میں جو ابتذال پہلے تھا وہ بدستور باقی رہا، فرق صرف اتنا ہوا کہ « دینے » کا فاعل اب محبوب متعین ہو گیا۔

دیوان مطبوعہ	دیوان مخطوطہ
معمار نے قدرت کے طاقِ سر ابرو کو	۵۔ معمار نے قدرت کے طاقِ خم ابرو کو
موقع سے بنایا تو کج لیک ذرا رکھا	موقع سے بنایا تو ٹک لیک جھکا رکھا

مصحفی کا یہ شعر اپنے مقام پر نہایت چست اور ناقابل تبدیلی ہے، پھر بھی پہلے مصرعہ میں جہاں تک « طاق خم ابرو » کی ترکیب کا تعلق ہے۔ اس کی جگہ « طاق سر ابرو » کسی حد تک قابل قبول ہے، لیکن دوسرے مصرعہ میں « ٹک لیک جھکا رکھا » نہایت محاکاتی ٹکڑا ہے جس کا لطف اہل ذوق سمجھ سکتے ہیں، اسیر نے اس کی جگہ جو رکن « کج لیک ذرا رکھا » رکھا ہے اس کا بھونڈا پن بالکل ظاہر ہے۔

	۶۔ اے مصحفی قاصد کو کہاں بھیجوں کہ خط میں
اس شوخ نے گھر کا تو پتہ بھی نہیں لکھا	گھر اپنے کا اس نے تو پتہ بھی نہیں لکھا

مصحفی کے یہاں دوسرے مصرعہ میں تعقید لفظی ضرور ہے، لیکن « تو » کا لفظ انہوں نے حسن محل پر رکھا ہے اس سے ایک استعجابی کیفیت کا اظہار ہو رہا ہے، اسیر نے اس تعقید کو ضرور دور کر دیا، لیکن « تو » کے لفظ کو اپنی جگہ سے ہٹا کر « بھی » کا مقام بھی متزلزل کر دیا، اہل زبان حضرات اس باریکی کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ « شوخ » کے لفظ کا بھی یہاں کوئی محل نہیں معلوم ہوتا۔

لالہ ہوا زمین پر، رنگ شفق سپہر پر	۷۔ لالہ ہوا بروئے خاک، رنگ شفق برآسماں
خون کہاں کہاں گرا، زخم تنِ فگار کا	خون کہاں کہاں گرا، زخم جگر فگار کا

مصحفی کے یہاں « لالہ » کے لئے « خاک » اور « رنگ شفق » کے لئے « آسماں » دونوں لفظ اتنے موزوں ہیں جن کو بدلا نہیں جاسکتا، غالباً اسیر کو یہاں اصلاح کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ « بروئے خاک » اور « برآسماں » اردو روزمرہ کے

خلاف ہیں، انہوں نے اس معمولی عیب کو تو دور کردیا لیکن « پر » کی تکرار اور « سپہر » کی گرانی کی طرف غور نہیں کیا جس کو اس محل پر غزل کی نرمی کسی طرح برداشت نہیں کرسکتی۔ دوسرے مصرعہ میں خون کا جگہ جگہ کرنا زخم میں کسی اہمیت کو چاہتا ہے، مصحفی نے اس کے لئے « زخم » کو « جگر فگار » کی طرف مضاف کیا تھا جو زخم کی صفت ہے، اسیر نے اس کی معنویت پر غور نہیں کیا اور اس کی جگہ ایک نہایت بھدی اور بے معنی ترکیب « زخم تن فگار » رکھ کر شعر کی معنویت کو ختم کر دیا۔ جس کے معنی ہیں «زخم جسم کا زخم »۔

۸۔ رہزن قافلہ دل ہوئیں جب وہ مژگاں . . . پلکیں
پہلے اسباب لٹا، صبر و شکیبائی کا . . .

اہل نظر سمجھ سکتے ہیں کہ اس پورے شعر میں صرف ایک لفظ « مژگاں » کی تبدیلی سے شعر کی فصاحت میں کتنی کمی واقع ہوگئی۔

۹۔ شیشہ دل کو مرے چور کیا جو اسنے — شیشۂ دل کو مرے چور کیا کیوں اس نے
کیا کیا تھا میں بھلا گنبد مینائی کا — کیا بگاڑا تھا بھلا گنبد مینائی کا

اسیر نے اس شعر میں « جو » اور « میں » بمعنی (میں نے) کو دور کرنا چاہا ہے، اس غرض سے انہوں نے الفاظ میں جو تبدیلی کی ہے، اس سے شعر کی فصاحت، روانی اور روزمرہ میں زمین و آسمان کا فرق ہوگیا۔ اہل نظر سمجھ سکتے ہیں کہ پہلے مصرعہ میں « جو » کے لفظ میں جو نرمی اور لوچ ہے اس کی جگہ « کیوں » میں اتنی ہی کرختگی ہے، اسی طرح دوسرے مصرعہ میں « کیا کیا تھا » سے جو معصومیت اور بے گناہی ظاہر ہو رہی ہے، « کیا بگاڑا » سے وہ لطف ختم ہوگیا۔

اس کے علاوہ یہاں پر ضمیر متکلم « میں » کا اظہار نہایت ضروری ہے، چنانچہ اسیر کے یہاں اس کے نہ ہونے سے نمایاں طور پر ایک لفظ کی کمی معلوم ہو رہی ہے۔

۱۰ کیا تماشا ہے کہ آگے سے ترے کوچہ کے — کیا تماشا ہے جو آتا ہے ترے کوچہ میں
قدم اٹھتا نہیں آگے سے تماشائی کا — قدم آگے نہیں بڑھتا ہے تماشائی کا

غالباً ناظرین کو اس بات کا اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اسیر نے جہاں کہیں مصحفی کے شعر کی کسی واقعی خامی کو دور کرنا چاہا ہے تو اس کوشش میں وہ خود

اس سے بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس شعر میں بھی یہ ضرور ہے کہ "آگے سے" کی دونوں مصرعوں میں تکرار ناگوار معلوم ہو رہی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دوسرا "آگے سے" "آگے کو" کے معنی میں ہے اور اس بنا پر معناً تکرار نہیں ہے۔ اسیر نے اس لفظی تکرار کو ضرور دور کر دیا۔ لیکن محاورہ کی اتنی بڑی غلطی کر گئے جس سے پورا شعر مہمل ہوگیا اب اس کی نثر اس طرح ہوگی۔

"کیا تماشا ہے، جو تیرے کوچہ میں آتا ہے تماشائی کا قدم آگے نہیں بڑھتا ہے"

اہل فن سمجھ سکتے ہیں کہ "جو" کا جواب "وہ" ہوتا ہے، اس لئے دوسرے مصرعہ میں "تماشائی" صحیح نہیں ہوسکتا۔ البتہ "جو" کی جگہ اگر "جب" کر دیا جائے تو شعر صحیح ہوجائے گا۔

۱۱ تو بھی آوے جو تماشے کو تو مانند انار   وقت شب آؤ تماشے کو کہ مانند انار
پھول رکھتا ہے ہزاروں شجر نالۂ شب   •   •   •

مصحفی کے یہاں اس شعر میں مطلقاً محبوب کے آنے کی تمنا ظاہر کی گئی ہے، وقت کی تعیین خود ردیف سے ہو رہی ہے، اسیر نے پہلے تو تمنا کو حکم سے بدلا اس پر مزید وقت کی تصریح کر کے ابہام کے لطف کو کھویا، اہل فن دونوں کے فرق کو سمجھ سکتے ہیں۔

۱۲ اس گل کی باغ میں جو صبا نے چلائی بات   پیک صبا نے اسکے دہن کا کیا جو ذکر
غنچہ نے مسکرا کے کہا۔ ہمنے پائی بات   غنچہ نے مسکرا کے کہا، مینے پائی بات

مصحفی کا یہ شعر نہایت رواں اور قطعاً ناقابل تبدیلی ہے، انہوں نے اس میں جتنے الفاظ: گل، باغ، صبا، غنچہ، مسکرانا، استعمال کئے وہ سب نہایت شاعرانہ ہیں جن سے شعر کے اندر ایک خاص کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ "نیز صبا کا بات کو چلانا" کتنا حسین استعارہ ہے اسیر نے غالباً دوسرے مصرعہ میں "غنچہ" کے لفظ کے پیش نظر پہلے مصرعہ میں "دہن" کا ذکر ضروری خیال کیا، اتنی سی بات کے لئے انہوں نے پورے شعر کو خاک میں ملا دیا۔ اور مطلع سے سادہ شعر کی صورت میں تبدیل کر دیا

۱۳ شہید گر نہیں رنگ حنائے خوباں کا۔   شہید اگر نہیں۔ رنگ حنائے خوباں کا
رہے ہے خونسے کیوں مصحفی کا مدفن سرخ   تو رنگ خوں سے ہے کیوں مصحفی کا مدفن سرخ

اس شعر میں اسیر کی اصلاح کا کوئی سبب نہیں معلوم ہوتا، ممکن ہے انہوں نے «ہے ہے» کے لفظ کو نکالنا چاہا ہو، لیکن «مدفن» کو «دامن» سے بدلنے کی ضرورت تھی، بہرحال انہوں نے دو جگہ اس شعر میں اصلاح کی ہے اور دونوں جگہ غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ پہلے تو یہ کہ عام روزمرہ میں «خون سے سرخ ہونا» بولا جاتا ہے نہ کہ رنگ خون سے اس لئے کہ رنگ ایک عرضی اور انتزاعی شے ہے جس کا بالذات کوئی وجود نہیں ہوتا بلکہ کسی دوسرے وجود میں ہوکر پایا جاتا ہے۔ اس لئے اس میں کسی دوسری شئے کو اپنے سے متاثر کرنے کی صلاحیت تجویز کی جاسکتی۔ البتہ «خون سے سرخ ہونا» بالکل صحیح ہے۔

دوسرے یہ کہ اس شعر میں «مدفن» کا قافیہ «شہید» کی مناسبت سے نظم کیا ہے۔ اسیر نے اس کو بغیر سوچے سمجھے دامن سے بدل دیا اور اس طرف نہیں کیا کہ دامن قاتل کا سرخ ہونا کہا جاتا ہے نہ کہ شہید کا، شہید کیلئے مدفن درست ہے۔

یوں ہے یہ نقاب اس بت بے پیر کے منہ پر — یوں پردہ ہے اس کافر بے پیر کے منہ پر
جیسے ورق سادہ ہو تصویر کے منہ پر

اس شعر کے پہلے مصرعہ میں «یہ» کا لفظ ضرور زائد ہے اور اسیر نے اس کو نکالنا چاہا ہے لیکن اس کوشش میں انہوں نے «نقاب» کے لفظ کو ہاتھ سے کھو دیا ہے جو تصویر کی مناسبت سے نہایت موزوں لفظ تھا چنانچہ اس کی جگہ «پردہ» کا لفظ بھدا معلوم ہو رہا ہے، اس کے علاوہ «بت بے پیر» کے مقابلہ میں «کافر بے پیر» کی ترکیب بھی غیر فصیح ہے۔

کیا لطف مقام انکو جو آمادہ رہ ہیں — کیا لطف مقام انکو جو مشتاق عدم ہیں
دل کوچ میں رہتا ہے ہمیشہ سفری کا

اس شعر میں «آمادۂ رہ» کے لفظ کو اگر قابل تبدیلی بھی قرار دیا جائے، تب بھی «مشتاق عدم» سے وہ مفہوم (دل برداشتگی) ادا نہیں ہوتا، اسلئے کہ کسی دوسری جگہ کا اشتیاق لطف مقام میں کلیۃً خلل انداز نہیں ہوتا بجز اس صورت کے کہ اس کو کبھی بھی اپنے قیام کا کسی لمحہ کے لئے بھروسہ نہ ہو، مصحفی کے یہاں «آمادۂ رہ» کا لفظ اس مفہوم کو پوری طرح ادا کر رہا ہے برخلاف «مشتاق عدم» کے، اس کے علاوہ لفظی حیثیت سے بھی لطف مقام کے مقابلہ میں «مشتاق

عدم « درست نہیں ۔ مشتاق عدم اس وقت درست ہوسکتا تھا جب پہلے « لطف حیات »
کہا جاتا ۔

۱۶ ہر چند ہیں جھک جھک کے کئے سینکڑوں مجرے
پر خم نہ ہوئی اس بت بے پیر کی گردن
گو میں نے تو جھک جھک کے کئے سینکڑوں مجرے
پر خم . . . .

اہل نظر سمجھ سکتے ہیں کہ مصحفی کے یہاں « ہر چند » میں کتنا زور ہے ،
اس کے مقابلہ میں « گو میں نے تو » کا ڈھیلا پن ظاہر ہے ۔

۱۷ کب خوں میں بھرا ، دامن قاتل نہیں معلوم   کب خوں میں بھرے دامن قاتل نہیں معلوم
کس وقت یہ دل ہو گیا بسمل نہیں معلوم   کب صاحب دولت ہو یہ بسمل نہیں معلوم

مصحفی نے اس شعر میں محبت کا ایسا اچانک حملہ دکھایا ہے جو بالکل غیر شعوری طور پر ہوتا ہے ، یہ مضمون ان کے الفاظ سے پوری طرح ظاہر ہو رہا ہے ۔ اسیر کی اصلاح کا یہاں بھی بظاہر کوئی سبب نہیں معلوم ہوتا بجز اس کے کہ عادۃً انہوں نے شعر کو مسخ کیا ہے ، اس لئے کہ جو مضمون انہوں نے اس شعر میں بیان کیا ہے اس میں کوئی ندرت نہیں بلکہ صرف اپنے قتل ہونے کی تمنا ظاہر کی ہے اس کو بھی شاعرانہ الفاظ میں ادا نہیں کرسکے ، قتل ہونے کے لئے « صاحب دولت ہونے » کا استعارہ نہایت دور از کار استعارہ ہے ۔ پھر لفظی حیثیت سے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دامن تو قاتل کا بھرے اور صاحب دولت بغیر کسی تعلیل کے بسمل قرار پائے ۔

۱۸ مر جاؤں کہ جیتا رہوں میں ہجر میں تیرے . . .
کس چیز کا خواہاں ہے ، ترا دل نہیں معلوم   کس جرم کا خواہاں ہے مرا دل نہیں معلوم

معلوم ہوتا ہے کہ اسیر نے اس شعر میں بغیر سوچے سمجھے اصلاح کا قلم چلا دیا ہے ، مصحفی اس شعر میں اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ تیرا دل میرے بارے میں کیا چاہتا ہے آیا تیرے ہجر میں مر جاؤں یا زندہ رہوں اسیر نے پہلے تو « چیز » کو « جرم » سے بدلا اور پھر « ترا دل » کی بجائے « مرا دل » بنایا ، گویا پہلے تو انہوں نے ہجر محبوب میں مرنے اور جینے دونوں کو ایک جرم فرض کیا اور پھر اپنے بارے میں لاعلمی ظاہر کرتے ہیں کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان دونوں میں کون سے جرم کا ارتکاب کروں ۔ اب سوال یہ ہے کہ ہجر محبوب

نہ چھینا تو جرم ہوسکتا ہے جیسا کہ اکثر شعرا نے نظم کیا ہے مگر مرزا شوق کس
لیل کے کیوں جرم ہوا۔ پھر یہ کہ انسان دوسرے کے ارادہ اور خواہش سے تو
رور لاعلم ہوتا ہے لیکن خود اپنی خواہش کا اسے علم نہ ہو یہ کیوں کر ممکن ہے،
ن کا سبب اگر ہجر کی بیخودی بھی مان لیا جائے۔ تب بھی یہ ایک دور از کار
ہوم ہے۔ مصحفی کا مضمون اپنے مقام پر بالکل روزمرہ کا ترجمان ہے۔

۱ دیوانہ سا جاتا ہے چلا مصحفی اس پاس — کیوں جائے نہ بے پوچھے ہوئے مصحفی اس پاس
نادان کو رہ و رسم ادب کچھ نہیں معلوم

اس شعر میں « اس پاس » کا لفظ جو یقیناً قابل تبدیلی تھا اس کو تو اسیر نے
نہی رہنے دیا اور جو الفاظ شعر کی جان تھے ان کو بدل دیا، اہل ذوق سمجھ سکتے
ہ کہ اس شعر کا دوسرا مصرعہ « نادان کو رہ و رسم ادب کچھ نہیں معلوم » وارفتگی
ر والہیت کو چاہتا ہے۔ مصحفی کے یہاں « دیوانہ سا جاتا ہے چلا » پوری طرح
ں کیفیت کو ظاہر کر رہا ہے۔ برخلاف اسیر کے۔ انہوں نے صرف بے پوچھے ہوئے
انا دکھایا ہے، جس سے ایک جراءت اور گنوار پن تو ضرور ظاہر ہوتا ہے لیکن
لہیت اور شیفتگی بالکل ظاہر نہیں ہوتی جو در اصل شاعر کا منشا ہے۔

۲ دکھلاؤں اگر اس بت خود کام کی آنکھیں — دیکھے جو کبھی اس بت خود کام کی آنکھیں
کھل جاویں ابھی غنچہ بادام کی آنکھیں — کھل جائیں

اہل نظر سمجھ سکتے ہیں کہ کسی چیز کا سرسری طور سے خود دیکھنا، اور
ہی چیز جب کوئی دوسرا دکھائے دونوں میں بہت فرق ہے، ایک شخص دس مرتبہ
ک چیز کو دیکھتا ہے لیکن سطحی طور سے گذر جاتا ہے لیکن جب کوئی دوسرا
کھاتا ہے تو ذہن غیر شعوری طور پر اس کے چھپے ہوئے پہلوؤں کی طرف متوجہ
جاتا ہے، مصحفی نے اس شعر میں یہی بلاغت رکھی تھی جس کو اسیر نے اپنی
سلاح میں باقی نہیں رکھا۔

یہ یاد رہے وہ ہے کہ جہاں صید کی خاطر
نت چید ہو خیرانی ہی رہیں دام کی آنکھیں — حیرت زدہ ہر وقت رہیں دام کی آنکھیں

« نہت » کا لفظ اگرچہ متروک ہے۔ لیکن اس شعر میں اس سے ایک خاص
لف پیدا ہو گیا ہے، چنانچہ اصل شعر میں یہ لفظ جتنا مزہ دے رہا ہے اسی قدر
سیر کے یہاں « ہر وقت » کا لفظ ذوق پر گراں معلوم ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ

« دیدۂ حیراں » کی بلاغت بھی قابل لحاظ ہے جس کو امیر نے « حیرت زدہ » سے بدلا ہے ۔

۲۲ کیا دور ہے اس شوخ سے آتے ہی چمن میں آتے ہیں اگر سیر گلستاں کو یہ خوش چشم
مل ڈالے جو تلوؤں تلے بادام کی آنکھیں تلووں کے تلے ملتے ہیں بادام کی آنکھیں

مصحفی نے اس شعر میں تلووں تلے بادام کی آنکھوں کو ملنا، مقتضائے شوخی قرار دیا ہے، اور اسی لئے « کیا دور ہے » کہہ کر صرف امکان کو ظاہر کیا ہے، جس میں ایک خاص لطف مضمر ہے ۔ برخلاف امیر کے، انہوں نے اس کو عادت روز مرہ بتایا ہے جو واقعہ کے خلاف ہے ۔

اس اصلاح کا سبب بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ دوسرے مصرعہ میں « بادام کی آنکھوں » کی رعایت سے وہ « خوش چشم » کا لفظ لانا چاہتے تھے، اتنی سی بات کے لئے انہوں نے پورے شعر کو بدل دیا ۔

۲۳ مت آستیں سے ساعد سیمیں نکال تو کیوں آستیں سے ساعدِ سیمیں نکال تو
رنگِ حنا دکھا کے مجھے مار ڈال تو

اس شعر کے پہلے مصرعہ میں « مت » کا لفظ قابل تبدیلی بھی مان لیا جائے، تب بھی « کیوں » کا لفظ اس سے زیادہ قابل تبدیلی ہے ۔

۲٤ شبِ فراق میں دیکھا جو کچھ، کہیں دیکھا شب وصال تو سب انسے جنگ میں گذری
سحر ہوئے پہ، نمودار دیکھیے کیا ہو سحر ہوئی ہے نمودار، دیکھئے کیا ہو

مصحفی نے اس شعر میں جو مضمون نظم کیا ہے وہ نہایت سادہ اور عام مضمون ہے : شب فراق جو عاشق پر انتہائی کرب اور بے چینی میں گذرے، اس کی سحر کے بارے میں « دیکھئے کیا ہو » کہنا بالکل درست ہے، امیر نے اس سادہ سے مضمون کو اپنی اصلاح کا نشانہ بنا کر اس طرح مجروح کیا ہے کہ اس کی اصل صورت ہی پوشیدہ ہوگئی۔ اس کے پہلے تو یہ امر قابل غور ہے کہ وہ رات جو محبوب سے جنگ میں گذرے اس کو شبِ وصال کہنا بھی درست ہے یا نہیں ؟ اگر اس کو درست بھی مان لیا جائے تب بھی یہ واقعہ ہے کہ شبِ وصال کتنی ہی جنگ میں کیوں نہ گذرے اس کی سحر کے بارے میں یہ کہنا « دیکھئے کیا ہو » بالکل درست نہیں، مشہور مثل ہے ۔

« کلام اللیل یمحوہ النہار » رات کی باتوں کو دن ختم کر دیتا ہے ۔

۹۔ رلتا پھرتا ہے ہر اک کاسۂ سر خاک کے بیچ ۔ ہاتھ پہنچا جو اُسے، اُس نے اڑاتے پرزے
پکھیئے ہے ابھی طالع میں لکھا کیا کیا کچھ ۔ دیکھیے ہے ابھی قسمت میں لکھا کیا کیا کچھ

مصحفی کا یہ شعر ایک نہایت بلند اور پاکیزہ مفہوم رکھتا ہے، جس میں
ہوں نے یہ بتایا ہے کہ وہ زندگی جس پر انسان اتنا پھولا ہوا ہے اس کا انجام
ہے کہ مرنے کے بعد اس کا سر ٹھوکروں میں آتا ہے اور ہزارہا انقلابات و
حوادث اس پر سے گذرتے ہیں. اس مضمون کو انہوں نے نہایت شاعرانہ پیرایہ
ں ادا کیا ہے، خصوصاً دوسرا مصرعہ اس مضمون سے کتنا مرتبط ہے۔ اسیر نے
ں کو اپنی اصلاح سے بالکل عامیانہ اور بازاری شعر بنا دیا معلوم نہیں اس میں ان
کیا خرابی نظر آئی.

۲۔ وہ پیچھے پھر کے جو دیکھے ہے جعد کو اپنی ۔ وہ پیچھے پھر کے اگر دیکھتا ہے زلف اپنی
ے ہے ہائے یہ کیسی بلا ہے میرے ساتھ ۔ تو سوچتا ہے یہ کیسی بلا ہے میرے ساتھ

یہ شعر اپنے مضمون کے لحاظ سے فی نفسہ کیسا ہی ہو لیکن جس انداز کے
تھ مصحفی نے اس کو نظم کیا ہے، وہ ان کی استادی کا پورا ثبوت ہے، اسیر
ی اصلاح سے اس میں آورد پیدا ہو گئی.

۲۔ وہ دیکھ دیکھ کے کیوں مجھ کو مسکراتا ہے ۔ وہ دیکھ دیکھ کے مجھ کو جو مسکراتا ہے
خبر نہیں مجھے یہ کیا ادا ہے میرے ساتھ ۔ خبر نہیں ہے مجھے کیا قضا ہے میرے ساتھ

نا مہربان محبوب کا اپنے عاشق کو دیکھ کر مسکرانا «ادا» ہی کہا جاتا ہے،
کن اسیر کو یہاں «قضا» نظر آرہی ہے.

۲۔ اگر میں رونے پہ آؤں برنگ ابر بہار . . .
ابھی زمانہ کی اے دوستو ہوا پھر جائے ۔ خزاں بہار ہو، اس باغ کی ہوا پھر جائے

اہل نظر سمجھ سکتے ہیں کہ مصحفی کے یہاں «زمانہ» کے لفظ میں جو تعمیم
، اُس نے شعر کے اندر کتنی بلاغت پیدا کر دی ہے، اسیر نے پہلے تو «باغ»
ے اس کی تخصیص کی، اس کے بعد مطلقاً «ہوا پھر جائے» میں جو وسعت تھی
،جو ہر قسم کے تغیر اور انقلاب کو شامل ہے، انہوں نے اس کو «خزاں بہار ہو» کا
ۂ قرار دے کر اور بھی محدود کر دیا.

۔ زمیں کے پردے میں ہوں کس طرح سے چادر نور ۔ کہو! کوئی نہ کرے تہمت عیانیٔ گور
ئے پہ عالم کے لکڑ سے پنہاں رہ سکے تلے

مصحفی نے اس شعر میں جو تخئیل نظم کی ہے وہ نہایت رومانی تخئیل ہے۔ اور وجدان اس کو قبول کرتا ہے، بر خلاف اسیر کے انہوں نے جو تخئیل پیش کی ہے وہ نہایت دور ازکار ہے، ظاہر ہے کہ چاند کے ٹکڑوں کا زمین کے نیچے نہاں ہونا۔ دہشت سیاہی گور سے تعلق نہیں رکھتا۔

۳۰ - ہیں نہاں داغِ جگر زخم نمایاں کے تلے ہے مرا داغِ جگر زخم نمایاں کے تلے
جس طرح لالہ کہیں ہو گلِ خنداں کے تلے

مصحفی کے یہاں «نہاں» کا لفظ نہایت بلیغ ہے جو مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان وجہ شبہ میں قوت پیدا کر رہا ہے۔ اسیر کے یہاں اس لفظ کے نہ ہونے سے بیان کمزور معلوم ہو رہا ہے۔

۳۱ - بیمار کا تمہارے کل دم الٹ گیا تھا
کہتے ہیں آج اس پر پھر اب وہی گھڑی ہے کہتے ہیں آج اس پر، پھر شب وہی کڑی ہے

مصحفی نے اس شعر کے پہلے مصرعہ میں «دم الٹنا» دکھایا ہے اور اسی لئے انہوں نے دوسرے مصرعہ میں «گھڑی» کا قافیہ رکھا ہے۔ اس لئے کہ دم الٹنے کے لئے پوری رات درکار نہیں ہوتی بلکہ «گھڑی» ہی درکار ہوتی ہے، اسیر نے یہاں بھی اصلاح سے شعر کو بے معنی کر دیا۔

۲

ذیل میں وہ مقامات پیش کرتا ہوں، جہاں اسیر نے اپنی اصلاح میں اصل شعر کو کچھ سے کچھ کر دیا ہے اور مصرعے کے مصرعے بدل دیئے ہیں؛ ملاحظہ ہو

۱ - ہووے نہ عذاب اسکے کبھی جسکے پس مرگ چھاتی پہ ہو تعویذ ترے نقش قدم کا

اسیر نے شعر کا پہلا مصرعہ اس طرح بدلا ہے

چھوٹا میں بلاؤں سے پس مرگ لحد میں تعویذ ہے چھاتی پہ مری نقش قدم کا

۲ - مصحفی کی ایک غزل کا مطلع ہے:

منعم تو ہو رہا ہے گرفتار سنگ و خشت کعبہ کو جائیے کیونکہ یہ بیمار سنگ و خشت

اسیر نے شعر کو اس طرح کر دیا ہے

منعم عبث عبث ہے گرفتار سنگ و خشت دب جائیگا کبھی نہ تہ دیوار سنگ و خشت

... کوئی غرض سے، کوئی ڈر سے تجھے جھانکے ہے

کچھ نکلی تو چلی ہے، ترے دیدار کی راہ

اسیر نے اس شعر میں حسب ذیل ترمیم کی ہے جس سے حقیقتاً دونوں مصرعوں میں پہلے سے زیادہ ربط پیدا ہو گیا:

...نکر ہے بند جیب وزن تھے وہ دو ایک کھلے . . . .

... - تلوار کے سوا جو سمجھتے ہی کچھ نہیں پالا پڑا ہے مجھ کو بھی کن قاتلونکے ساتھ

اسیر نے اس شعر کو غزل کا مطلع بنا دیا ہے۔

...ر کر لگاتے ہیں یہ بلا بسملوں کے ساتھ . . . .

... - شانہ کرتا ہے جو تقریر پریشانی زلف ظاہرا خط کو ہوئی خدمت دیوانی زلف

اسیر نے اس کے دونوں مصرعے بدل کر شعر کو اس طرح کر دیا ہے۔

...ٹ گیا حسن، کھلی وجہ پریشانی زلف خط عارض کو ہوئی خدمت دیوانی زلف

... - گر زلف وخال وخط بھی ہوتا تو قہر کرتے اس سادگی پہ تم نے عالم کو مار رکھا

اسیر کی اصلاح:

سادہ لباس پہنا، زیور اتار رکھا . . . .

... - اسکی ابرو کے تو سودے میں نچوک اے بیہوش مصحفی ہاتھ گر آئے تو یہ تلوار ہے خوب

اصلاح اسیر

گرچہ خوبی میں ترا ابروے خمدار ہے خوب ہاتھ آجائے ہمارے تو یہ تلوار ہے خوب

... - ہمارے ساتھ مری جان دوستی میں تری ہوئے ہیں دشمن جاں، یار دیکھئے کیا ہو

اصلاح اسیر

عجیب حال ہے کچھ مصحفی کا الفت میں . . . .

... - گر ہوئے ہم سے مکدر، لگ دو چار آئینہ خاک میں مل جائیگی ساری بہار آئینہ

اسیر نے اس کو مطلع سے سادہ شعر کی صورت میں کر دیا

... لیکا ... سے ... ای گل! اگر تو وقت زیب

۱۰۔ رلتا پھرتا ہے مرا کاسۂ سر خاک کے بیچ   دیکھنے ہے ابھی طالع میں لکھا کیا کیا کچھ

اسیر نے اس کو دوسرے مفہوم میں کر دیا ہے

نامہ بھیجا جو اُسے، اس نے اڑائے پرزے   دیکھنے ہے ابھی قسمت میں لکھا کیا کیا کچھ

---

۱۱ ۔ کون جانے ہے کہ نظارہ کش شوق کو یہاں   رنگ دکھلائے ہے وہ رنگ حنا کیا کیا کچھ

اسیر کی اصلاح

خون عالم کے کئے بز بھی ہوتا ہے عیاں   رنگ لائے گا ترا رنگ حنا کیا کیا کچھ

۱۲ ۔ زمیں کے پردے نہوں کس طرح سے چادر نور   ہوئے ہیں چاند کے ٹکڑے نہاں زمیں کے تلے

اسیر کی اصلاح :

کبھو نہ کوئی کرے دہشت سیاہی گور   .   .   .   .

---

۱۳ نمک کو چھڑ کے ہے وہ زخم پر مرے کم کم   مزہ ہو جب کہ نمک گر پڑے نمکداں سے

اسیر کی اصلاح:

مزہ ہو کانپ اٹھے دیکھ کر زخم میرے   ہے جس قدر کہ نمک گر پڑے نمکداں سے

---

۱٤ ۔ دیکھ پاوے جو ترے چاہ ذقن کو یوسف   ہاتھ حیرت سے رکھے اپنا زنخداں کے تلے

اسیر کی اصلاح:

کس کو دیکھا ہے کہ بیٹھے ہوئے ہیں یوسف مصر   ہاتھ رکھے ہوئے حیرت سے زنخدان کے تلے

---

۱۵ ۔ آشیاں بندی کی تکلیف نہ دے ہمکو ہوس   گر رہیں گے کہیں دیوار گلستاں کے تلے

اسیر کی اصلاح :

باغباں رہنے دے گلشن میں ہمیں رات کی رات   پڑ رہیں گے کسی دیوار گلستاں کے تلے

۳

اس سلسلہ میں نا انصافی ہو گی اگر اسیر کی ان اصلاحات کا ذکر نہ کیا جائے جن میں وہ فی الحقیقت کامیاب ہوئے ہیں اور اصل شعر میں لفظی یا معنوی کسی حیثیت سے بلندی پیدا ہو گئی ہے۔ ذیل میں اس سلسلہ میں چند اشعار نقل کرتا ہوں:

۔ از بس کہ اس سفر میں منزل کو ہم نہ پہنچے
گرم سفر رہے پر، منزل کو ہم نہ پہونچے
وارگی نے ہمکو ریگ رواں بنایا

. . .

۔ گردن تک آکے بھر گئی کل اسکی آب تیغ
گردن تک آکے بھر گئی وہ تیغ آبدار
مانہ ہو کے عمر کا معمور رہ گیا

. . .

۔ خورشید کو سایہ میں زلفوں کے چھپا رکھا
خورشید کو سایہ میں زلفوں نے چھپا رکھا
تون کی دکھا خوبی ۔ سرمہ کو لگا رکھا
چتون کی لگاوٹ نے سرمہ کو لگا رکھا

۔ ہووے نہ عذاب اسکے کبھی جسکے پس مرگ
چھوٹا میں بلاؤں سے پس مرگ لحد میں
اتی پہ ہو تعویذ ترے نقش قدم کا
تعویذ ہے چھاتی پہ مری نقش قدم کا

۔ بدنامی کے ڈر سے سر مکتوب پر اس نے
بدنامی کے ڈر سے سر مکتوب بھی اس نے
اپنا تو کیا، نام مرا بھی نہیں لکھا

. . .

۔ پھول لالے کے نہیں یہ کہ زمیں سے ابتک
پھول لالے کے نہیں ہیں یہ زمیں سے پیدا
ش مارے ہے پڑا خوں کسی سودائی کا
جوش زن خون ہے اب تک ترے سودائی کا

۔ داغ دیکھے تھا کھڑا لالۂ صحرائی کا
داغ تھا پیش نظر، لالۂ صحرائی کا
ز عالم نظر آیا ترے سودائی کا

. . .

۔ مصحفی ریختہ پہنچا ہے مرا رتبہ کو
مصحفی ریختہ پہونچا کس رتبہ کو
ریاں گر رہے، مرزا کی بھی مرزائی کا

. . .

۔ مر گئے ہم تو دلا نالہ ہی کرتے کرتے

. . .

نے یک روز نہ دیکھا اثر نالہ شب
نظر آیا نہ کسی شب اثر نالہ شب

۔ لعل و گہر کی قدر کو کیا جانتے ہیں وہ
لعل و گہر کا مرتبہ کیا جانتے ہیں وہ
عمر جو رہے ہیں خریدار سنگ و خشت
جو عمر بھر رہے ہیں خریدار سنگ و خشت

۔ لباس پہنے ہے اکثر وہ شوخ پرفن سرخ
لباس پہنے ہوئے ہے وہ شوخ پر فن سرخ
ہو نہ خون شہیداں سے اس کا دامن سرخ

. . .

۔ تیرے بیمار کو دے کر کے پشیمان ہوئے
تیرے بیمار کو دیکر ہوئے نادم کیسے
ے تھے وہ جو مسیحا کو دوا دکھلا کر

. . .

۔ کیجیو قاصد مرے پیارے سے جدائی کا گلا
نامہ بر کیجیو اس بت سے جدائی کا گلا
... فرصت مرے نامہ کو جدا دکھلا کر

. . .

۱۴۔ برسات میں شق پڑتی نہیں اس میں یہ ہے غم
ہنستی ہے خرابی تری تعمیر کے منھ پر
۱۵۔ جب وہ گیا چمن میں لے ہاتھ میں کماں کو
دو چار تیر پھینکے ۔ بلبل کے آشیاں پر
۱۶۔ یار مل جائیگا تنی ہوں نہ بے صبری کر
ابتدا عشق کا ہے ۔ اے دل غمناک ہنوز
۱۷۔ ہمنے یکبار ترے زخم ستم جھیلے ہیں
کونسا عضو ہے جس پر نہیں تلوار کا خط
۱۸۔ کیا دید میں عالم کی کروں جلوہ گری کا
یاں عمر کو وقفہ ہے چراغ سحری کا
۱۹۔ کیا بھیجوں کبوتر کے تئیں کوچہ میں اسکے
جبریل کو مقدور نہیں، نامہ بری کا
۲۰۔ میں عجب یہ رسم دیکھی، مجھے روز عید قرباں
وہی ذبح بھی کرے اور، وہی لے ثواب الٹا
۲۱۔ تیشہ فرہاد نے مارا تھا جہاں سر پہ، وہاں
اب تلک پاتے ہیں، لوہو کی تری پتھر میں
۲۲۔ نکلے ہیں مرے دل کے تڑپنے میں ادائیں
ہے کسکی نگاہوں کا یہ بسمل نہیں معلوم
۲۳۔ حلقے نہیں یہ زلف میں ساقی کے بلکہ ہے
وابستہ موبمو سے قدح اور قدح سے ہم
۲۴۔ مقصود ہے، آنکھوں سے ترا دیکھنا پیارے
جب تو ہی نہ ہو پاس تو کس کام کی آنکھیں
۲۵۔ جھانک لیتے تھے کبھی روزن دیوار کی راہ
دیکھیں کیا نکلے ہے اب یار کے دیدار کی راہ
۲۶۔ کوئی دلسوختہ قیدی ہے مگر زنداں میں
کہ نکلتا ہے دھواں رخنہ دیوار کی راہ
۲۷۔ تجھ بن قلق میں کیا کہوں بیمار کا ترے

برسات میں شق ہوتی نہیں بھیک کی دیوار

• • •

گلزار میں گئے وہ جس دن کمان لے کر

• • •

• • •

ابتدا عشق کی ہے اے دل غمناک ہنوز
ہمنے کیا کیا نہ ترے زخم ستم جھیلے ہیں

• • •

نظارہ کروں دیر کی کیا جلوہ گری کا

• • •

کیا بھیجوں میں قاصد کو وہاں کوچہ میں جسکے

• • •

یہ عجیب ماجرا ہے کہ بروز عید قرباں
وہی ذبح بھی کرتا ہے، وہی لے ثواب الٹا

• • •

اب بھی ہم خون کی پاتے ہیں تری پتھر میں
پیدا ہیں مرے دل کے تڑپنے میں ادائیں

• • •

حلقہ نہیں یہ کاکل ساقی میں بلکہ ہے

• • •

مقصود ہے آنکھوں سے ترے رخ کا نظارہ

• • •

دیکھ لیتے تھے کبھی روزن دیوار کی راہ
دیکھیں اب کونسی نکلے ترے دیدار کی راہ
کوئی دل سوختہ ہے قید مگر زنداں میں
کہ نکلتا ہے دھواں روزن دیوار کی راہ
فرقت میں کیا کہوں ترے بیمار کا قلق

نکلارات اس کا بڑی مشکلوں کے ساتھ	• • •
۲۔ فرصت نہ ہووے جسکو گریباں سے ایکدم	فرصت نہ جسکو اپنی گریباں دری سے ہو
ہاتھ اس کا طوق کمر کس طرح سے ہو	• • •
۱۔ فتنہ سے یوں کہے ہے تری شوخی خرام	فتنہ سے کہہ رہی ہے تری شوخی خرام
سیر کو چلوں مرا دامن سنبھال تو	• • •
۲۔ لخت لخت دل میں ہے عکس فروغ داغ عشق	عکس داغ عشق میرے لخت لخت دل میں ہے
وں نہ میں اسکو کہوں آئینہ خانے کا چراغ	• • •
۲۔ نظارہ باز دید بھی گل کا اڑا گئے	نظارہ باز گل کے اڑا لے گئے مزے
گس چمن میں آنکھ ہی ماتی ہے اب تلک	• • •
۲۔ لے قیس خبر محمل لیلیٰ تو نہ ہووے	لے قیس خبر، محمل لیلیٰ نہ کہیں ہو
دشت سے آتی ہے کچھ آواز درا گرم	• • •
۲ترے کو، میں اس بہانے ہمیں دن کو رات کرنا	ترے در پہ اس بہانے مجھے دن کو رات کرنا
ھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا	• • •
۱ میں مسیحا سے جو پوچھا چشم گریاں کا علاج	میں نے عیسیٰ سے جو پوچھا چشم گریاں کا علاج
ں لگا کہنے، کریگا نوح طوفاں کا علاج	• • •
۲۔ دیکھتا ہوں اسکو میں ہر دم دوچار آئینہ	• • •
ے پردے میں ہوا ہے وہ شکار آئینہ	اب تو در پردہ ہوا ہے وہ شکار آئینہ
۲۔ کل سوئے غیر اس نے کتنی بار کی نگاہ	• • •
کھوں کے بیچ چھپتی نہیں پیار کی نگاہ	لا کھوں میں سچ ہے، چھپتی نہیں پیار کی نگاہ
۲۔ کہو نا ابر سے دل کھول کر ذرا برسے	کہو یہ ابر سے .. .. ..
میری خاک پہ پانی سا کیا چھڑکتا ہے	• • •
۱۔ جوں سایہ لگ چلا میں تو وہ مجھکو دیکھکر	مانند سایہ ساتھ مجھے دیکھکر کہا
لا یہ میرے پیچھے کہاں کی بلا لگی	یارب یہ میرے پیچھے کہاں کی بلا لگی
۲۔ گڑے ہیں کشتۂ الف جہاں زمیں کے تلے	• • •
ے ہیں خون سے واں گلستاں زمیں کے تلے	لہو سے پھولے ہیں واں گلستاں زمیں کے تلے
۔ ذرا تو گور غریباں میں رکھ سمجھ کے قدم	سمجھ کے گور غریباں پہ رکھ قدم مغرور
ہر قدم پہ ہے یاں آستاں زمیں کے تلے	کہ ہر قدم پہ ہے اک سر یہاں زمیں کے تلے

۴۱۔ زبس میں آنکھوں پہ دھر دھر کے ہاتھ رویا ہوں
ہیں آستینوں کے حلقے ہنوز طوفاں سے

۴۲۔ بغیر قیس کے یاں تک یہ دشت سونا ہے
کہ وحشت آتی ہے اک سایۂ مغیلاں سے

۴۳۔ خبر تو لیجو کوئی خستہ مر گیا تو نہ ہو
کہ آج آتی ہے آواز نوحہ زنداں سے

۴۴۔ چل اسطرح کہ نہ اے مصحفی لگے ٹھوکر
پڑے ہیں وے جو سر ہانے زمیں پہ ہاتھ دھرے

۴۵۔ خنجر تلے اے دل نہ تڑپ اتنا بھی دم لے
کیا کرتا ہے قاتل کا کہیں ہاتھ تو تھم لے

۴۶۔ کر کے میں یاد دل اپنے کو بہت روتا ہوں
جب کسی شخص کا دنیا سے سفر ہوتا ہے

۴۷۔ جب میری طرح تو بھی تکے راہ کسیکی
معلوم ہو تب تجھ کو میاں چاہ کسی کی

۴۸۔ منہ کو مت کھول ورنہ عالم کے
پردہ راز نہاں سے اٹھتا ہے

۴۹۔ گر نقاب اسکے منہ کی اٹھی نہیں
شور کیوں کارواں سے اٹھتا ہے

میں چشم تر پہ جو رکھ رکھ کے ہاتھ رویا ہوں

• • •

بغیر قیس یہاں تک یہ دشت سونا ہے
کہ بھاگتے ہیں ہرن سایۂ مغیلاں سے
تڑپ کے مصحفی خستہ مر گیا شاید

• • •

چل اسطرح نہ لگے ان کو مصحفی ٹھوکر
پڑے ہیں سر کے تلے جو زمیں پہ ہاتھ دھرے
اے دل تہ خنجر نہ تڑپ اتنا بھی دم لے

• • •

میں بھی یاد دل گم گشتہ میں روتا ہوں بہت
کسی رہرو کا جو دنیا سے سفر ہوتا ہے
جب تو بھی تکے میری طرح راہ کسی کی
معلوم ہو اسوقت تجھے چاہ کسی کی
مصحفی ضبط آہ کر، ورنہ

• • •

کوئی یوسف جو کارواں میں نہیں

• • •

سیر الدین ہاشمی

حیدر آباد میں جنگ آزادی کا اردو ادب

جنگ آزادی کے اردو ادب کے سلسلے میں «نوائے آزادی» اور «اردو
یں قومی شاعری کے سو سال» کے ناموں سے دو کتابیں میری نظر سے گزری ہیں.
نوائے آزادی» بمبئی سے شائع ہوئی ہے . اس میں حیدر آباد کے متعلق وہ اشتہار
امل ہے . جو سنہ ١٨٥٧ء میں چار مینار پر چسپاں ہوا تھا اور مخدوم کی ایک اردو
لم ہے . «اردو میں قومی شاعری کے سو سال» کو اتر پردیش کے محکمہ اطلاعات
ے شائع کیا ہے . اس میں مخدوم اور وجد کی دو دو نظمیں اور سلیمان اریب کی
ک نظم شریک ہے .

اگر حیدر آباد کے اردو ادب کا جائزہ لیا جائے تو بہت کچھ مواد دستیاب
سکتا ہے یہاں مختصر طور پر صراحت کی جاتی ہے ،

اس موقع پر حیدر آباد کی جنگ آزادی کی تاریخ دہرانے کی ضرورت نہیں
ے ، مگر پس منظر کے لئے کسی قدر وضاحت لازمی ہے تاکہ ادب کے ذخیرہ کا
وج لگایا جائے .

سنہ ١٨٠٣ء کے نظام اور سرکار کمپنی کے معاہدہ کے بعد سلطنت آصفیہ کی
زادی ختم ہوگئی . اس کے بعد بعض ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا
ے کہ چند محبان وطن مثلاً نور الامراء - راجہ راونبھا - راجہ مہیپ رام اور صلابت خاں
غیرہ نے انگریزوں کی مخالفت کی اور اس کا خمیازہ اٹھایا .

پھر نواب مبارز الدولہ آصفی شہزادے نے مخالفت کی اور ان کو تین مرتبہ
گریزوں کی وجہ سے قید کیا گیا ، خصوصاً آخری مرتبہ جو قید کی سزا دی گئی
ہ وہابی تحریک کے سلسلہ میں تھی . اس تحریک کو جنگ آزادی کی ایک کڑی
سلیم کرلیا گیا ہے ، اس کے بعد سنہ ١٨٥٧ء کے واقعات سامنے آتے ہیں . مولوی
۔ الدین ، طرہ باز خاں ، راجہ دیپ سنگھ اور صفدر الدولہ کے کارنامے تاریخ آزادی
ے اہم جز بن چکے ہیں . اس کا سلسلہ سنہ ١٨٨٠ء تک جاری رہا . جو دستاویزی

ثبوت دستیاب ہوا ہے، اس سے واضح ہے کہ حیدرآباد کے عوام اور بعض جاگیرداروں نے انگریزوں کے خلاف سرگرمی دکھائی اور اس کے نتیجہ کے طور پر جاگیریں ضبط ہوئیں۔ خدمات سے برطرفی ہوئی۔ جزیرہ انڈمان تمام عمر کے لئے جلاوطن کیا گیا۔ پھانسی پر چڑھایا گیا اور توپ سے اڑادیا گیا۔ جن اصحاب کو سزائیں دیگئی ہیں ان کی تعداد سات آٹھ سو تک معلوم ہوتی ہے۔ جن میں زیادہ تر عرب اور پٹھان ہیں۔

سنہ ۱۸۸۵ء میں آل انڈیا کانگریس قائم ہوئی۔ حیدرآباد میں اس کے سرگرم کارکن ملا عبد القیوم اور ڈاکٹر رگھوناتھ چٹوپادیا تھے، انہوں نے حیدرآبادی عوام کو بیدار کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے بعد بعض اخبارات کی جد و جہد اور اسکے بعد حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے کارنامے منظر عام پر آتے ہیں، جس کی کوششوں اور سرگرمیوں سے نہ صرف حیدرآبادی عوام میں بیداری پیدا ہوئی بلکہ عثمانیہ یونیورسٹی بھی قائم ہوگئی۔ ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتھ خلافت کے واقعات رونما ہوتے ہیں جبکہ حیدرآباد میں بھی انگریزوں کے خلاف نعرہ بلند کیا گیا۔

حکومت آصفیہ نے زمانہ کا رنگ دیکھکر قدیم دستور کو معطل کرکے نئے باب حکومت کی بنیاد رکھی۔ پہلے صدر اعظم سر علی امام کی کوشش بار آور نہ ہوسکی۔ اصلاحات کے وعدے ہوئے مگر بہت دیر سے ان کو نافذ کیا گیا۔ اس عرصہ میں حالات بڑی سرعت کے ساتھ تبدیل ہوتے رہے۔ قومی پلیٹ فارم پر رائے کیشو راو۔ وامن نائک۔ نواب بہادر یار جنگ، یم۔ نرسنگراو، بی۔ رام کشن راو، مادپا ٹی۔ ہنمنت راو، ابو الحسن سید علی وغیرہ نے حصہ لیا اور اس کے جو نتائج ہوئے ان کی صراحت کی ضرورت نہیں ہے۔

اس پس منظر کے بعد میں نفس مضمون شروع کرتا ہوں، اگرچہ حیدرآباد میں اردو یا دکھنی زبان تقریبا چھ سو سال سے رائج ہے۔ بہمنی۔ قطب شاہی، عادل شاہی اور آصفیہ دور میں اردو نے ترقی کے جو زینے طے کئے وہ تاب ناک ہیں؛ مگر سلطنت آصفیہ میں سنہ ۱۸۷۵ء تک حکومت کی زبان فارسی رہی، اسی سنہ سے بتدریج اردو سرکاری زبان بننے لگی اور بالآخر سنہ ۱۸۸۳ء میں پوری طرح اردو سرکاری زبان قرار پاگئی۔

جنگ آزادی کے بعد ادب کے سلسلے میں سب سے پہلے حضرت فیض کے

ںعار ملتے ہیں۔

حضرت فیض حیـــدر آباد کے مشہور صوفی بزرگ اور بلند پایہ شاعر تھے۔
ارزالدولہ انکے شاگردوں میں شامل تھے، یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ مبارزالدّولہ
و جو انگریزوں سے نفرت اور مخالفت تھی وہ حضرت فیض کی تربیت کا اثر ہو
یونکہ فیض کے کلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو انگریزوں سے مخالفت تھی۔
گریزوں کے بڑھتے ہوئے رسوخ اور اثر کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

ے دشمن دکن وہ کلاہ پوش جس نے فیض غـارت کیا ہے تختـــۂ ہندوستـان کو

کلاہ پوش یعنی ٹوپی پہننے والے اس زمانے میں انگریزوں کو کہا جاتا تھـا۔
ر کہتے ہیں:

اپنی آتش بار آہیں دیکھ کر بھاگ جائیں پلٹنیں انگریز کی

حیـدر آباد میں سنہ ۱۸۰۳ء کے پہلے ہی رزیڈنٹ مقیم ہوچکے تھے۔ ان
ں سے بعض نہایت سخت گیر ہوئے۔ اس خصوص میں فیض کہتے ہیں:

گیا منکف کسی بندر کے راستے تری آمــــد ادھر جو مارٹن ہے

منکاف حیـدر آباد کا گیارہواں رزیڈنٹ تھا۔ سنہ ۱۸۲۵ء سے سنہ ۱۸۳۰ء
ک اس خدمت پر مامور رہا اس کے جانے کے بعد مارٹن رزیڈنٹ ہوا تھا۔

فیض کی شاعری کے بعد اردو ادب میں وہ اشتہار پیش ہوتے ہیں جو سنہ
۱۸۵ء میں مکہ مسجد اور چار مینار پر چسپاں ہوئے تھے اور آج تک ان پر دیوار
چونا لگا ہوا ہے۔ یہ اشتہارات نواب سالار جنگ کے پاس تھے اور اب سنٹرل
کارڈ آفس میں محفوظ ہیں۔ یہ اشتہار حسب ذیل ہیں:

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نصر من اللہ وفتح قریب وبشر المومنین، اگر جو
خص کہ مسلمان ہو کر کلمہ گو امت رسول ہوکر ارادہ قتل کرنے میں اس کافر دین
نی فرنگی کے تامل کرے گا اوسپر طلاق اور وہ اولاد دھیڑ اور چمار، گدھی، کتے
ر سور کی ہے، بلکہ نسل یزید کی اور شمر کی اور بیٹـا فرنگی کا ہو تو نہ آوے
ر اولاد مسلمـان کے ہوکر نہ ٹھہرے یا امیر یا دیوان یا امیر یا مشایخ یا پیر زادہ
مولوی یا قاضی یا مفتی یا صوبہ دار یا کوتوال یا رئیس یا خورد و کلان کلہم عام خاص
ا سب پر قسم ہے اوس اللہ واحد کی اور اوسکے حبیب کی اور جو کوئی شریک
کر اپنے کو سرخ رو کرے گا البتہ وہ غازی اور قاتل کفار کہلاوے گا اور جو شخص

کہ مارا جاوے گا انشاء اللہ تعالی پس تحقیق داخل ہوگا بیچ مجلس سید الشہدا اور شریک مجلس نبی مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے، بیشک واسطے اوسکے بہشت اعلی ہے اور قول اللہ کا زبردست بلا دلیل ہے۔ فاقتلو المشرکین حیث وجد تموھم۔ کیوں تامل اور ڈھیل کر رہے ہو۔ یہ وقت فرصت کا ہے ایسا وقت کبھو نہیں میسر ہوگا اور غافل ہو تم لوگ دیکھو افسوس کروگے اور تمہارے آنے نہ آنے سے کچھ اندیشہ نہیں مگر واسطے ہمت دلانے ہم یہاں سب متفق ہوکر ارادہ بذات خود غلبہ کرینگے بلکہ سب کو مناسب ہے نشان نبوی لےکر اور سب زیر نشان ہوکر ارادہ قتل کفار کرے تو البتہ دہشت اوپر کافر کے ہوکر بھاگے گا اور دہلی میں عمل بادشاہ جمع وقت شاہ کا ہوا بارہ منزل تک۔ اور لازم ہے اوپر رئیس تہنیت علی خاں بہادر افضل الدولہ پر ذات سے اپنے نکل کر اور اپنے سایہ اسلام میں لےکر فتح یاب اوپر کفار کے ہوکر ارادہ دہلی کا کریں تو بہت مناسب ہے نہیں تو آیندہ بہت قباحت ہے۔ ہم پر واجب تھا سب مسلمانوں کے جناب میں عرض کئے ہیں۔ آیندہ مختار ہیں۔ بتاریخ پچیسویں شوال بروز جمعہ یعنی عید المومنین ہے سنہ ۱۲۷۳ھ کو جمع ہوکر مسجد میں جمع ہوکر تم غلبہ ادھر سے کرو ادھر سے ہم غلبہ کرتے ہیں اور اس کو اگر اکھاڑے تو (یعنی یہ کاغذ) وہ نسل یزید کے ہوگا۔ دوسرا اشتہار یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہاں کے جتنے امیر ہیں سو سب نصارا کی اولاد ہیں۔ نواب ناصر الدولہ بہادر کو جادو کرکے مارے ہیں کسواسطے کہ آج کے روز کا فرنگی باوا ان کا بدلا ہے تو سمجھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم بے فکر رہو اور غریبوں سے پوچھے تو کہتے ہیں کہ امیر یہاں کے نہیں ارادہ کرتے ہم کو کیا کام ہے۔ آرام سے روٹی نہ کھا کر فکر میں کیوں پڑتے۔ حیدر آباد کے جتنے ہیں چھوٹے بڑے سب پر جوتی ہے سات پشتوں تک اور وہ مجوسی کے اولاد ہیں یزید کے بیٹے ہیں اور نصاری کے فرزند اور پوتے ہیں اور طلاق اون سب پر سات پیڑی تک کہ نکلیں واسطے جہاد کے اور پچیسویں شوال مقرر کئے ہیں اور نہ نکلے تو وہ اولاد سور کے اور کتے کے اور گدھے کے اور الو کے .... خیر واسطے خدا کے جہاد کرو غازی کہلاو شہید ہو پھر ایسا وقت قابو میں نہیں آئے گا.. سب جاے حمیت خالی ہے"۔

تاریخ کی کتابوں کو بھی ادب میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ مبارز الدولہ اور ہنگامہ سنہ ۱۸۵۷ء کے تفصیلی واقعات "تاریخ خورشید جاہی اور ریاض مختاریہ" میں درج ہیں۔

کتابیں سنہ ۱۸۵۷ ء کے کچھ بعد مرتب ہوئی ہیں اور اردو میں ہی ہیں سنہ ۱۸۵۷ء
ے واقعہ کے متعلق ریاض مختاریہ کا ایک اقتباس قابل ملاحظہ ہے ۔

«رزیڈنٹ بہادر نے بمجرد اطلاع ہنگامہ مذکور کوٹھی کی فوج کو مستعد کر لیا
ر سکندر آباد سے بھی جمعیت آگئی ۔ میجر برگسن نے دو توپیں کوٹھی کے دروازہ
رب رویہ کے باہر لاکر لیس رکھا ۔ بلوائیوں کی فوج یعنی آگے روہیلے اور ان کے
ھے شہر کے لوگ کوئی سپر تلوار لئے بشاش، کسی کے پاس کہنہ بندوق؛ اکثر
لاٹھیاں اور بانسے لئے ہوئے دین دین کہتے ہوئے گولی گوڑہ تک پہنچے ۔ طرہ باز
ان کے خاص جانباز سب کے آگے تھے ۔ پتلیون کی باولی کے پاس پہنچتے ہی ایک
پ گویا سلامی کا سر ہوا جب دیکھا کہ حملہ آوروں کو مطلق اثر نہ ہوا اور وہی
سارت باقی ہے تو دوسرا فیر کیا جس سے کئی آدمی مرگئے اور کئی مجروح اپنے
ون میں لوٹنے لگے ۔ یہ دیکھ کر بقیہ جانباز اور طرہ باز خاں نے مرزا ثابت علی کے
کان میں جو وہیں واقع ہے پناہ لی اور بندوق سر کرنے لگے »

(ریاض مختاریہ صفحہ ۲۴ تا ۲۷)

حیدر آباد میں اردو اخباروں کا آغاز سنہ ۱۸۷۸ ء سے ہوا اولاً ہفتہ وار اخبار
ری ہوئے ۔ اس کے بعد سنہ ۱۸۸۵ ء سے روزانہ اخبار شائع ہونے لگے ۔ «ہزار
ستان» حیدر آباد کا پہلا روزانہ اخبار تھا اس کے اڈیٹر دہلی کے رہنے والے غالب
ے شاگرد محمد سلطان احمد عاقل تھے ۔ جناب مالک رام نے تلامذہ غالب میں انکا
ارف کرایا ہے ۔

عاقل دہلی سے حیدر آباد آکر بس گئے تھے اور سرکاری ملازمت کے بجائے
یس قائم کیا اور اخبارات شائع کرنے لگے ۔ اولاً ہفتہ وار اخبار نکالا پھر اس کو
زانہ کی صورت دی ۔

مالک رام کہتے ہیں « ان دنوں حیدر آباد میں ہن برس رہا تھا عاقل نے بھی
مت آزمائی کو سنہ ۱۸۸۲ء میں دکن کی راہ لی ۔ صاحب استعداد ہونے کے علاوہ
ی موقع شناس تھے تھوڑے ہی عرصہ میں لسانی جادو بیانی سے ہر مجلس میں
بار حاصل کر لیا ۔ ایک اخبار ہزار داستان نکالنے لگے ۔ صرف (۳۹) برس کے سن
ں سنہ ۱۸۹۱ ء میں وفات پائی » ۔

عاقل نثر نگار بھی تھے اور شاعر بھی ۔ ان کے اکثر مضامین اردو ادب میں جگہ

پا سکتے ہیں اس اخبـــار کا فائیل سنٹرل ریکارڈ آفس میں ہے ۔ انگریزوں کے خلاف ان کے دو مضامین کا اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے مگر اس کے پہلے ایک نظم ملاحظہ ہو جو طنز کا اچھا نمونہ ہے ۔

کس لئے ہے سوچ میں ملکہ ہماری ان دنوں — کیا کوئی مدنظر ہے کام بھاری ان دنوں
یا ہے شـایـد یاد انہیں مرحوم جنرل گارڈن — ہورہی ہے جوئے خوں آنکھوں سے جاری اندنوں
اور بھی در پیش ہیں سوڈان کے اب واقعات — بے کلی ہے خاطر نازک پہ طاری ان دنوں
مصر کو چھوڑیں ویا چھوڑیں ہرات و پنجدیہ — دیکھئے کس کی نبھائیں دوست داری اندنوں
آجکل آمد ہے کس گل کی مچی ہے دھوم دھام — جھوم کے چلتی ہے جو باد بہاری ان دنوں
لشکر شـاہی چلا ہے کس کے استقبال کو — کس کی خاطر رات دن ہے ریل جاری اندنوں
ہم کہے دیتے ہیں لو آتی ہے ہندوستان میں — جھم جھماتی شاہ کابل کی سواری ان دنوں

روس نے دھمکی جو دی تو سوچ کر راہ امید
اب اعـانت مانگنے آئے ہمـاری ان دنوں

اس طرف تو ہو رہا ہے روسیوں کا روسیاہ — اس طرف مہدی کی چلتی ہے کٹاری اندنوں

یہ نظم خود ظاہر کرتی ہے کہ یہ کب لکھی گئی ۔ عاقل کی نظم کے بعد ان کی نثر کے دو اقتباس پیش ہیں ۔ ایک تو البرٹ بل کے متعلق ہے دوسرا فوج میں سکھوں کے شریک نہ ہونے کے اسباب پر لکھا گیا ہے ۔ یہ دونوں مضمون اخبـار کے خاص مضمون میں شامل ہیں ۔ اخبار ہزار داستان کے فائل دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اخبار سلطنت آصفیـــہ کے نظم و نسق پر بھی تنقید کرتا تھا اور حکومت انگریزی پر بھی اعتراض کرتا تھا ۔ البرٹ بل کے مضمون کا اقتباس یہ ہے :

« لنڈن کا ایک اخبار لکھتا ہے کہ مسٹر البرٹ نے وہ آگ جو ہندوستانیوں کے سینے میں سنہ ۱۸۵۷ء سے دبی ہوئی تھی کرید دی ۔ چہ خوش اول تو غدر کو اس معاملہ سے کیا نسبت دوسرے ہمارے ہندوستانیوں کے سینے میں کسی کا کینہ رکھا ہی نہیں جاتا ۔ ایسے صاف دل پیدا ہوئے ہیں کہ آج تک سرکار کی زیادتیوں کو ماں باپ کی تادیب جانا ۔ اف تک زبان پر نہ لائے جب سنا کہ ہماری سرکار مشفق رعایا پرور اور عدل گستر ہے ۔ جو کچھ کریگی ہماری بہتری کیلئے کریگی ۔ کوئی عہدہ دار کلکٹر سے گورنر جنرل تک ہندوستان میں ایسا نہیں رہا جس کے ہنگامــہ

شریف آوری کی ثناء نہ کی ہو۔ اور وقت تشریف آوری اس کے احسانات کا شکریہ
ر اس کے جدائی کا غم ظاہر نہ کیا ہو»۔

دوسرا اقتباس جو فوج سے متعلق ہے اس کا عنوان خود کردہ را علاج نیست
ہے۔

«خود کردہ را علاجے نیست»

ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ جو برٹش گورنمنٹ نے سرد مہری کا برتاؤ شروع
یا اور زبانی جمع خرچ کے سوا ان کے ساتھ کسی مقام پر مثل گوروں کے رعایت
کی، اور جب ہندوستانیوں نے متواتر اس بات کا تجربہ کرلیا کہ ہر مقام پر لڑنے
نے محنت و مشقت کرنے کو ہم اور موٹی موٹی تنخواہ اور راشن لینے شرابیں پینے
و گورے۔ تو انہوں نے رفتہ رفتہ فوجی گروہ سے کنارہ کشی کرنا شروع کی (پھٹ
ے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان) چنانچہ اخبار ملٹری لکھتا ہے کہ نقشہ جات
ماموریت رنگروٹ سنہ ۸۳ و ۱۸۸٤ء کے ملاحظہ سے گورنمنٹ افسوس کرتی ہے
، روز بروز سکھ و جاٹ کم فوج میں بھرتی ہوتے ہیں۔ لہذا اون کی فوج میں
رتی نہ ہونے کا افسروں کو بھی افسوس ہے۔ گو کہا جاتا ہے کہ اب سکھ کاشتکار
گئے اور دولتمندی کی ترقی سے اب اون کو سپاہیوں میں نوکری کرنے کی طمع
ں رہی۔ در حقیقت یہ بات نہیں ہے کیونکہ فی زمانہ کاشتکاروں کی حالت ایسی
دتر ہے کہ اونہیں روٹی بھی پیٹ بھر کھانے کو نہیں ملتی، مگر کیا بات ہے کہ
ادی اور اطمینان سے زندگی تو بسر کی جاتی ہے۔ مثل ہے کہ انسان گوہ بھی
اتا ہے تو پیٹ بھرنے کو مگر جب پیٹ ہی نہ بھرے تو گوہ کھانے سے کیا فائدہ۔
کھوں نے چونکہ اس بات کا تجربہ اچھی طرح حاصل کرلیا کہ ہم لاکھ جفا کشی
، وفاداری کا اظہار کریں۔ اپنے بال بچوں سے چھوٹیں دیس بدیس مارے مارے
ریں۔ ہندوستان سے باہر جاکر سمندر پار غیر قوموں میں اپنا مذہب چھوڑیں قواعد
ہ کیسی ہی مشق پیدا کریں۔ افسروں کی جھڑکیاں کھائیں۔ خیر خواہی کے جوش
ہ مر مٹیں۔ ہر وقت ہتھیلی پر سر لئے پھریں۔ اگر تقدیر نے یاوری کی تو صوبہ دار
گئے ورنہ وہی سپاہی کے سپاہی رہے۔ اور گورے کچھ بھی کام نہ کریں تب بھی
ی تنخواہ پائیں اور شراب دونوں وقت اڑائیں۔ بات بات پر اونکے لئے ترقی موجود
ہ لیاقت کے ساتھ ہر طرح کی قدر دانی کی جاتی ہے مگر نہیں کی جاتی تو ہمارے

ساتھ»۔

(اقتباس ہزار داستان ۲۹ جنوری سنہ ۱۸۸۵ء نمبر ۲۸ جلد ۱۳)

اخبار ہزار داستان کے مختصر نوٹ بھی دلچسپ ہوتے تھے چنانچہ جب ڈاکٹر رگھوناتھ چٹوپادھیا کو چاندہ ریلوے کے سلسلہ میں رزیڈنٹ کے ایماء سے شہربدر کیا گیا تو ہزار داستان نے یہ نوٹ لکھا تھا :

«ڈاکٹر رگھوناتھ کے اخراج بلدہ ہونے پر جو ایک طوفان نما جوش پیدا ہوا تھا وہ روز بروز فرو ہوتا جا رہا ہے۔ چاندہ ریلوے کی نسبت علی العوام مشہور ہے کہ بنے گی۔

ہے قفس سے شور اک گلشن تلک فریاد کا خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں صیاد کا

اخبار ہزار داستان کے بعد رسالہ حسن کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر حسن بن عبد اللہ المخاطب بہ عماد نواز جنگ تھے۔ یہ رسالہ سنہ ۱۸۸۸ء میں شایع ہونے لگا۔ عماد نواز جنگ اس زمانے میں انسپکٹر جنرل رجسٹریشن واسٹامپ تھے۔ رسالہ حسن اردو کے معیاری رسالوں میں شمار ہوتا تھا۔ مولوی شبلی، مولانا حبیب الرحمان شروانی، مولانا شرر، سراج الدین احمد ایڈیٹر سرمور گزٹ، خواجہ غلام الثقلین، سید علی بلگرامی جیسے اصحاب اسکے مضمون نگاروں میں شامل تھے۔ اگست سنہ ۱۸۹۳ء کے رسالے میں کسی صاحب شریف الدین نامی کا ایک مضمون سنہ ۱۸۵۷ء کے اسباب غدر پر (۲۳) صفحے کا شایع ہوا ہے، اس مضمون کو دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ ایک دیسی ریاست کے اردو رسالے میں انگریزوں کے خلاف ایسا مضمون کس طرح شایع ہوا۔ صاحب مضمون اور ایڈیٹر رسالہ کی جراءت قابل داد ہے۔ جنہوں نے سنہ ۱۸۹۳ء میں انگریزوں کے خلاف خصوصاً گورنر جنرل کی نسبت ایسے سخت الفاظ استعمال کئے تھے۔ مضمون کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو :

«میں اس بات کو آزادی کے ساتھ کہدینے میں تامل نہیں کرتا کہ غدر کی بنیاد لارڈ ڈلہوزی کے ہاتھوں پڑی، ڈلہوزی غیر منظم، پست ہمت، کوتاہ اندیش اور سخت مزاج گورنر تھا۔ گورنری کے لئے جس قسم کے مدبر دوراندیش، عاقل، ذی علم، تجربہ کار اور رحم دل آدمی کی ضرورت تھی۔ اسکے خصایل اور اخلاق بالکل ان اصولوں کے خلاف تھے۔

لارڈ ڈلہوزی کے اصول معدلت اور طریق سیاست نے ہندوستانیوں کے خیالات

بہت کچھ برہمی پیدا کی اور جس قدر جان و مال ہندوستانیوں یا انگریزوں کا
باد ہوا اس کا بڑا سبب ڈلہوزی کی کارگزاریاں ہیں »۔

(رسالہ حسن اگست سنہ ۱۸۹۳ ء)

سنہ ۱۸۸۵ ء میں آل انڈیا کانگریس قائم ہوئی جس کا اولین مقصد انگریزی
کومت سے مراعتیں حاصل کرنا تھا۔ ملک کی ضروریات انکساری کے ساتھ التجا
ں جاتی تھیں لیکن دیسی ریاست میں کانگریس کی تائید مشکل بلکہ دشوار تھی۔
سدر آباد میں جن اصحاب نے باوجود سرکاری ملازم ہونیکے کانگریس میں شرکت
ں اور اسکی تائید کرتے تھے۔ ان میں ملا عبد القیوم اور ڈاکٹر رگھوناتھ قابل ذکر
۔ اس زمانہ میں عام طور سے مسلمان کانگریس سے علٰحدہ تھے اور کانگریس
ں شرکت کو مذہب کے خلاف قرار دیا گیا تھا۔

ملا عبد القیوم وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے مضامین میں مدلل طور سے
ہی استدلال اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کو کانگریس میں شریک ہونا
ئے ملا صاحب کے مضامین اخبار وکیل امرتسر میں شایع ہوتے تھے جو اس زمانہ
۔ اردو کا مشہور اور ذی اثر اخبار تھا۔ ملا صاحب کو حکومت نے مطلع کر دیا
کہ حکومت ان کے کانگریس کی شرکت کو پسند نہیں کرتی مگر ملا صاحب اپنی
ے پر قائم رہے۔ بالاخر انگریزوں کی مخالفت کی وجہ سے ان کو اول تعلقداری
۔ خدمت سے قبل از وقت وظیفہ دے دیا گیا۔ ملا صاحب کی تحریرات کو جمع
جائے تو اردو ادب کا اچھا ذخیرہ مجموعہ ہوسکتا ہے۔

ملا صاحب کی تحریرات کا ایک مختصر نمونہ ملاحظہ ہو:

« میرے شناسا احباب مجھے جانتے ہیں کہ میں کانگریس کا حامی۔ ہمدرد
شریک آج سے نہیں بلکہ ابتدا سے ہوں اور اسکی شہادت نہ صرف زبانی بلکہ
کاری کاغذات سے بھی پیش کرسکتا ہوں۔ کانگریس کی پچھلی رپورٹیں بھی اسکی
ہی دیں گی اور نہ صرف میں تنہا اس کا دمساز و ہمراز ہوں بلکہ جنوبی ہند کے
۔ نئے اور پرانے تعلیم یافتہ اصحاب و احباب میرے ہم خیال ہم مقال و شریک حال
۔ میڈیر ایڈیشن کا میرے نسبت یہ ریمارک کرنا کہ اس تحریک سے میری وقعت
مانوں کی نظروں میں جاتی رہی معلوم نہیں اس سے کونسے مسلمان مراد ہیں۔ نئے
کے یا پرانے۔ مجھے ان نومسلموں سے کچھ بحث نہیں البتہ قدیم مسلمانوں سے

ضرور اعتقاد ہوسکتا ہے۔ سو ان سے مجھے اس کی ہرگز امید نہیں ہے اگر بالفرض ہوں تو کیا پرواہ کیا مضائقہ۔

گرچہ بدنامیست نزد عاقلان مانمی خواہیم ننگ و نام را

سچا مسلمان وبا ایمان وہ ہے اور ہوسکتا ہے۔ جو کبھی دنیاوی اخوت اور غیرت ذاتی کے خیال سے کسی دینی، قومی و ملکی امر پر تقدیم نہ کرے بلکہ ان تمام محفظات کو بالائے طاق رکھکر محض خالصاً لوجہ اللہ کرے یا طمع یا ریا کا اس میں دخل نہ ہو۔ قدمائے اسلام کی یہی شان تھی جن کی تعریف یوں فرمائی گئی ہے:

«لا یخافون لومة لائم یعنی وہ کسی ملامت کرنے والا کی ملامت سے نہیں ڈرتے»۔

ملا عبد القیوم کے بعد مولوی محب حسین کے کارنامے قابل تذکرہ ہیں۔ محب حسین بھی مسلمانوں کو کانگریس میں شریک ہونے کی تائید کرتے تھے۔ وہ اپنے رسالہ اور اخبار معلم شفیق میں اس موضوع کا پرچار کرتے تھے۔ محب حسین سید جمال الدین افغانی کے دوست تھے اور سید صاحب کے خیالات سے متاثر ہوچکے تھے۔ اس موقع پر محب حسین کے مضامین کا نمونہ پیش کرنا طوالت کا موجب ہے اس لئے موصوف کے اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔ جو جنگ آزادی کے جد و جہد میں پیش ہوسکتے ہیں جو شایع ہوگئے تھے۔

آزادی وطن ہے سب اہل وطن پہ فرض ہر شخص پر ہے سب سے مقدم ادائے فرض
کہتی ہے طفل سے یہ ولادت کے وقت ارض کرتی ہوں آج تجھ سے بصد عجز ایک عرض
ہمدردی وطن میں ہر آفت کو جھیلیو تجھ پہ پڑے جو وقت تو بہرحال کھیلو

آزدی وطن سے ہماری ہیں حرمتیں دیکھی نہیں ہیں تمنے غلامی کی ذلتیں
نا بود ہوگئی ہیں وہ افسوس ملتیں جن پر ہوئی ہیں غیر کی قائم حکومتیں
ہوتے فنا ہیں ملک کی اولاد کے حقوق ملتے نہیں غلاموں کو آزاد کے حقوق

ماتم کا ہے یہ وقت کہ ہے شادی ہند جاتی ہے فسادوں سے تو آزادی ہند

ہندو مسلماں میں تنفر کیوں ہے ہیں مادر ہند کے یہ دونو لڑکے

پیشہ کوزو ٹی نہیں سر پہ بھی ٹوپی نہیں ۔ ہند کی حالت خراب دیکھئے کب تک رہے

دیکھتے ہو تم کہ حال اپنا ہے فاقوں سے تباہ پھر شکایت کیا کریں ہر دم تمہارے سامنے

وز گھٹتے ہیں غلامی سے غلاموں کے دماغ اور آزادی سے بڑھتے ہیں قواء آزاد کے

ہیں کب تک غلامی میں ملے ہمکو بھی آزادی غلاموں کو جہاں میں آجکل آزاد کرتے ہیں

نہ سر پہ ٹوپی نہ جسم میں کرتا نہ ان کے پاؤں میں جوتی

جہاں میں ڈھونڈو نہ پاؤ گے تم کہیں یہ افلاس کا نمونہ

مولوی محب حسین کے ساتھ مولوی عبدالقادر مرحوم کا تذکرہ کرنا ضروری ۔ آپ رجسٹرار بلدہ کی خدمت پر مامور تھے ۔ حیدرآباد میں قومی زندگی کو ونما دینے میں بہت بڑا کام کیا ہے ۔ مختلف علمی معاشرتی سماجی انجمنیں قائم کرنے ۔ قیام کے بعد ان کے کارو بار کو خوش اسلوبی سے چلانے میں وہ بڑی مدد ے تھے ۔ ان کا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انگریزی سے ناواقف ہونے کے باوجود ریزی اخبارات سلطنت آصفیہ کے نظم و نسق پر ایک دیسی ریاست ہونے کے ث جو الزامات عاید کرتے تھے وہ ان کا دندان شکن جواب دیتے تھے اور انگریزی ہ داروں کی نا اہلی کو بڑی جرات سے آشکار کرتے تھے ۔ ساتھ ساتھ انہوں نے م کالج کے اخراجات کا مدراس یونیورسٹی کے اخراجات سے مقابلہ کر کے حیدرآباد ، یونیورسٹی قائم کرنے اور نظام کالج کو مدراس یونیورسٹی کی غلامی سے آزاد نے کے لئے کئی مضامین لکھے تھے ۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو :

«لارڈ کرزن اپنی اسپیچ میں ریاست حیدر آباد کے مقروض ہو جانے کا باعث اس طرح ارشاد فرماتے ہیں کہ حیدر آباد قحط اور دیگر صدموں سے جیسا کہ اور ریاستوں میں ہوا ہے خزانہ کی ابتری کا صدمہ بھی اٹھا چکا ہے ... جب کہ قحط سالی کا دورہ پرمدار المہام کے عہد میں ضرور ہوتا رہا اور سلطنت نے اس کے روکنے کے لئے اپنی پوری کوشش صرف کی بنا پر قرضہ کا بار [illegible] نہیں ہوا تھا تو خود بخود یہ نظر آتا ہے کہ قرضہ کی اصل وجہ قحط سالی نہیں بلکہ ملکی ضروریات سے ناواقف یوروپین نگرانی ہے »

اگر مسٹر کرالی یوروپین اصول کے خلاف مشرقی خیالات کی تقلید میں جس کی بدولت ہماری سلطنت پر یہ اعتراض ہو رہے ہیں کہ فیاضی کا ہاتھ اس قدر نہ بڑھا دیتے اور مسٹر ڈنلاپ انتظام قحط سالی میں ان عہدہ داروں کو شتر بے مہار کی طرح نہ چھوڑ دیتے جن کی ناراضی کی وجہ سے یوروپین نگرانی کی ضرورت بیان کی جاتی ہے اور ان پر پوری نگرانی رکھتے تو ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اس قدر قرضہ کبھی نہ ہوتا اور سلک موجودہ میں کئی لاکھ زیادہ سلک رہتی»۔ مخبر دکن سنہ ۱۹۰۱

مولوی عبد القادر صاحب مرحوم کے بعد مرحوم کے رشتہ دار مولوی محمد مرتضی حسین میدان عمل میں آتے ہیں۔ مرتضی مرحوم مدرسہ دار العلوم کے متعلم اور پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کی ڈگری لی تھی۔ ملا عبدالقیوم مرحوم کے حالات و افکار سے متاثر ہوئے تھے۔ سنہ ۱۹۰۳ ع میں انہوں نے ایک پمفلٹ روح ترقی کے نام سے شائع کیا اور اس میں اس سوال کا جواب دیا کہ حیدر آباد کیوں ترقی نہیں کرتا اور اپنی یونیورسٹی کو اس کا علاج اور یونیورسٹی کی زبان کے اردو ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ روح ترقی کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

« نصاب کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے سب سے اہم بحث یہ ہے کہ حیدر آباد کی عام تعلیمی زبان کونسی ہو۔ انگریزی یا اردو۔ موجودہ حالت سے یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ اصل زبان انگریزی قرار دیگئی ہے جس کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ مغربی فنون۔ معاشرت، تمدن کا سیلاب جس زور و شور سے بڑھ رہا ہے اسکے لحاظ سے بہ تقلید برٹش انڈیا یہی سچی خیر خواہی ہے کہ ابنائے ملک کو اس سمندر میں ہاتھ پاوں مارنے کے قابل بنایا جائے یہ خیال اگرچہ درست پایا جاتا ہے لیکن سچائی اس کے بالکل خلاف بیان کرتی ہے۔»

مرتضی مرحوم نے روح ترقی شائع کرنے کے بعد سنہ ۱۹۱۴ ع میں حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرس قائم کی، مرحوم کے ساتھ کئی اصحاب شریک تھے۔ سالانہ اسکے اجلاس ہوتے اور ان اجلاسوں میں جو تحریکیں پیش ہوتیں انمیں سرکاری انتظامات پر نکتہ چینی کی جاتی تھی اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ حکما ایجوکیشنل کانفرنس کو بند کر دینے کی کارروائی ہوئی اور کئی سال تک اسکے اجلاس نہیں ہوئے۔

۔ اگر چہ اولاً یہ کانفرنس صرف تعلیم کی حد تک محدود تھی مگر اس کے
بعد اس کا دائرہ عمل معاشی حیثیت سے بھی بڑھا دیا گیا تھا حکومت نے محکما
ں جزو کو بھی خارج کر دیا ۔ ایجوکیشنل کانفرس کی رپوٹوں سے ادب کا بھی اچھا
اد مل سکتاہے کیونکہ اچھے اچھے معلومات آفریں مقالے اس میں شامل ہیں. اس موقع
صرف مسز سروجنی نائڈو کی اردو تقریر کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے ۔ یہ موصوفہ کی
لی اردو تقریر تھی اور ایجوکیشنل کانفرنس کے پہلے اجلاس میں جو سر اکبر حیدری
ی صدارت میں ہوا فرمائی تھی۔

«اس وقت کانفرنس کا بیج بویا جا رہا ہے ۔ بیج کا بونا آسان ہے مگر اس کے
پھل آنے میں بہت محنت اور عرصہ لگتا ہے ۔ اس طرح کانفرنس کے نتائج
بھی بر آمد ہونے کے لئے سچی کوشش اور محنت کی ضرورت ہے انہیں کانفرنس
کے مقاصد عمل میں لانے کے لئے بہت سے مشکلات کا سامنا ہو گا اور ان کو
لوگوں کے اعتراضات کا نشانہ بننا پڑے گا لیکن ان کو چاہئیے کہ صبر اور
استقلال سے کام لیں ۔

صبر کن حافظ بہ سختی روز و شب
آخرش روزے بیابی کام را »

حیدر آباد کے مشہور شاعر سید رضی الدین حسن کیفی ایجوکیشنل کانفرنس
ے سر گرم رکن تھے ۔ موصوف کو اگر حیدر آباد کا حالی کہا جائے تو غلط
یں ہو سکتا انہوں نے حیدر آباد میں نظم لکھنے کی ابتداء کی تھی اور ہر قومی
ر ملکی جلسے میں اپنی بلند پایہ نظموں کی نغمہ سنجی سے لوگوں کو متاثر
رتے تھے ۔

کانفرس کے ابتدائی تین چار سال تک حضرت کیفی زندہ تھے اور اپنی زندگی
ک وہ ہر جلسہ میں نظم سناتے تھے ۔ کیفی کی شاعری میں قومی اور ملکی شاعری
ے اچھے نمونے مل سکتے ہیں ۔ انکی ہر نظم فصاحت و بلاغت کا مخزن، حسن تخیل
ر واقعہ نگاری کا مرقع ہے ۔ ایجوکیشنل کانفرنس میں پڑھی ہوئی ایک نظم کے چند
عر پیش ہیں :۔

کہو تو سچ کہو واللہ تم کیا کر نہیں سکتے ۔۔۔ تمہارے دم قدم سے ہی تو یہ آبادی تھی دنیا
تم اپنی دنیا میں رہنا چاہتے ہو کس طریقے سے ۔۔۔ تمہیں کیا اپنی عزت آبرو کی کچھ نہیں پرواہ

تمہیں معلوم ہے دیتا ہے عزت کون انساں کو ۔ غذا، کپڑا، حویلی، ہاتھی گھوڑا روپیہ پیسہ
نہیں ہر گز نہیں انسان کی اس سے نہیں عزت ۔ کہ ہے انسان کی عزت کا باعث شان استغنا
اگر تم اپنی عزت چاہو مستغنی بنو پہلے ۔ مگر تحصیل استغنا کا سمجھو ہے ذریعہ کیا
کمال انسان کو عالم سے کر دیتا ہے مستغنی ۔ خدا کے واسطے اے بھائیو سیکھو کمال اپنا
کمال علم وفن کی قدر ہی کرتا نہیں کوئی ۔ تو پھر کیوں کر نہ ہو جائے کمال علم وفن عنقا
جہاں ہے علم کو ترجیح دیں ہم کسب عالم پر ۔ وہاں مفقود اہل علم اگر ہوں تو اچنبھا کیا
وہی تعلیم ہے تعلیم انساں جس سے انساں ہو ۔ وگرنہ پیٹ بھرنے کے لئے جیتا ہے اک کتا

ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتھ ہی ساتھ جنگ طرابلس، جنگ بلقان، پہلی جنگ یورپ اور خلافت کے مسائل سامنے آتے ہیں۔ ہندستان کے اور حصوں کی طرح حیدرآباد میں بھی ان واقعات کی وجہ سے ہل چل ہونے لگی جوں جوں قوم کا احساس بیدار ہونے لگا وہ غفلت کی نیند سے جاگنے لگی۔ حیدرآباد کے عوام کو اخباروں کے مطالعہ کا شوق ہو گیا بمبئی، دہلی، لاہور کے روز نامے یہاں فروخت ہونے لگے۔ اخباری مانگ کو دیکھ کر مولوی اکبر علی نے اپنے رسالہ صحیفہ کو سنہ ۱۹۱۱ ع میں روزانہ اخبار کی صورت میں منتقل کر دیا۔

مولوی اکبر علی مدرسہ دارالعلوم کے طالب علم تھے اور انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کی ڈگریاں حاصل کی تھیں۔ ملا عبدالقیوم کی صحبت میں رہکر ملک وقوم کی خدمت کا درس لیا تھا مولوی اکبر علی کے ساتھ کئی اور صاحب ہمت اور پرجوش اصحاب مثلاً مولوی مرتضیٰ، ملا عبدالباسط مولوی حافظ محمد مظہر مولوی عبدالسلام وغیرہ شریک ہوگئے ان اصحاب کے قلمی تعاون سے اخبار کو ترقی ہوئی۔ اچھے مضمون شائع ہونے لگے۔ صحیفہ بھی کانگریس کا ہم نوا بنا۔ مضمون «انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ» کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

«بدقسمتی سے دونوں مذاہب کے نہایت ہی سربر آوردہ افراد کی جانب سے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان بتدریج ایک آگ کی خندق بن گئی ہے۔۔۔ صدیوں سے ہندو مسلمانوں میں چولی دامن کا سا رشتہ ہے اور تیس چالیس سال قبل دونوں میں اس قدر اتحاد اور یکجہتی تھی کہ ایک دوسرے کے مراسم شادی و غم میں شریک ہوتے تھے اور اب بھی بہت سے مقامات پر خاص کر بابرکت سلطنت آصفیہ میں اتحاد نظر آتا ہے۔ ہندو کاشی اور ہردوار کو اپنا

مرکز بنا کر اور مسلمان کعبہ اور ابنائے اسلام سے اپنا تعلق باقی رکھ کر ہندوستان میں ایک دوسرے کے ہمسایہ بن کر رہتے ہیں۔ ایک دوسرے سے خرید فروخت کرتے ہیں۔ ایک دفتر میں ملازمت کرتے ہیں نیز باہم ایک دوسرے کو ملازم رکھتے ہیں۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کے اکثر رسوم کو اختیار کر لیا ہے اور اکثر جگہ ان کے ساتھ مل کر ہولی دیوالی مناتے ہیں ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ ہم کو امید ہے کہ زمانہ کا زبردست اور نہ مٹنے والا اثر جلد ہندو مسلمانوں کو باہم سیاسی طور پر متحد ہونے اور مل کر کام کرنے پر مجبور کر دے گا۔»
(۱۸ مئی سنہ ۱۹۱۳ ع)

جنگ طرابلس اور پھر جنگ بلقان کے بعد یورپ کی پہلی جنگ شروع ہوئی ور خلافت کا مسئلہ پیش ہوا۔ خلافت کے لئے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں لسے ہونے لگے اور انگریزی حکومت سے ناراضی کی لہر دوڑ گئی۔ اس جوش و خروش ا اثر حیدرآباد میں بھی رونما ہوا محمد اصغر بیرسٹر (اصغر یار جنگ) مسٹر ہمایون رزا مولوی صفی الدین وغیرہ کے ساتھ پنڈٹ کیشوراو۔ پنڈت وامن نایک وغیرہ بھی سلمانوں کے ہم زبان ہو گئے تھے۔ ان جلسوں کے صدارتی خطبے اور بعض نریریں اردو ادب میں جگہ پانے کی مستحق ہیں اس موقع پر بعض شعراء نے بھی نلمیں سنائیں۔ ان کو شائع بھی کیا گیا۔

ایک نظم مرقع بسمل کے نام سے نوشابہ خاتون نے لکھی۔ نوشابہ خاتون اس مانہ میں طالب علم تھیں ان کے والد عبدالحق صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس ے۔ نوشابہ خاتون نے زمانہ ما بعد جامعہ عثمانیہ سے بی اے کی ڈگری حاصل کی ، جامعہ کی پہلی خاتون تھیں جنھوں نے بی اے کی ڈگری اس وقت حاصل کر لی ی جب کہ زنانہ کالج قائم نہیں ہوا تھا۔ تو ان کو عربی کا لکچرر بنایا گیا مگر افسوس ے کہ خرابی صحت کے باعث وہ علحدہ ہو گئیں۔ «موج تخیل» کے نام سے ن کے کلام کا مجموعہ شائع ہوا ہے۔ مرقع بسمل کے علاوہ ان کی کئی نظمیں نگ آزادی کے سلسلہ میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً مرثیہ غم، فریاد سلم، کیا دیکھا، پولیس کی لاٹھی وغیرہ۔ اس موقع پر مرقع بسمل اور پولیس کی اٹھی کے چند بند پیش ہیں۔

آہ اے آفت زدہ مجروح و مظلوم ستم آہ اے تصویر حسرت اے مجسم درد و غم

اے اسیرِ صد مصیبت اے گرفتار الم | یعنی وہ لاچار جس کا ہے لقب خیر الامم
زور و طاقت مٹ گئی دم خم گیا کس بل چلا | اے مریض نیم جاں کیوں تیرا منکا ڈھل گیا
مسلم بیکس تری وہ شان و شوکت مٹ گئی | ظلم کا چرچا ہوا حق کی حمایت مٹ گئی
سلطنت جاتی رہی افسوس طاقت مٹ گئی | ہائے کس منہ سے کہوں یارب خلافت مٹ گئی

طویل نظم ہے پولیس کی لاٹھی یہ نظم برٹش انڈیا کے ظلم و ستم پر لکھی گئی تھی چند بند یہ ہیں۔

ڈنڈا ہے پولس کا نہیں ابلیس کی لاٹھی | شرطہ کا عصا ہے نہیں تلبیس کی لاٹھی
تنظیم حکومت میں ہے تاسیس کی لاٹھی | ڈر ہے کہ نہ سرپر ہو جو اسیس کی لاٹھی
چکر یہ بڑا ڈنڈے کا تیار ہوا ہے
جو چرخ کی گردش سے بھی واللہ سوا ہے

آئے نہ پسند اسکو جو رفتار کسیکی | غیرت سے نہیں اس کو سروکار کسی کی
بھاتی بھی نہیں اسکو جو تکرار کسی کی | سننے کو نہیں بات یہ تیار کسی کی
انصاف کی بنیاد زمانہ میں عصا ہے
اس عہد میں سچ ہے کہ بڑا کام کیا ہے

کمزور زمانہ میں جو پامال رہے ہیں | نادار جہاں کے لئے جنجال رہے ہیں
محنت سے مصیبت سے شکم پال رہے ہیں | دن زیست کے رو روکے سدا ٹال رہے ہیں
طبقہ ہے یہی آہ جو آماج عصا ہے
ہاں پیٹ کے بھوکوں کی یہی آج غذا ہے

کافی ہے ہمارے لئے لاٹھی کا سہارا | شاکی ہو اگرچہ کوئی تقدیر کا مارا
تاریکی میں چقماق سے نکلا جو شرارا | تو دن میں نظر آنے لگا آنکھ کو تارا
آنکھوں سے ہٹا پردہ غفلت تو عجب کیا
کافور ہوئی سر سے حماقت تو عجب کیا

ڈنڈے سے نہ چل جائیں دماغ اہل وطن کے | وحشت نہ کرے پارہ کہیں بند برسن کے
دھارے کہیں مل جائیں نہ جیحون و جمن کے | مردے نہ کہیں پھاڑ اٹھیں تار کفن کے
ہنگامہ محشر کہیں ہو جائے نہ برپا
لاٹھی کی کرامت کا نظر آئے تماشا

خلافت کے سلسلہ کے ایک دوسرے قابل تذکرہ شاعر سید علی حسن ہے ان کی دو نظمیں جو دعوت ایثار اور فغان مسلم کے نام سے لکھی گئی ہیں قابل د ہیں دعوت ایثار کے دو بند ہیں۔

مجھے ہوئے ہیں تم کو جو ہے یارو دستگیر　　اغیار جانتے ہیں تمہیں ہیچ اور حقیر
نا کہ اب تو یاس ہے پر اک کو ناگزیر　　کر گزرو کچھ تو پاوگے تم فائدے کثیر

دست سخا اٹھاو رسالت کے واسطے
جاتے ہیں وفد اور خلافت کے واسطے

ت آگیا ہے دیں کے فدائی اٹھو اٹھو　　دشمن ہوئی ہے ساری خدائی اٹھو اٹھو
لام پر تباہی اب آئی اٹھو اٹھو　　ذلت کی انتہا ہوئی بھائی اٹھو اٹھو

ہو جاو ہوشیار کہ یہ سخت کام ہے
غفلت کرو تو جان لو ترکی تمام ہے

اب حیدرآباد میں وہ زمانہ آتا ہے جب کہ باب حکومت قائم ہوئی اور علی امام مسند صدر اعظمی پر متمکن ہوئے۔ موصوف کی وجہ سے اصلاحات توسیع وضع قوانین کے متعلق حکومت کے اعلانات ہوئے جن کو عوام نے تشکر ے ساتھ دیکھا اور اصلاحات کے نفاذ کا انتظار کرنے لگے۔ مگر اس عرصہ میں علی امام کا دور صدارت عظمی ختم ہو گیا اور پھر ایک بار سیاسی فضا ندر ہو گئی۔

حیدرآباد کے سیاسی اسٹیج کا رنگ بدلنے لگا۔ اقلیت اور اکثریت والے طبقے ، بیداری کی لہر پیدا ہونے لگی۔

جب سنہ ۱۹۲۰ع سے کانگریس کی تحریک عوامی تحریک بن گئی۔ خواص ے نکل کر عوام میں پہونچ گئی اور ہندوستان کی آزادی کا نیا دور شروع ہوا۔ اس ے اجلاسوں میں لاکھوں آدمی شریک ہونے لگے جس میں ہندوستان کے تمام اہب کے لوگ پہلو بہ پہلو دوش بہ دوش میدان عمل میں نکل کر آزادی کی ی پر نثار ہونے لگے۔ کانپور کی مسجد۔ جلیان والا باغ کے واقعات تاریخ آزادی ے خونی واقعات ہیں ان کو بھلایا نہیں جا سکتا۔

اس آزادی کی جد و جہد اور جوش کا اثر حیدرآباد میں بھی رونما ہوا۔ حیدرآباد کے پرجوش اور آزادی پسند اصحاب کانگریس کے اجلاسوں میں شریک ہو کر آزادی حاصل کرنے کے خیالات پیدا کرنے لگے چنانچہ یم نرسنگ راو نے اخبار رعیت جاری کیا اور مادپاٹی ہنمنت راو نے اضلاع اور تعلقات میں کتب خانے قائم کر کے آزادی کے لٹریچر کو پھیلا دیا۔

شری یم نرسنگ راو نے دارالعلوم سے مشرقی علوم کی تعلیم پائی اور فارسی کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی تھی۔ وہ تعلیمی زمانہ ہی سے سیاست سے دلچسپی رکھتے تھے۔ فارغ التحصیل ہو کر میدان عمل میں آگئے۔ ان کے ساتھ مغربی علوم کے فارغ التحصیل اصحاب یعنی غلام پنجتن، فضل الرحمان، عطاء الرحمان، ڈاکٹر لطیف سعید، ماد پاٹی ہنمنت راو، سری کشن، بشیر احمد طاہر وغیرہ شریک ہو گئے، اخبار «رعیت» نے حیدر آباد میں آزادی کی فضا کو بہت سازگار بنایا دیہات کے لوگوں کو بیدار کرنے میں بڑا حصہ لیا۔ اخبار «رعیت» کے کئی مضامین ادبی حیثیت سے بھی قابل داد ہیں۔ نرسنگ راو صاحب کی تحریر کا ایک اقتباس پیش ہے۔

«ہم مطمئن ہیں کہ ہم نے مصلحت کے نام سے اپنے قارئین میں غلط خیالات کی اشاعت نہیں کی۔

بات اصل یہ ہے کہ اخبارات کی ترقی اور نشوونما کا زمانہ ابھی نہیں آیا ہے حیدرآباد میں اخبارات کی ترقی اور نشو و نما کے لئے نہ وہ علمیت ہے نہ وہ پبلک ادارے ہیں جو ان ممالک میں پائے جاتے ہیں جہاں اخبارات کو صحیح معنوں میں ایک قسم کی نیم سرکاری حیثیت حاصل ہے اور اخبارات کی رائیں قابل وقعت سمجھی جاتی ہیں، جس ملک کے لوگوں میں روز مرہ زندگی کو متاثر کرنے والے معاشی۔ معاشرتی اور تعلیمی مسائل سے کوئی دلچسپی نہ ہو وہاں اخبارات کا مشغلہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اخبارات آپس میں تو تو میں میں کریں۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے عارضی جوش کے تحت بعض اخبارات کی خریداری بڑھ جائے لیکن جہاں اخبارات کا مشغلہ تو تو میں میں کا ہو جائے وہاں اخبارات کی قدر و قیمت ملک کے سنجیدہ اور تعلیم یافتہ طبقوں میں گھٹ جانا لازمی ہے۔ اب حیدر باد کی موجودہ صورت حال بالکل یہی ہے۔» جلد نمبر ۱۹ سنہ ۴۳ ف

اخبار «رعیت» کے ساتھ ساتھ اخبار «رہبر دکن» کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

ن کے صاحب علم و ادراک ایڈیٹر احمد محی الدین نے اپنے مضامین سے حیدرآباد کی
سی فضا کو بہت متاثر کیا ۔ رہبر دکن نے رائے خیالات اور افکار میں حیدرآباد کے اعلیٰ
ن دماغوں کو اپنا ہم نوا بنا لیا تھا۔ اور بعض ارباب حل و عقد پر اس کے مضامین
ے کاری ضرب لگی تھی ۔ یہ مضامین سیاسی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ ادبی
ثیت سے بھی تاب ناک ہیں ان کو بھلایا نہیں جاسکتا اہل ملک میں سیاسی بیداری
دا ہونے سے سیاسی جلسے ہونے لگے ۔ ان جلسوں میں صدارتی خطبے اور
یریں تلنگی مرہٹی کنڑی کے ساتھ زیادہ تر اردو میں ہوئی تھیں رعایا حیدرآباد کی پہلی
اسی کانفرنس اکولہ ملک برار میں ہوئی اس کے صدر راچندر نایک انجہانی تھے ۔
سوف کا خطبہ صدارت اردو میں ہے اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو ۔

« میں اپنے رہنمائے وطن سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ حسد و نفسانیت کو
ک کریں اور آپس میں وہ اتحاد و اتفاق قائم رکھیں جس پر حیدرآباد کو آج تک
رہا ہے اور ملک کو مضر رسومات و روایات سے پاک کریں اور ایک دوسرے
مساوات کی نظر سے دیکھیں ۔ کسی فرقہ کی تحقیر اور نہ کسی فرقہ کے ساتھ ظلم
یادتی کو روا رکھا جائے بلکہ سب متحد ہوکر ملک کی ترقی اور مالک کی
نامی کے کوشاں رہیں » ۔ خطبہ صدارت صفحہ ٢٢

صدارتی خطبوں کے علاوہ کئی سیاسی تاریخیں وغیرہ اردو میں شایع ہوئی
۔ ان سے بھی ادب کا مواد مل سکتا ہے ۔

سیاسی خطبوں میں سب سے زیادہ سب سے اہم سب سے برتر ادب کے
ے نواب بہادر یار جنگ کے خطبات ہیں ۔

نواب بہادر یار جنگ مجلس اتحاد المسلمین کے صدر کی حیثیت سے وقتاً فوقتاً
یر کرتے اور خطبات ارشاد فرماتے تھے ۔ یہ خطبے اہل ملک کو بیدار کرنے
لئے جس طرح ولولہ انگیز جذبات سے مملو ہوتے تھے اسی طرح ان کی ادبی
حت و بلاغت بھی قابل قدر ہے ۔ اس موقع پر دو اقتباس پیش ہیں ۔

« اقبال نے ایک سے زیادہ مقامات پر آزادی اور محکومی کا فرق واضح کیا
۔ انہوں نے یہ بتایا ہے کہ آزاد اور محکوم میں کوئی نسبت نہیں ہوتی ۔ آزاد کے
، کی سختی محکوم کے رگ تاک کی طرح نرم رگ میں پیدا نہیں ہوسکتی ۔ ایک
ل زندہ پرسوز و طرب ناک اور دوسرے کا دل مردہ، افسردہ اور نومید

ہوتا ہے۔ ایک کی دولت دل روشن اور نفس گرم اور دوسرے کا سرمایہ فقط دیدہ نمناک یہاں تک کہ ایک خواجہ افلاک اور دوسرا بندہ افلاک اقبال اپنی ملت کو پہلی صف میں دیکھنا چاہتے ہیں اور دوسری صف کو الگ کرنا چاہتے ہیں۔ کتنے کان ایسے ہیں جو ان کو صحیح سن رہے ہیں۔

آزاد کی رگ سخت ہے مانند رگ سنگ		محکوم کی رگ نرم ہے مانند رگ تاک
محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید		آزاد کا دل زندہ و پرسوز و طرب ناک
آزاد کی دولت دل روشن نفس گرم		محکوم کا سرمایہ فقط دیدہ نمناک
محکوم ہے بیگانہ اخلاص و مروت		ہرچند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک
ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہم دوش		وہ بندہ افلاک ہے یہ خواجہ افلاک

ایک دوسرا اقتباس ملاحظہ ہو:

«میں مسٹر نرسنگ راو نمایندہ ہندو جماعت کی اس راست گوئی کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے اس حقیقت کو صاف اور غیر مبہم الفاظ میں گفتگوے مفاہمت کے سلسلہ میں تسلیم کیا۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے اگر سب کچھ صحیح ہے تو پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے۔

اس کی صراحت بھی نرسنگ راو نے اپنی گفتگو میں صاف اور غیر مبہم الفاظ میں کردی تھی۔ انہوں نے اقرار کیا تھا کہ حیدرآباد میں ان کی قوم کو معاشی حیثیت سے ساری سہولتیں اور حقوق حاصل ہیں۔ انہوں نے خود بتایا کہ بادشاہتیں بدلیں مگر سارے معاشی ذرایع دکن کے ہندووں ہی کہ ہاتھ میں رہے اور پھر کہا کہ ہم کو معاشی حیثیت سے نہیں بلکہ سیاسی حیثیت سے شکایت ہے۔ اب ہم اس کو گوارہ نہیں کرسکتے کہ ہم محکوم رہیں اور مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہو»۔

غرض بہادر یار جنگ کے تقریباً تمام خطبات ادب کے بیش بہا نمونے اور تاب ناک نگینے ہیں جن کی چمک دمک کبھی زائل نہیں ہوسکتی۔ نواب بہادر یار جنگ کے خطبات کے قطع نظر خطوط بھی اردو ادب کے شہ کار قرار دئے جاسکتے ہیں۔ ایک خط کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

«السلام علیکم، آپ کا والہانہ اور پرجوش خط پہنچا جس کا ایک ایک لفظ میرے قلب و دماغ کے لئے نشتر تھا، ہر لفظ سے اتفاق ہے اور ہر حرف پر صاد کرتا ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ جذبات کو صفحہ قرطاس پر نہ لاؤں۔ احتیاط نگریباں گیر

ے لیکن سنئے کہے دیتا ہوں، مجھے معلوم ہے کہ حکومت میری نہیں رہی ۔ میں
مانتا ہوں اس کو اسلامی حکومت کہنا اسلام کے لئے باعث ننگ ہے مجھے معلوم ہے
، خاک حجاز اقبال کے الفاظ میں حیثیت کلیہ بن گئی ہے ۔ میں یہ بھی جانتا ہوں
ہ ہماری ساری امیدوں کا مرکز اور ساری آرزوؤں کا آخری ٹھکانہ مجبوری اور دوسروں
ے اشارے کا محتاج ہے ۔ میں اس کو بھی سمجھتا ہوں کہ بالآخر مجھ کو شکست
وگی ۔ حیدر آباد کی سلطنت مسلمانوں کے ہاتھ سے جائےگی اور ہندوستان کے
سمندر میں حیدر آباد ایک موج کی طرح لہراویگا ۔ دو سو برس کے حاکم ازلی ابدی
لام بن جائیں گے ، یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ یہ سب بے وجہ نہیں ہورہا ہے ۔ مسلمانوں
ے اپنی عدم حمیت، خلاف ورزی احکام الہی، سستی، عیش پسندی اور کاہلی کی وجہ
ے اپنے آپ کو اس تمام عذاب الہی کا مستحق بنا لیا ہے» ۔

اقتباس موسوم غلام احمد وکیل صاحب مورخہ ۱۹ مہر سنہ ۱۳۴۷ ف ۔

سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد جن شعراء نے شہرت حاصل کی ہے ان میں کئی ایسے
اعر ہیں جن کا قومی کلام قابل قدر ہے جنہوں نے ادب کے ایسے گلدستے تیار
ئے ہیں جن پر اردو زبان کی شاعری کو ناز ہوسکتا ہے ۔ ان میں مخدوم محی الدین،
سکندر علی وجد ۔ سلیمان اریب، کنول پرشاد کنول، سید محمود «محمود» فضل الرحمن،
شر عابدی، عصمت اللہ بیگ، دہقانی، سعادت نظیر، سرور ڈنڈا، ابن احمد تاب،
ہرات ندیم وغیرہ کا کلام ادب کا گراں مایہ سرمایہ ہے ۔ انکو حیدر آباد کی جنگ
زادی کے ادب میں شامل کرنا ضروری ہے ۔ ان سب کا ایک ضخیم مجموعہ مرتب
وسکتا ہے جو ایک طرف جنگ آزادی کا مرقع ہونگے تو دوسری طرف اردو ادب
ے چمکدار نگینے ہونگے ۔

ڈاکٹر اے. اے. نامی

اردو تھیٹر کا معمار ـ جگناتھ شنکر سیٹھ

« بمبئی تھیٹر » (جدید) جس میں اردو کا پہلا تماشا « راجہ گوپی چند لونجلندہر » ۲٦ نومبر سنہ ۱۸۵۳ء کو پلے ہاؤس، گرانٹ روڈ، بمبئی میں اسٹیج ہوا جگناتھ شنکر سیٹھ کی کوششوں کا مرہون منت تھا. اگر وہ کوشش نہ کرتے. اپنی زمین نہ دیتے. اپنا روپیہ نہ لگاتے اور سب سے زیادہ ڈائرکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی کی توجہ اس طرف مبذول نہ کراتے تو شاید ہی وہ عالم وجود میں آتا اور وثوق کے ساتھ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ آتا بھی اور اگر آتا بھی تو شاید ایک مدت مدید کے بعد.

جگناتھ شنکر سیٹھ کو خدا نے سب کچھ دیا تھا. وہ صاحب دولت تھے، صاحب جاہ و حشم تھے، سرکاری اور غیر سرکاری عہدہ داروں سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے، جب کبھی وہ کسی عہدہ دار سے کوئی بات کہتے تو وہ اسے سنتے اور اس پر توجہ دینے پر مجبور ہوتا تھا.[1] جگناتھ شنکر سیٹھ کا عوام پر بھی کافی اثر تھا اگر کمی تھی

جگناتھ شنکر سیٹھ

۱ـ سرکاری افسروں اور معزز شہری باشندوں کی احتجاج پر گورنر چاہتا تھا کہ وہ ہندوؤں کی قبرستان واقع کوئنس روڈ کو بند کردے کیونکہ یورپین افسروں اور انکی بیویوں کی لئی ملابار ہل جانیکا صرف وہی راستہ تھا. جگناتھ شنکر سیٹھ نے اطلاع ملتی ہی گھوڑا طلب کیا اور پندرہ سو چھپروں کیساتھ گورنمنٹ ہاؤس کی طرف رواںہ ہوگئے. گورنر نے اسیوقت جگناتھ شنکر سیٹھ کو طلب کیا اور چند منٹ کی گفتگو کے بعد انکا مطالبہ منظور کرلیا.

The story of My Life, Part I (1873-1922) by M. R. Jayakar, Bombay, April 1958, Page 130.

و صرف اس بات کی کہ ان کا تعلق کسی اعلیٰ برہمن خاندان سے نہیں تھا اور
البا یہی وجہ تھی کہ پونہ کے مغرور برہمن مورخوں نے ان کی طرف کوئی توجہ
ہیں دی۔ ڈاکٹر جیاکر اپنی حالیہ تصنیف میں لکھتے ہیں۔ «یہ کہنا غلط ہے کہ
مرہٹہ) قوم کی اصلاح کا کام پونہ اسکول میں شروع ہوا۔ اس سے نصف صدی
بل جگناتھ شنکر سیٹھ اس کا افتتاح بمبئی میں کرچکے تھے»۔ «بمبئی ایسوسی ایشن»
کے روح رواں جگناتھ شنکر سیٹھ تھے۔ ہندوستان کے علاوہ انگلستان کے اخبارات
بھی ان کی خدمات ملکی و ملی کے معترف تھے[1] «بمبئی ایسوسی ایشن» کے اصول
ر «بمبئی پرسیڈنسی ایسوسی ایشن» قائم ہوئی تھی اور انڈین نیشنل کانگریس کے
کرتا دھرتاؤں نے جگناتھ شنکر سیٹھ کے اصولوں پر دسمبر سنہ ۱۸۸۵ء میں اس کا
جلاس بمبئی میں طلب کیا۔

ڈاکٹر جیاکر چونکہ خود برہمن نہیں تھے (ان کا تعلق پٹھارے پربھو
خاندان سے تھا) اور برہمنوں کے اقتدار سے ڈرتے تھے اس لئے وہ سیدھی سادھی
ات کو گھما پھرا کر بیان کرتے ہیں، «پونہ اسکول» سے مراد وہ برہمن ہیں جنکی
نیائے سیاست اور تعلیم میں اجارہ داری ہے اور «بمبئی اسکول» سے مراد وہ عوام
یں جہاں پر ہندو مساویانہ حیثیت رکھتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر ڈاکٹر موصوف یہ کہنا
چاہتے ہیں کہ جگناتھ شنکر سیٹھ چونکہ اعلیٰ ذات کے برہمن نہ تھے اس لئے
ونہ اور ناسک کے برہمنوں نے انہیں نظر انداز کردیا اور انکی خدمات کی کوئی
قدر نہ کی۔

جگناتھ شنکر سیٹھ اپنی پیدائشی کمزوری کے باعث تاریخ میں جگہ نہ پاسکے
کیونکہ برہمن مورخین نے ان کی طرف توجہ نہیں دی اگر کبھی ان کی تاریخ مرتب
وئی تو اس کے ماخذ وہ انگریزی روزنامے ہوں گے جو اب بھی بمبئی گورنمنٹ کے
رکیوز میں محفوظ ہیں یا وہ مراسلات ہوں گی جو گورنر اور ہوم ڈیپارٹمنٹ سے ہوتی
ہی اور جس کی نقول اب بھی محفوظ ہیں۔ سطور ذیل میں اس بات کی کوشش کی
گئی ہے کہ جس قدر مستند حالات جگناتھ شنکر سیٹھ کے دستیاب ہوسکیں خواہ
وہ روزناموں سے ہوں یا ہفت روزہ اخبارات سے۔ المنک سے ہوں یا سوانح عمریوں

1: Spectator, London, January 8, 1853.
Leader, London, January 16, 1853.

اور سفرناموں سے یکجا کردئے جائیں۔

جگناتھ شنکر سیٹھ قدرت کی طرف سے ایک اعلیٰ دماغ لےکر آئے تھے۔ دولت اور عزت و عظمت نے اس میں چار چاند لگا دئیے اور اس کے باوجود کہ سنہ ۱۸۳۰ء تک مغرور خود سر اور خود غرض انگریز اس کے حامی نہ تھے کہ «نیٹیوز» ان کے تھیٹر میں آئیں لیکن جب انگلش امیچورس اور تھیٹریکل کمپنیز کو ان کی ضرورت پڑتی تھی تو وہ بلائے جاتے تھے۔ وہ ہمیشہ گورنر، کمانڈر انچیف اور چیف جسٹس سے مساویانہ اصول پر ملتے اور دل کھول کر انگریزوں کی مدد کرتے تھے۔ بمبئی تھیٹر کے عہدہ دار اس وقت ان کو خوش آمدید کہتے اور ان کی تعریف میں صفحے کے صفحے سیاہ کردیتے تھے۔

وہ اپنی تمام دولت اور جاہ و حشم کے باوجود انتہائی خوش اخلاق، نیک سیرت اور فرشتہ صفت انسان تھے۔ وہ نہ صرف بمبئی امیچورس کی وقتاً فوقتاً امداد کرتے بلکہ یورپین کمپنیوں کی بھی معاونت کرتے تھے چنانچہ جب موسیو مینویل فزٹریکا[1] جو پیانو اور گٹار کا مشہور پروفیسر تھا سنہ ۱۸۲۹ء میں بمبئی آیا اور جگناتھ شنکر سیٹھ سے امداد کا طالب ہوا تو انہوں نے اسے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ خود مدد کی اور اپنے دوستوں کی مدد سے دو صوتی اور سازی موسیقی کے پروگرام مرتب کرائے۔ اسی طرح جب کاویل کے پرچگیز تھیٹر کے منتظمین نے امداد طلب کی تو جگناتھ شنکر سیٹھ نے نہ صرف تماشے اسٹیج کرائے بلکہ مالی صورت میں بھی مدد کی (سنہ ۱۸۳۰ء)۔ جگناتھ شنکر سیٹھ نے اس طرح موسیو ڈومانکٹ[2] کی بھی امداد کی جو ریوو ڈی جنوو کی امپیریل تھیٹرز کا مشہور رقاص تھا، یہی نہیں کہ صرف اسکو تھیٹر دلایا بلکہ اس کے فن کے مظاہرے کرائے اور اسکے مصارف برداشت کئے۔

جگناتھ شنکر سیٹھ «دی فرسٹ سٹی زین آف بمبے» کہلاتے تھے اور گورنر بہ اجلاس کونسل سے لیکر کمانڈر اور جسٹس تک انکو اپنے یہاں مدعو کرتے تھے[3] انکے دادا بابل سیٹھ، مستاد تحصیل مرباڈ، ضلع تھانہ کے تاجر تھے اور انگریزوں کے

---

1. Monsieur Manoel Fazsterica.
2. Monsieur Du Moncket.
3. Bombay Courier, Tuesday, March 10, 1840.

جگناتھ شنکر سیٹھ نے اپنے مضافاتی مکان واقع تاردیو میں سر جیمس اور لیڈی کرنگ اور اکابرین صوبہ کی دعوت کی، گورنر؛ ان کی اہلیہ اور صاحبزادیوں کے علاوہ لارڈ کینس، جنرل ڈی لا ماتھر، کرنل وِڈاء کرنل ڈکنسن، کرنل ویلڈ، سر جان آڈری، سر چارلس رومر وغیرہ موجود تھے۔

...نٹوں سے تجارتی لین دین رکھتے تھے[1] بعض دوستوں کے مشورہ سے وہ اپنے ...ے شنکر کے ساتھ گھوڑ بندر گئے اور وہاں کافی عرصہ قیام کے بعد بمبئی کا رخ ...ا۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ سنہ ۱۷۳۰ ء میں اور بعض کے نزدیک سنہ ۱۷۳۵ ء ... بمبئی وارد ہوئے۔

چونکہ اس زمانہ میں انگلش، پرچگیز اور ڈچ کے درمیان خطرناک بحری اور ...ی لڑائیاں ہورہی تھیں اس لئے یہ تینوں قومیں اپنی تجارت اور اپنے تاجروں کی ...افظت کے پیش نظر اپنے ایجنٹوں کی دیکھ بھال کرتی رہتی تھیں تاکہ ضروری اشیاء ... سپلائی کا سلسلہ برابر جاری رہے۔

نوجوان شنکر کو بمبئی کی آب و ہوا بہت راس آئی اور اس نے جلد ہی نہ ...ف اپنے باپ کے کاروبار کو اپنے قابو میں کرلیا بلکہ انگریزی جہازوں کا ایجنٹ ... بن گیا۔ خاص کر ان جہازوں کا جو مشرق بعید اور چین کے ساتھ تجارت کرتے ...ے۔ چونکہ پرچگیز اور ڈچ مشترکہ طور پر انگریزی جہاز کو ڈبو دیتے تھے اسلئے ...احت کے پیش نظر وہ اپنے جہازوں کے اسلامی نام رکھتے تھے اور عرب اور ہندستانی ...زمین کے ذریعے تجارت کرتے تھے۔ شنکر نے اس قسم کی تجارت میں حصہ لینا ...وع کردیا۔

شنکر سیٹھ نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ...ک بچپن ہی میں مر گیا۔ دوسرا پاگل ہوگیا۔ دوسری بیوی مسماۃ بھوانی سے پہلے ...ی پیدا ہوئی پھر لڑکا ہوا۔ یہی لڑکا جگناتھ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی ...یخ و ساعت پیدائش ۱۰ فروری سنہ ۱۸۰۳ ء رات دو بجے ہے۔

جگناتھ کو اعلیٰ تعلیم دی گئی۔ الفنسٹن کالج کے دو انگریز اس کی تعلیم کیلئے ...ر کئے گئے۔ ایک انگریز انگریزی پڑھاتا تھا اور دوسرا تاریخ و فلسفہ۔ اسیطرح ...ے پنڈت سنسکرت پڑھاتا تھا اور دوسرا مرہٹی۔ شنکر سیٹھ نے ارادتاً اپنے بیٹے ... کانونٹ یا پرائیوٹ انگلش اسکولوں میں نہیں بھیجا کیونکہ اس زمانہ میں یہ خیال ...ام تھا کہ عیسائی مبلغین اپنے مدرسوں میں انگریزی تعلیم کے پردہ میں تثلیث کی ...غ کرتے ہیں اور ان ہندوستانیوں کو عیسائی بنایا جاتا ہے۔

...جوان سال جگناتھ نے بعد تحقیق یہ معلوم کیا کہ یہ امر واقعہ ہے اور ابتک

1. Murbad, in Taluka Murbad, District Thana.

کافی ہندوؤں کو عیسائی بنایا جاچکا ہے اور حکومت کی سرپرستی اور سرکاری امداد سے عیسائی مشن کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ «بمبئی آگزلری اسکاٹش مشن سوسائٹی» اسی (۸۰) اسکول چلا رہی ہے، ان میں ۲۸۵۲ لڑکے اور ۲۰۷ لڑکیاں تعلیم پارہی ہیں۔ ان کے علاوہ ۱۰۶ لڑکیاں مشن کے دوسرے چھ مدرسوں میں ہیں۔ طلبہ کی تعلیم کے لئے ابتک مشن ۲۲ ہزار کتابیں چھاپ چکا ہے۔ جگناتھ سیٹھ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ عیسائی مبلغین کے متعلق جو باتیں عام طور پر مشہور ہیں ان میں سے بیشتر صحیح ہیں۔

جگناتھ شنکر سیٹھ نے یہ خیال کرکے کہ لوہا لوہے کو کاٹتا ہے اور جہالت کا علاج صرف تعلیم ہے اپنی پوری توجہ ہندوستانیوں کی تعلیم کی طرف مبذول کی، لڑکیوں کے لئے بھی ایک مدرسہ قائم کیا اور اپنے خرچ سے اس کے لئے ایک عمارت بنوائی۔ اس زمانے میں مرہٹے اپنی لڑکیوں کو اسکول میں بھیجنے کے مخالف تھے۔ جگناتھ سیٹھ نے سب سے پہلے اپنے خاندان کی لڑکیوں کو اس اسکول میں داخل کیا۔ اس کے بعد اپنے دوستوں کو مجبور کیا کہ وہ بھی اپنی لڑکیوں کو اس اسکول میں بھیجیں۔ یہ مہاراشٹر کا پہلا گرلس اسکول تھا۔

سنہ ۱۸۲۲ء میں وہ «بمبے نیٹیو بک اینڈ اسکول سوسائٹی» کے ممبر بنے اور صبح و شام ہزاروں روپیہ کی امداد سے اس کو عوامی خدمت کے قابل بنایا۔ مرہٹی، گجراتی اور اردو میں کتابیں لکھوائیں اور طبع کرائیں اور لکھنے والوں کو معقول معاوضہ دیا اس سے قبل اردو میں درسی کتابیں نہیں تھیں۔ پہلی بار محمد ابراہیم مقبہ نے تیار کیں جو اس وقت حکومت بمبئی کے انٹر پریٹر تھے۔

سنہ ۱۸۲۷ء میں سوسائٹی نے یہ طے کیا کہ بمبئی میں ایک کالج قائم کیا جائے چنانچہ ایک کالج کے قیام کا پروگرام بنایا گیا۔ چونکہ ماؤنسٹورٹ الفنسٹن اس وقت گورنر بمبئی تھے اس لئے انہیں کے نام پر الفنسٹن کالج کی بنیاد رکھی گئی چونکہ جگناتھ شنکر سیٹھ نے «الفنسٹن فنڈ» قائم کیا تھا اس لئے سوسائٹی نے مشترکہ طور پر انہی کو ٹرسٹی مقرر کیا۔ جگناتھ شنکر سیٹھ نے ہزاروں روپئے اس ٹرسٹ میں دئیے اور دوسروں سے دلوائے۔ اس طرح الفنسٹن کالج تعمیر ہوا۔

جگناتھ شنکر سیٹھ کی اب کلی توجہ اعلیٰ تعلیم کی طرف تھی۔ پہلے گرانٹ میڈیکل کالج بنوایا، پھر لا کالج کی بنیادیں رکھیں۔ ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے

ے حکومت بمبئی نے ان کو «جسٹس آف دی پیس» کے خطاب سے نوازا۔
کے بعد «گرانڈ جوری» کا ممبر مقرر کیا۔ بعدہ کونسل کی رکنیت بخشی۔ جگناتھ
کر سیٹھ جہاں رہے انہوں نے ہمیشہ ملک و ملت کی خدمت کو اپنا فرض سمجھا۔
سنہ ۱۸۲۲ء میں جگناتھ شنکر سیٹھ کے والد کا انتقال ہوا۔ اس وقت ان کی
صرف پندرہ سال کی تھی اور وہ بلا شرکت غیرے بیس لاکھ روپیہ نقد، وسیع
رت اور متعدد بنگلوں کے مالک تھے۔ اپنی کم عمری اور ناتجربہ کاری کے باوجود
ناتھ شنکر سیٹھ نے اس میں اضافہ کیا اور جو عزت و عظمت شنکر سیٹھ ان کے
د کر گئے تھے اس میں اضافہ ہی کرتے رہے۔

دیگر مشاغل کے ساتھ ساتھ وہ «بمبئی تھیٹر» سے بھی دلچسپی لیتے تھے۔ اس
ت یہ تھیٹر صرف انگریزوں کے لئے مخصوص تھا۔ سنہ ۱۸۳۰ع تک اس میں ہندوستانیوں
جانے کی اجازت نہ تھی۔ صرف وہ ہندوستانی جا سکتے تھے۔ جو خاص خاص
موں پر مدعو کئے جاتے تھے، خیال کیا جاتا ہے کہ جگناتھ شنکر سیٹھ پہلی بار
۱۸۲٤ع میں مسٹر اکڈر مارٹ کی دعوت پر بمبئی تھیٹر گئے تھے۔ اسدن گورنر
اپنی بیگم اور صاحبزادیوں کے شریک تھے۔ اراکین دولت (سول اور ملٹری)
شرفاء کثیر تعداد میں تھے۔

اس کے بعد تھیٹر کے ساتھ ان کی دلچسپیاں بڑھتی گئیں اور وہ وقتاً وقتاً
میں جاتے اور اس کی کاروائیوں میں حصہ لیتے رہے یہی نہیں کہ انہوں نے
تھیٹر میں تماشے [1] دیکھے بلکہ تھیٹر کے انتظامی معاملات میں بھی مداخلت
اور ہر قسم سے مجلس منتظمہ کی مدد کی۔

جگناتھ شنکر سیٹھ وقتاً فوقتاً اور مختلف طریقوں سے بمئی تھیٹر اور اس کے
لمین کی امداد کرتے رہتے تھے۔ کبھی غریبوں کی مدد کے ضمن میں کبھی تباہ
آتش زدہ باشندوں کے سلسلہ میں اور کبھی تھیٹر کی تعمیر نو، پوتائی اور درستی
سلسلہ میں۔ لیکن اس تمام خلوص ہمدردی اور امداد کے باوجود انگریز یہ

---

1. Bombastes Furioso, February 23, 1825.
A New Way to Pay Old Debt, July 22, 1825.
The Castle Spectre, May 24, 1826.
Merchant of Venice, June 27, 1827.
The Mayor of Garrot, December 1, 1830.

بالکل پسند نہ کرتے تھے کہ وہ تھیٹر کے اندر قدم بھی رکھیں۔ جگناتھ شنکرسیٹھ کو اس کا بخوبی احساس تھا لیکن وہ اس کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اور ہر ممکن امداد سے فن ڈراما کو ترقی دینے اور مقبول عام بنانے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔

فنون لطیفہ سے قریبی تعلق کی وجہ سے وہ ڈرامہ کی خوبیوں اور برائیوں سے بخوبی واقف ہو گئے تھے۔ ایک موقعہ پر جب کہ چارلس دوم دکھلایا جا رہا تھا توانہوں نے اپنےدل میں ان پر سخت نکتہ چینی کی۔ ان کو یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ مقامی انگریزی اخبارات نے بھی انہی برائیوں اور کمزوریوں کا ذکر کیا ہے اور گن گن کر وہی خرابیاں بیان کی ہیں، جو ان کے پیش نظر تھیں۔ اس سے ان کو اپنی ڈرامائی صلاحیتوں کا احساس ہو گیا۔ دوسرے دن جب بمبئی امیچورس کا ڈائریکٹر ان سے ملنے آیا اور کاروبار میں نقصان کی شکایت کی تو انہوں نے اس کی کافی مدد کی اور وعدہ کیا کہ وہ آئندہ بھی مدد کرتے رہیں گے اور ہدایت کی کہ وہ ریہرسل میں کوتاہی نہ کرے اور پردوں کا خاص خیال رکھے جو کافی پرانے ہو گئے ہیں۔

یورپ کے مختلف لوگوں سے تبادلہ خیال کے باعث جگناتھ شنکر سیٹھ کو انگلستان اور یورپ کے تھیٹروں کے متعلق کافی معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔ ریویو میوزیکل (بحوالہ فارن کوائرلی ریویو موخہ ٦ مارچ سنہ ۱۸۳۰ ع ص ۷۷) کے[1] حوالے سے وہ اپنی یاداشت میں کہتے ہیں۔

« ہر وہ شے جس کا تعلق تفریح سے ہے تباہ کن ہے۔ میں نے یورپ کے تھیٹروں کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ گذشتہ ڈیڑھ سو سال کے اندر جن لوگوں نے اس کاروبار میں ہاتھ ڈالا ان کو نقصان کثیر برداشت کرنا پڑا اور اپنی قسمت پر دیوالیہ پن کی مہر ثبت کرانی پڑی الا منظوم ڈراموں کے اور وہ بھی شاید و باید آج کل جس قدر تھیٹرز جرمنی میں ہیں۔ وہ سب روساء کی امداد کے محتاج ہیں اور وہ تمام تھیٹرز جو اٹلی اور انگلینڈ میں ہیں یا ہمارے ملک خاص کر پیرس میں ہیں وہ سب فیڈن[2] کی طرح تباہ حال ہیں لیکن کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہم کو تھیٹر

1. Revue Musicale (quoted by Foreign Quarterly of March 6, 1830, page.77)
2. Feadean

کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کہنا ہی لغو ہے عوام کے اخلاق کی اصلاح کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم تھیٹروں کو تباہ نہ ہونے دیں» ...

جگناتھ شنکر سیٹھ نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ اگر انگریزی اسٹیج مرہٹی ڈرامے دکھلائے جائیں تو کامیاب ہوں گے یا نہیں؟ دوستوں نے مشورہ کہ وہ اس قومی کام میں مزید تاخیر نہ کریں۔ جگناتھ شنکر سیٹھ کو اپنے دوست کٹر بھاؤ داجی لاڈ کی اولوالعزمی پر بہت بھروسہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جس وقت ، مرہٹی اسٹیج کی تاسیس کا کام وہ ان کے سپرد کرینگے وہ تن من دھن سے اس میں لگ جائیں گے اور بخوبی انجام دینگے۔

لیکن اس کام میں دشواریاں بھی تھیں۔ مرہٹے تعلیم میں بہت پیچھے تھے۔ وہ ئومت کو اورحکومت انہیں مشتبہ نظروں سے دیکھتی تھی۔ اسی زمانہ میں ایک ایسا واقعہ ں آگیا جس سے جگناتھ شنکر سیٹھ کو اپنی مجوزہ اسکیم کئی سال کے لئے ملتوی دینی پڑی۔

سنہ ۱۸۳٤ ع میں بمبے تھیٹر کی مجلس منتظمہ کے واحد ممبر آنریبل مسٹر نیونہم ے فرائض سے سبکدوش ہو کر وطن جانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے حکومت ی سے درخواست کی کہ ان کو تھیٹر کی ذمہ داری سے سبکدوش کیا جائے درخواست کی کہ تھیٹر کو نیلام کر کے اس کا قرض ادا کر دیا جائے۔ حکومت یہ تجویز منظور کرلی۔

آنریبل مسٹر نیون ہم کی خدمات جلیلہ کے پیش نظر بمبئی امیچورس نے گائے نگ[1] نامی تماشا ۱۱ دسمبر سنہ ۱۸۳٤ ع کو دکھلانا منظور کیا۔ یہ تماشا اس اعتبار بہت اہم تھا کہ جملہ سرکاری ونیم سر کاری عہدہ داروں نے شرکت کی۔ امیچورس نے ارچ سنہ ۱۸۳۵ ع کو «اسپیڈ دی پلو» دکھلا کر ہمیشہ کے لئے تھیٹر کو موت کی ں میں سلا دیا۔

نیلام سے قبل مسٹر نیون ہم اور دیگر انگریز دوستوں نے شنکر سیٹھ کو یہ مشورہ کہ وہ تھیٹر کا قرض ادا کر کے اسے اپنے قبضہ میں کر لیں۔ ما بعد سول اور ملٹری ہدہ داروں پر مشتمل ایک کمیٹی تاسیس کر کے اسٹیج کو زندہ رکھیں لیکن جگناتھ ر سیٹھ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا کہ اگر ان کو نصف لاکھ سے زاید رقم خرچ کرنا

1. Guy Mannering
2. Speed the plough.

ہی ہے تو وہ قوم و ملک کی فلاح و بہبود کے لئے کیوں نہ خرچ کریں۔

ان کے انکار کرنے پر تھیٹر نیلام ہو گیا ۳۱۳۳ روپیہ میں پراپرٹی لائبریری سین اور فرنیچر اور ۵۲۰۰۰ میں عمارت مع زمین فروخت ہوئی۔ تھیٹر پر فاربس اینڈ کمپنی کا ۳۲ ہزار روپیہ قرض تھا لیکن ہمدردان تھیٹر کی سفارش پر کمپنی نے ۱۰ ہزار معاف کردئیے۔ ادائیگی قرض کے بعد جو رقم بچی وہ سرکاری خزانہ میں جمع کر دی گئی۔

روپیہ کا خزانہ میں جمع ہونا تھا کہ پبلک میں کھلبلی مچ گئی۔ تجویزیں پیش ہونے لگیں۔ کسی نے اسپتال بنانے کی تجویز پیش کی۔ کسی نے میڈیکل کالج کی سفارش کی۔ کسی نے جنرل لائبریری بنانے کا مشورہ دیا۔ غرضکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔

بعض لوگوں نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ تھیٹر کے روپیہ سے تھیٹر ہی بنایا جائے درجنوں دستخطوں سے ایک طویل مراسلہ شیرف بمبئی کی خدمت میں پیش کیا گیا اور اس سے درخواست کی گئی کہ باشندگان شہر کا ایک جلسہ طلب کیا جائے۔

اس درخواست کے پیش نظر ڈبلو سی بروس شیرف بمبئی نے سہ شنبہ ۲۶ اپریل سنہ ۱۸۳۶ ع کو رائل اشیا ٹک سوسائٹی کی بمبئی برانچ میں بوقت ۱۲ بجے جلسہ طلب کیا گیا۔ طویل بحث مباحثہ کے بعد یہ طے پایا کہ آنریبل ڈائرکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی سے درخواست کی جائے کہ نئے تھیٹر کی تعمیر کے لئے پرانے تھیٹر کا «بقیہ روپیہ» منظور کیا جائے۔

خط و کتابت کا سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ ۲۸ دسمبر سنہ ۱۸۴۱ ع کو سکریٹری حکومت بمبئی مسٹر ڈبلو آر مارس نے جگناتھ شنکر سیٹھ اور دوسرے دستخط کنندگان کو مطلع کیا کہ کورٹ آف ڈائرکٹرز نے ۸۷۰، ۱۸ روپیہ بسلسلہ تعمیر تھیٹر منظور فرما لیا ہے اس رقم سے صرف تھیٹر تعمیر ہو سکتا ہے۔ «بقیہ رقم» کسی دوسرے کام میں صرف نہیں کی جا سکتی مجلس منتظمہ تھیٹر کمپنی کو اپنی تفتیش کے دوران میں پتہ چلا کہ بقیہ رقم حکومت کی منظور شدہ رقم سے زیادہ ہے جگناتھ شنکر سیٹھ نے پھر خط و کتابت شروع کی حکومت نے بالآخر ۱-۱۱-۶۵۱، ۳۴ روپیہ منظور کر لیئے۔

جگناتھ شنکر سیٹھ، نے یہ دیکھ کر کہ اس رقم سے نہ تھیٹر بن سکتا ہے اور نہ زمین ہی خریدی جا سکتی ہے۔ اپنی جائیداد کا ایک قیمتی پلاٹ جو گرانٹ روڈ پر

قع تھا تھیٹریکل کیمٹی کے سپرد کر دیا مجلس نے اسے شکریہ کے ساتھ قبول کیا.
مین کے علاوہ جگناتھ شنکر سیٹھ نے کمیٹی کو مالی امداد بھی دی. چونکہ تھیٹر کی
میر میں نصف سے زیادہ رقم ان کی تھی اس لئے مجلس منتظمہ میں ان کی آواز سنی
اتی تھی.

جگناتھ شنکر سیٹھ کی کوششوں سے اسی تھیٹر میں مرہٹی گجراتی اور اردو تماشے
کھلائے گئے. اردو کا پہلا ڈرامہ "راجہ گوپی چند اور جلندہر ۲۶ نومبر سنہ ۱۸۵۳ ع
. اسی تھیٹر میں دکھلایا گیا سنہ ۱۸۵۳ ع سے ۱۸۵۵ ع تک جو اردو ڈرامے اس تھیٹر
ں دکھلائے گئے ان پر تفصیلی روشنی ڈالی جاچکی ہے [۱]

جب تک اردو ادب زندہ ہے اور تھیٹر اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے جگناتھ شنکر
ٹھ کا یہ غیر فانی کارنامہ ہمیشہ ان کی دریا دلی اور فن ڈرامہ سے ان کی غیر معمولی
لچسپی کو یاد دلاتا رہے گا.

---

[۱] اردو تھیٹر علی گڑھ مارچ سنہ ۱۹۵۵ ع

مقالـــہ نمـا

مرتبین :
ڈاکٹر عالی جعفری، عبد القوی دسنوی، عبد الستار دلوی، علاؤ الدین جینابڑے.

فہرست عنوآنات

مذہبیات

- ابو الاعلیٰ مودودی

یبت کی حقیقت اور اس کے احکام

(مقام رسالت، کراچی، جولائی اگست ۵۹ ع)

غیبت کی حقیقت اور اس کے ملق اسلامی احکام تصریحاً بیان کئے ہیں سمون ترجمان القرآن سے ماخوذ ہے۔

- ابو الاعلیٰ مودودی:

اشارات — مسئلہ قربانی

(ترجمان القرآن ۵۹ ع جولائی ۲ ، ۱۰ ، ۶۳-۶٤)

۱ مسئلہ قربانی کی نوعیت و کیفیت . قربانی کی ضرورت واجبیہ کی وضاحت ی ہے (جاری)۔

- ابوالاعلیٰ مودودی

اشارات — مسئلہ قربانی

(ترجمان القرآن ۵۹ ع اگست ۲ - ۱۷)

۲- (پہلے سے جاری) اس قسط میں سئلہ قربانی کی بحث کو مکمل کیا ہے

- ابوالاعلیٰ مودودی۔

ؔفت کے لئے قریشیت کی شرط، حکمت عمل اور اختیار اہون البلیتین کی تشریح

(ترجمان القرآن ۵۹ ع جولائی ۱-٤ ، ٦-٦١)

حدیث الائمۃ من قریش سے متعلق ریحات درج ہیں۔

- ابوالاعلیٰ [illegible]

گورو نانک اور زکواۃ

(ثقافت لاہور ۵۹ ع ستمبر ٦١ - ٦٤)

دوسرے اصولوں کی طرح گورو نانک نے زکواۃ کے سلسلے میں بھی اسلامی طریقۂ کار کو اپنایا ہے۔

٦ - اختر بدایونی:

شاہان سلف میں اسلامی تاثرات

(عارف، لاہور ستمبر ۵۹ ع)

الپ ارسلان کی اسلامی اسپرٹ کا خاکہ کھینچا ہے

۷ - اسرار احمد سہاروی:

وحدت ادیان

(فاران کراچی ۵۹ جولائی ۳٤-۳۷)

نظریۂ وحدت ادیان کا بطلان کیا ہے۔

۸ - جعفر شاہ:

کیا انکم ٹیکس زکواۃ ہے؟

(ثقافت لاہور ۵۹ ع جولائی ۵۹-٦۵)

ٹیکس کو زکواۃ کا مماثل بتاتے ہوئے اختلافی صورتیں بھی بتائی ہیں۔

۹ - جعفر شاہ:

حروف مقطعات

(ثقافت لاہور ۵۹ ع جولائی ٦۹-۷۲)

کلام پاک کے حروف مقطعات سے متعلق استفسار کا جواب۔

۱۰ ۔ جعفر شاہ

روح اجتماع اور تعاون

(ثقافت لاہور ۵۹ ستمبر ۵۵۔۶۰)

معاشرہ میں روح اجتماع و تعاون کی اہمیت بیان کی ہے ۔

۱۱ ۔ جلال الدین عمری

عورت ـــ اسلامی معاشرے میں

ایک تاریخی استدلال کا جائزہ

(زندگی رام پور ۵۹ ستمبر ۱۵۔۲۴)

اسلام میں عورت کے مقام کو سرسری طور پر بیان کرتے ہوئے حضرت علی اور حضرت عائشہ کی جنگ کی روشنی میں بتایا ہے کہ عورت سیاست میں حصہ نہیں لے سکتی ۔

۱۲ ۔ حامدی ، خلیل

فقہ اسلامی کی انسائکلوپیڈیا

(ترجمان القران ۵۹ ستمبر ۲۵۔۳۸)

شام یونیورسٹی کے شریعت کالج نے فقہ اسلامی کی انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنے کی ایک اسکیم بنائی ہے جس کی ایک نقل مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کے پاس آئی کہ وہ اسے دیکھیں اور ممکن تعاون کریں ۔ اسی اسکیم کا ترجمہ یہاں درج ہے ۔

۱۳ ۔ داؤد غزنوی

مسئلہ قربانی

(مقام رسالت : کراچی، جولائی ۵۹)

کتاب و سنت، تعامل صحابہ اور فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں سمجھایا ہے کہ قربانی کے لئے ضروری ہے کہ قربانی کا جانور ذبح کیا جائے ۔

۱۴ ۔ ڈار ، بشیر احمد

یہودی تصوف

(ثقافت لاہور ۵۹ اگست؛ ستمبر)

تصوف سے متعلق یہودیوں کے نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے ۔ (قسط ۱ ، ۲)

۱۵ ۔ رفیع اللہ، عنایتی

اسلام کا اقتصادی نظام ۔ مولانا آزاد کی نظر میں

(برہان دہلی ۵۹ اگست؛ ۱۰۹۔۱۱۸)

مولانا آزاد کی تحریروں کی روشنی میں ان کے اقتصادی نقطۂ نظر کی صراحت کی ہے جو اشتراکیت سے بہت ملتا جلتا ہے ، اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں ایک روحانی نظم بھی ہے ۔

۱۶ ۔ سیاح الدین کاکاخیل

ذبیحۂ اہل کتاب ۔ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو

(فاران کراچی ۵۹ اگست ۶۔۲۳)

عنوان بالا ایک استفسار اور پھر اسکا جواب ہے جس میں تحقیق کی روشنی میں ذبیحۂ اہل کتاب کو، جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، حرام قرار دیا ہے ۔

۱۷ ۔ شبیر احمد غوری

الفریڈ لیوم کے ورثۂ اسلام پر ایک نظر

(معارف ۵۹ اگست ۹۳۔۱۱۹)

۳ ۔ اس تیسری قسط میں کلام باری

ے سلسلے میں الفریڈ گل لیوم کی تحریز
، خامی ظاہر کر کے به دلائل مسئله
لام باری کی صراحت کی ہے

۱ ـ صدیقی، عبد الحمید

اشارات

(ترجمان القرآن ۵۹ ستمبر ۲ـ۰ و ٦٤)

اشارات کے تحت ہندوستانی مسلمانوں
، تباہی کے جو اسباب انگریزوں نے پیدا
ے تھے ان میں سے مالی و اقتصادی
، مذہبی تباہیوں کا تذکرہ ہے .

۱ ـ صدیقی، عبد الحمید

اسلام اور تجدد

(چراغ راه کراچی ۵۹ ستمبر ۲ـ۱۰)

موجوده دور میں مذہب اسلام کے
سلے میں تجدد کی جو کوشش ہو رہی
، ان کا ہلکا سا جائزہ لینے کے بعد
ین غلط ٹھہرایا اور نفس اسلام کو سمجھایا
. .

ـ صدیقی، نعیم

محسن انسانیت ـــ مخالفت کے طوفانوں
سے گذرتے ہوئے

(ترجمان القرآن ۵۹ اگست ۴۸ـ۵٦)

(جاری) اسلامی تحریک نے رسول اکرم
، واسطے سے دلیل، اپیل اور تنقید کے
گانه عناصر سے کام لیا ـ اس قسط میں
ید کے پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے ،

ـ ضیاء احمد بدایونی

تصوف کا عملی پہلو

(معارف لاہور اگست ۵۹ء)

صوفیاے کرام کے حالات زندگی کے حوالے سے سمجھایا ہے که تصوف اتباع سنت و کسب معاش کے منافی نہیں ہے .

۲۲ ـ ظفیر الدین

اسلام کا نظام امن و امان ـــ قتل خطا اور اس کی روک تھام

(برہان دہلی ۵۹ ستمبر ۱۳۳ـ۱۴۸)

۵۸ء ستمبر سے جاری ـ اس قسط میں قتل خطا اور اس کی روک تھام کا تفصیلی بیان ہے (جاری).

۲۳ ـ عروج قادری، سید احمد

انسان کا اخلاقی وجود ـــ مکارم اخلاق کی تکمیل

(زندگی رام پور ۵۹ ستمبر ۴۱ـ٦۱)

۵ ـ مقاله کی پانچویں قسط ہے .

۲۴ ـ کارلائل تھامس

سید الانبیاء

(ثقافت لاہور ۵۹ ستمبر ۵ـ۴۱)

آں حضرت سے متعلق کارلائل کے مشہور مضمون کا ترجمه درج ہے .

۲۵ ـ محمد تقی امینی

فقه اسلامی کے مآخذ

(معارف ۵۹ ستمبر ۱۸۷ـ۲۰۸)

(اشاعت بابت ماه جون سے مسلسل) فقه اسلامی کا پانچواں مآخذ «استحسان» ہے جس کی تفصیل یہاں درج ہے .

۲٦ ـ محمد تقی امینی

اختلاف فقہاء کے اسباب
(برہان دہلی ۵۹ ستمبر ۱۶۴-۱۷۰)

فقہا کے اختلافات بڑی حد تک دو اسباب پر مبنی ہیں. (۱) صحابہ و تابعین کا اختلاف اور (۲) حالات و تقاضے کا اختلاف۔ ہر دو کی تفصیل مقالہ میں درج ہے،

۲۷ ۔ مصطفیٰ سباعی
۔ ترجمہ : عبد الغفار حسن
افراد کی اصلاح میں قوموں کی ترقی کا سبب ہے
(فارف لاہور ۵۹ اگست)

افراد کی اصلاح میں قوموں کی ترقی کا سبب ہے اور ایسی اصلاح کا مرکز مسجد ہونا چاہئے،

۲۸ ۔ ملا. واحدی
نماز
(فاران کراچی ۵۹ اگست ۴۱-۴۵)

ملا واحدی دہلوی کی زیر ترتیب کتاب «حیات سرور کائنات» حصۂ سوم کا ایک مضمون ہے جس میں نماز کی کیفیت وضاحت سے بیان کی ہے۔

۲۹ ۔ ملا، واحدی
زکواۃ
(فاران کراچی ۵۹ ستمبر ۷-۱۳)

ملا واحدی کی زیر ترتیب کتاب «حیات سرور کائنات» حصۂ سوم کا ایک مضمون ہے ۔

۳۰ ۔ میر ولی الدین
مدارج سلوک
(معارف ۵۹ جولائی ۳۷-۵۳)

اشاعت بابت اپریل سے مسلسل۔ اس مرتبہ وضو اور نماز کا ذکر ہے۔

۳۱ ۔ میر ولی الدین
مدارج سلوک
(معارف ۵۹ اگست ۱۲۶-۱۴۳)

۲ ۔ اس دوسری قسط میں خواجہ عزیزاں علی رامتنی کے رسالہ «رسائل متعہ ضروریہ» کی روشنی میں تزکیۂ نفس و تصفیہ قلب سے متعلق دس شرطوں کو بیان کیا ہے۔

۳۲ ۔ ندوی. مجیب اللہ
الثقافة الاسلامیه فی الهند
(معارف ۵۹ جولائی ۶۹-۷۸)

مولانا عبدالحق سابق ناظم ندوۃ العلما کی عربی کتاب (ہندوستان میں اسلامی ثقافت) جو کوئی چالیس پچاس برس کے بعد شائع ہوئی ہے۔ اس کا تعارف اور پھر اس پر تبصرہ کیا ہے۔

۳۳ ۔ ندوی، مجیب اللہ
اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات
(زندگی رام پور ۵۹ ستمبر ۲۵-۴۰)

۳ ۔ مقالہ کی تیسری قسط ہے۔

۳۴ ۔ ندوی، محمد حنیف
روایت و درایت کے قرآنی پیمانے
(ثقافت لاہور ۵۹ اگست ۵۴-۵۶)

۲ ۔ قرآن کی روشنی میں روایت و

رایت کی بحث کی یہ دوسری قسط ہے۔
۳ ـ نذیر الحق
رمان رسول ـ دین خیر خواہی، سچائی
اور خلوص کو کہتے ہیں
(فیض الاسلام ۵۹ جولائی ۳۳)
اس حدیث پاک کی صراحت کرتے
ئے توحیـــد و رسالت کی حقیقت کی
ضاحت کی ہے (جاری)
ـ نذیر الحق
رمان رسول ـ دین خیر خواہی. سچائی
اور خلوص کو کہتے ہیں
(فیض الاسلام ۵۹ اگست ۲۱ـ۲٤ و ۵٦)
(پہلے سے جاری) اس قسط میں بھی
حید و رسالت کی حقیقت واضح کی ہے۔
ـ نذیر الحق
مان رسول ـ دین، خیر خواہی، سچائی
اور خلوص کو کہتے ہیں
(فیض الاسلام ۵۹ ستمبر ۱۷ـ۲۰)
اس قسط میں بتایا ہے کہ مسلمان
کموں کے لئے نصیحت کا کیا مفہوم
؟
ـ نعمانی، محمد منظور
غیر اسلامی حکومت کی شرکت اور
زمت ـ ایک سوال اور اس کا جواب
(الفرقان لکھنؤ ۵۹ اگست ٤۰ـ٤۵)

اسلامی تعلیمات و اصول کے سلامت رہتے ہوئے غیر اسلامی حکومت کی شرکت اور ملازمت جائز ہے۔
۳۹ ـ وحید الدین خاں
خدا کا دین کن لوگوں کے ہاتھوں غالب ہوتا ہے
(زندگی رام پور ۵۹ جولائی ۹ـ۱۲)
سورۂ فتح کی آخری دو آیتوں کی تفسیر بیان کی ہے۔
٤۰ ـ وحید الدین خاں
قرآن کا مطالعہ ـ اہل ایمان کی صحیح حالت اور غلط حالت
(زندگی رام پور ۵۹ اگست ۹ـ۱٦)
سورۂ مائدہ کی آیات ۱۲ تا ۱٤ کی روشنی میں قرآن کے مطالعہ کے سلسلے میں اہل ایمان کی صحیح حالت اور غلط حالت کا جائزہ پیش کیا ہے۔
٤۱ ـ وحید الدین خاں
داعی کا پیغام اور اس کا کردار
(زندگی رام پور ۵۹ ستمبر ۹ـ۱٤)
قرآن کا مطالعہ کی یہ دسویں قسط ہے۔ اس میں سورۂ مدثر کی ابتدائی ۹ آیتوں کی روشنی میں داعی کے پیغام اور کردار پر روشنی ڈالی ہے۔

تذکرہ و سیرت نگاری

ـ امامی، محمد امام ... علامہ برجموہن دتا تریہ کیفی

(قومی زبان جولائی ۵۹ء)

پنڈت کیفی سے متعلق چند یادیں بیان کی ہیں۔ قسط ۲

۴۳ ۔ بیدار، عابد رضا

مولانا ازاد کی مستند سوانحعمری کا خاکہ

(برہان دہلی ۵۹ء جولائی)

مختلف حوالوں اور حاشیوں کی روشنی میں مولانا آزاد کی مستند سوانح عمری کا خاکہ مرتب کیا ہے۔

٤٤ ۔ حشمت وفا

حضرت رکن عالم نوری رحمة الله علیه

(عارف، لاہور: اگست ۵۹ء)

ملتان میں حضرت رکن عالم نوری کے مقبرہ کی عمارت، اس کی وجہ تعمیر اور پس منظر کے ساتھ حضرت شیخ کے علمی مرتبے اور ان کے دنیاوی جاہ و جلال کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

٤٥ ۔ رشید احمد

شاہ ولی اللہ کے سیاسی افکار

(ثقافت لاہور ۵۹ جولائی ۱۹ ۳۰)

شاہ ولی اللہ کے سیاسی افکار کی دوسری قسط ہے جو عمال حکومت، شوری، معاشیات کامل معاشرہ اور خلیفہ وغیرہ کی ذیلی سرخیوں کے تحت درج ہے۔

٤٦ ۔ رشید احمد

سرسید کے سیاسی افکار

(ثقافت لاہور ۵۹ اگست ۷۔۳۳)

سر سید کے سیاسی افکار کو ضروری امور کے تذکرہ کے ساتھ بالتفصیل بیان کیا ہے۔

٤٧ ۔ رشید احمد

ابن طقطقی کے سیاسی افکار

(ثقافت لاہور ۵۹ ستمبر ۱۰۔ ۳۷)

مشہور کتاب «الفخری» کے مصنف صفی الدین بن علی بن طبا طبا المعروف به ابن طقطقی کے سیاسی افکار تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

٤٨ ۔ سعید احمد:

(وفات) مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی

(برہان دہلی ٤٩ جولائی ۲۔ ۳)

مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے ۲٤ جون کو بمبئی میں انتقال فرمایا۔ انہیں کی وفات پر ان کے عملی صحافی اوصاف وغیرہ بیان کرتے ہوئے اظہار افسوس کیا ہے۔

٤٩ ۔ شفقت رضوی:

مولوی فیض آباد

(جنگ ازادی کا ایک بھولاہوا سپاہی)

(اج کل جولائی ۵۹ ، ۲۷۔۳٤)

جنگ آزادی کے سپاہی مولوی احمداللہ شاہ کے تفصیلی حالات پیش کئے ہیں۔

۵۰ ۔ شوق امرتسری:

علمائے امرتسر — مفتی عبدالصمدامرتسری

(فیض الاسلام ۵۹ اگست ۲۰۔ ۲۷)

امرتسر کے ایک عالم عبدالصمد کے اوصاف بیان کئے ہیں۔

۵ ۔ صابر مٹھیالوی:

حضرت عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ

(عارف لاہور، ستمبر ۵۹)

حضرت عثمان حیری کے مختصر حالات

ندگی درج کئے ہیں۔

۵ ۔ عبدالحق، مولوی:

میر محفوظ علی بدایونی

(قومی زبان جولائی اگست ۵۹۔ ۴۔ ۵)

میر محفوظ علی بدایونی سے متعلق

ے تاثرات پیش کئے ہیں۔

۰ ۔ عبدالحلیم چشتی:

امام حسن بن محمدالصغانی لاہوری

(معارف ۵۹ جولائی اگست ستمبر)

امام صغانی کے حالات اور ان کے

می کارناموں کا تذکرہ قسط۶، ۷ ۔۸

۔ عبدالوسع ضیا جالوی

قاضی محب اللہ بہاری

(اشارہ پٹنہ ۵۹ء)

قاضی محب اللہ کے علم و فضل معقولیت

فلسفہ دانی کے سب معترف ہیں

ے حالات زندگی اور تصنیفات کا مختصر

زہ لیا گیا ہے۔

۔ فاطمہ بیگم:

مولانا آزاد کا بچپن

(آج کل ستمبر ۵۹۔ ۱۴۔ ۱۵)

مولانا آزاد کے بچپن سے متعلق اظہار

ال کیا ہے۔

۔ فریدی نسیم احمد

ارشادات مجدد الف ثانی مکتوبات کے پیرائے

میں ۔ تلخیص و ترجمہ

(الفرقان لکھنو ۵۹ ستمبر ۶۔ ۲)

مجدد الف ثانی کے ۱۹(۲۳۔۴۱)

خطوط مع ترجمہ مختلف امرا کے نام

درج ہیں ان میں احسان وتصوف تعمیر

باطن اور امت مسلمہ کی عام بہبودی

اور ملت بیضا کی سرسبزی سے متعلق

ضروری مواد جمع ہے۔ مکتوب الیہم کے

حالات بھی حاشیہ میں درج ہیں۔

۵۷ ۔ کبیر احمد جائسی:

مولانا عبدالسلام ندوی

(نگار اگست ستمبر ۵۹ء)

مولانا عبدالسلام ندوی پر اپنا ذاتی

مطالعہ اور تاثرات بیان کئے۔ (۱۔ ۳)

۵۸۔ مائل ملیح آبادی:

مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی:

(فروغ اردو لکھنو اگست ۵۹ء)

مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی

پرائیویٹ زندگی کے بارے میں چند باتیں

لکھی ہیں۔

۵۹ ۔ محمد شفیع، ڈاکٹر:

لطف اللہ مہندس بن نادرالعصر استاد احمد

(اورینٹل کالج میگزین لاہور)

زیر بحث مضمون میں لطف اللہ مہندس

کے تصنیف کردہ چند رسالوں کا ذکر ہے۔

۶۰ ۔ محمد موسیٰ، حکیم:

علمائے امرتسر ۔ مولانا مفتی عبدالرحمٰن

(البعث الاسلام ۵۹ ستمبر ۲۱-۲۵)

امرتسر کے ایک بلند پایا عالم مفتی عبدالرحمٰن کے سوانح و اوصاف بیان کئے ہیں. (جاری)

۶۱ - محمود الحسن:

شیخ کی یاد میں

(تعمیر انسانیت؛ لاہور؛ جولائی ۵۹ء)

مولانا حسین احمد مدنی پر اپنے ذاتی تاثرات قلمبند کئے ہیں.

۶۲ - ندوی، محمد حنیف:

غزالی کا نظریۂ تعلیل

(ثقافت ۵۹ء جولائی ۱۱-۱۸)

غزالی کے نظریۂ تعلیل کی کیفیت بیان کرنے کے ساتھ اس پر تنقید کی ہے.

۶۳ - ندوی، معین الدین احمد:

عبدالرزاق ملیح آبادی و عبدالوہاب عزام مصری

(معارف ۵۹ء جولائی ۲-۵)

مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اور عبدالوہاب عزام مصری کے انتقال پر اظہار افسوس کرتے ہوئے دونوں کے اوصاف کو بیان کیا ہے.

۶۴ - ندوی، معین الدین احمد:

مفتی عبدالقادر فرنگی محلی

(معارف ۵۹ ستمبر ۱۶۲-۱۶۴)

فرنگی محلی علماء کے سلسلے کی آخری کڑی مولانا عبدالقادر فرنگی محلی کے انتقال پر اظہار افسوس اور ان کے اوصاف کا تذکرہ کیا ہے.

۶۵ - وحید قریشی، ڈاکٹر

قاضی سراج الدین

(اردو؛ کراچی جولائی ۵۹ء)

سر سید کے ایک رفیق کار، قاضی سراج الدین احمد کے سوانح حیات درج ہیں.

تاریخ و سیاسیات

۶۶ - ابولقاسم دلاوری:

خلیفۂ راشد عمر بن عبد العزیز رح

(تعمیر انسانیت، لاہور، جولائی ۵۹ء)

عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت پر تبصرہ کیا ہے.

۶۷ - احمد ایم. اے.

«یوسف عادل شاہ»

(تعمیر انسانیت لاہور جولائی ۵۹)

یوسف عادل شاہ کی سیرت اور مکند راو کی بہن جاپا کا اس پر عاشق ہونا ڈرامائی انداز میں بیان کیا ہے.

۶۸ - احمد، ایم. اے.

اورنگ زیب عالمگیر کی رواداری

(نقام رسالہ، کراچی جولائی ۵۹ء)

مورخین کے حوالوں سے بتایا ہے کہ اورنگ زیب مذہبی تعصب کو سلطنت کیلئے مضر سمجھتا تھا.

۶۹ - برہم ناتھ دت قاصر

سکندر اعظم

(فیض الاسلام ۵۹ء اگست ۲۳-۴۲)

یونان کے مشہور بادشاہ سکندر کی عظمت کی نشاندہی کی ہے۔

۸- خورشید احمد، فارق

تاریخ الردة

(برہان دہلی ۵۹ جولائی: اگست- ستمبر)

تاریخ الردة کا خلاصہ (قسط ۴، ۵، ۶)

۷- رحیم بخش، شاہین

ترقی علوم و فنون میں مسلمانوں کا حصہ

(فیض الاسلام ۵۹ اگست ۴۳-۵۰)

دنیا کے مختلف علوم و فنون میں مسلمانوں نے جو حصہ لیا ہے اس کو مختصراً بیان کیا ہے۔

۷- رزاقی، شاہد حسین

معاشی جمہوریت کا ارتقاء

(ثقافت لاہور ۵۹ اگست ۶۴-۶۹)

اسلام سب سے پہلی انقلابی تحریک تھی جس نے نہ صرف سیاسی جمہوریت کو ترقی یافتہ شکل میں پیش کیا بلکہ معاشرتی جمہوریت بھی مکمل طور پر قائم کر دی اور اپنی تعلیمات میں معاشی انصاف کو بنیادی اہمیت دے کر اقتصادی جمہوریت کی راہ ہموار کر دی۔

۷- سید عبد اللہ، ڈاکٹر

پاکستانی معاشرہ کی اسلامی اساس

(ثقافت لاہور ۵۹ جولائی ۵۱-۵۸)

اس مقالہ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ پاکستان میں اسلامی رنگ کسطرح پیدا کیا جائے۔

۷۴- شبیر احمد، غوری

یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ

(برہان دہلی ۵۹ جولائی اگست)

مستشرقین نے مسلمانوں کی علمی ترقی کو شامی عیسائیوں کا مرہون منت قرار دیا ہے جو غلط ہے۔ مسلمان مورخین نے جہاں تہاں جو معلومات فراہم کی ہیں وہ اس کی تکذیب کرتی ہیں۔ مقالہ نگار نے حوالوں کے ساتھ بصراحت اسے بیان کیا ہے (قسط ۱، ۲)

۶۵- صدیقی، عبد الحمید

مذہب کی آڑ میں استعماریت

(ترجمان القرآن ۵۹ اگست ۲۷-۴۷ و ۶۴)

ڈاکٹر مصطفیٰ خالدی اور ڈاکٹر عمر فروخ کی تصنیف «التبشیر والاستعمار» کا خلاصہ، جس میں دکھایا گیا ہے کہ مذہب کی آڑ میں انگریزوں نے استعماریت کی طرح کیوں کر ڈالی۔

۷۶- غلام نبی، ناگرو

کشمیر کی معاشرت

(دانش رام پور ۵۹ ستمبر ۸-۱۳ء)

کشمیر کی معاشرت پر سماجی، سیاسی اور لسانی حیثیت سے بحث کی گئی ہے۔

۷۷- مظہر، عزیز

ہماری معاشرت پر قحبہ خانوں کے قبیح اثرات

(آجکل ۵۹ ستمبر ۲۷ ۴۲)

قحبہ خانوں نے ہماری معاشرت پر جو قبیح اثرات ڈالے ہیں اس پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ انقحبہ خانوں نے اردو شاعری پر کیا اثرات پیدا کئے ہیں۔

۷۸ ـ معصومی، ابو محفوظ الکریم

سند و ہند کا ایک علمی و ثقافتی تذکرہ

(برہان دہلی ۵۹ جولائی، اگست، ستمبر)

مولانا اطہر مبارکپوری کی عربی کتاب «رجال السند والہند الی القرن السابع» کی خوبیوں اور خامیوں کی طرف اشارے کئے ہیں (قسط ۱، ۲، ۳)

۷۹ ـ منظور الحسن، برکاتی

ٹونک کے دو قدیم کتب خانے

(معارف ۵۹ اگست ۱۲۰ـ۱۳۵)

نواب وزیر محمد خاں اور نواب محمد علی خاں کے کتب خانوں کا تعارف درج ہے۔ اول الذکر کو مرکزی حکومت نے خرید لیا اور ثانی الذکر پبلک لائبریری کی صورت میں ٹونک میں اب بھی موجود ہے۔

۸۰ ـ ندوی، ابو اللیث

اشارات ـ کانگریس اور مسلم لیگ کا اتحاد

(زندگی رام پور ۵۹ اگست)

کیرالا کی کمیونسٹ حکومت کی معزولی کے بعد لیگ اور کانگریس کے اتحاد پر تبصرہ کیا ہے۔

۸۱ ـ وحید الدین خاں

اشارات ـ کیرالا میں کمیونسٹ حکومت کی معزولی

(زندگی رام پور ۵۹ ستمبر ۲ـ۸)

کیرالا میں کمیونسٹ حکومت کے دور میں عام احتجاج اور پھر اس حکومت کی معزولی پر تبصرہ کیا ہے۔

۸۲ ـ ہاشمی، ضیاء الحسن

جمہوریت ـ اور مصر کا انقلاب

(چراغ راہ کراچی ۵۹ ستمبر ۱۱ـ۱۶)

موجودہ مصری حکومت کا ایک تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ یہ مقالہ (غالباً انگریزی سے) ترجمہ شدہ ہے۔

تنقید، ادب، لسانیات

۸۳ ـ ا. د. نسیم

خواجہ میر درد کے کلام میں

نظام تصوف کی تلاش

(اورینٹل کالج میگزین ۵۹ مئی ۲۰ـ۸۸)

تصوف کے نکات واضح کرتے ہوئے مقالہ نگار نے خواجہ میر درد کے کلام سے جا بجا مثالیں دی ہیں۔

۸۴ ـ احتشام حسین

ادبی تاریخ

(نیا دور لکھنؤ ۵۹ اگست)

ادبی تاریخ کی اہمیت اور خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ

.بی مؤرخ حقائق کی بنیاد پر ادب کی
سی تاریخ پیش کرسکتے ہیں جس کے
ریعہ ادب کے ظاہر اور باطن کو جانا
اسکتا ہے اور قومی تہذیب کے ارتقا
ے بھی آگاہ ہوا جاسکتا ہے۔

۸ ۔ احتشام حسین (مترجمۂ ابوذر عثمانی)

اردو ادب غالب کے عہد تک

(شاعر بمبئی ۵۹ جون)

ابتداء سے لے کر غالب کے عہد تک
ردو ادب کی ترقی کا سرسری جائزہ لیا
ہے۔

۸ ۔ احراز الحسن

اردو کا پہلا صحافی

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۹ جولائی)

مولوی اکرم علی اردو کے پہلے صحافی
ہے اور ہندوستانی اخبار اردو کا پہلا اخبار
جو یکم جنوری سنہ ۱۸۱۰ء کو کلکتہ
سے جاری ہوا۔

۸ ۔ احمد حسین، احمر رفاعی

جگر کی شاعری کا واقعاتی پس منظر

(اردو کراچی ۵۹ جولائی)

جگر کی شاعری کے واقعاتی پس منظر
کا تجزیہ کیا ہے۔

۸ ۔ اختر اورینوی

فلسفۂ زبان و اقوام

(آثارہ؛ پٹنہ ۵۹ ستمبر)

یہ مضمون اختر صاحب کی کتاب "زبان
و ادب کا ارتقا" میں بطور مقدمہ شامل
ہے لیکن اختصار کے ساتھ یہاں مکمل
مضمون شائع کیا گیا ہے۔

۸۹ ۔ اسلوب احمد انصاری

حالی اذبی مجدد کی حیثیت سے

(سوغات بنگلور؛ دوسرا شمارہ ۵۹)

حالی نے ادبی مجدد کی حیثیت سے نظم
و نثر دونوں میں تجدید کی روح پھونکی
اور نئے ادبی شعور کا آغاز کیا۔

۹۰ ۔ امداد صابری

تلامذۂ میر تقی میر

(شاہراہ ۵۹ اگست)

یہ مضمون گذشتہ سے پیوستہ ہے اس
حصے میں راسخ عظیم آبادی، ضیا دہلوی،
طالب، عالی، عرش وغیرہ پر روشنی ڈالی
گئی ہے۔

۹۱ ۔ امداد صابری

تلامذۂ میر تقی میر

(شاہراہ دہلی ۵۹ ستمبر)

تیسری قسط ۔ مضمون کے اس حصہ
میں غیور، فیض، لطف، محسن، مجنون،
مرزا، مشتاق، مظفر، مظلوم، نثار، نزار،
وحشت، یار وغیرہ تلامذہ میر کا تعارف
کرایا گیا ہے۔

۹۲ ۔ امیر حسن عابدی

شہریار

(شاعر، پٹنہ ۵۹ جولائی)

موجودہ ایران کا سب سے بڑا فرانکو
شاعر شہریار کا تعارف اور اس کے کلام

پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔

۹۳ ـ بشیشر پرشاد، منور لکھنوی

سنسکرت کا عظیم ڈراما نگار ـ بھوبھوتی

(نیا دور لکھنؤ ۵۹ اگست)

بھوبھوتی سنسکرت زبان کا بلند پایہ تمثیل نگار شمار ہوتا ہے۔ اس کی زندگی کے حالات بتاتے ہوئے اس کی ڈرامہ نگاری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۹٤ ـ تصدق حسین

دربار واجدی کے نامور شاعر

(نیا دور لکھنؤ ۵۹ اگست)

واجد علی شاہ کے دور میں نازک خیال شعرا کی بڑی تعداد تھی بادشاہ خود بھی شاعر تھا۔ ان شعراء میں برق، قلق، قبول اور اسیر کافی شہرت یافتہ تھے یہاں ان شعرا کے حالات پر سرسری روشنی ڈالی گئی ہے۔

۹۵ ـ جرمانوس، عبد الکریم

ندوی، محمود الحسن

جدید عربی ادب کے چند پہلو

(معارف ۵۹ ستمبر ۱۲۹ـ۱۳٤)

موجودہ دور کے عربی ادب کا ایک جائزہ مع اقتباس واردو ترجمہ کے درج ہے۔

۹٦ ـ جعفر طالب سید

مہر غلام بھیک نیرنگ اور ان کی شاعری

(قومی زبان ۵۹ جولائی ۱۱۲ـ۱۱۷)

مہر غلام بھیک نیرنگ کی شخصیت اور شاعری پر اظہار خیال کیا ہے۔

۹۷ ـ جعفر طاہر سید

میرا جی

(قومی زبان ۵۹ جولائی و اگست ۱ـ۱۸ و ۱۹)

میرا جی کی شخصیت اور فن پر اپنے ذاتی تاثرات پیش کئے ہیں۔

۹۸ ـ جعفر طاہر سید

وحید الدین سلیم کی شاعری

(قومی زبان ۵۹ اگست و ستمبر ۱ـ۱۸)

وحید الدین سلیم کی شاعری پر اظہار خیال کیا ہے۔

۹۹ ـ جمیل احمد

اُردو مختصر افسانہ پر یورپ کے اثرات

(جام نو کراچی ۵۹ اگست)

اُردو کے مختصر افسانہ نویسی کے مختلف ادوار کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے یورپ کے اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۰۰ ـ جمیل جالبی

پیسٹرنک بحیثیت شاعر

(سوغات بنگلور دوسرا شمارہ ۱۱۵)

روسی شاعر پیسٹرنک کی شاعری پر مختصراً اظہار خیال کیا ہے۔

۱۰۱ ـ حامد چھپروی

مثنویات شوق پر ایک نظر

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۹ اگست)

شوق نے صرف تین مثنویاں لکھی ہیں جن میں اپنے عہد کے لکھنؤ کی معاشرت کا عریاں نقشہ کھینچا ہے۔

۱ - خواجہ تہور حسین
حالی کا اسلوب
(قومی زبان ۵۹ جولائی، اگست ۹-۱۲)
اردو کے بیشتر نقاد حالی کے اسلوب
سادہ اور اکتا دینے والا کہتے ہیں۔
مون نگار نے حالی کو صاحب اسلوب
حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی
۔

۱ - دیوندراسر
ادب میں سمبالسٹ تحریک
(نیا دور ۵۹ جولائی)
سمبالزم کیا ہے اور اس کی ابتداء کب
ی بتاتے ہوئے اردو میں سمبالسٹ شاعری
جائزہ لیا گیا ہے۔
۱ - ذکی الحق
کاظم علی جواں
(اشارہ؛ پٹنہ ۵۹ ستمبر)
کاظم علی جواں کے حالات زندگی اور
نیفات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی
نیف «بارہ ماسہ» (مطبوعــــہ) جسے
مون نگار نے سنہ ۱۹۵۶ء میں حاصل
ہے پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اسکے
د حصے بطور نمونہ پیش کئے گئے
۔

۱ - راز یزدانی
میر تقی کی بوستان خیال
[نگار ۵۹ اگست ۳۷-۴۲]
رضا لائبریری میں بوستان خیال کے جو
مخطوطے ہیں ان کے پیش نظر بوستان خیال
پر اظہار خیال کیا گیا ہے (باقی)

۱۰۶ - راز یزدانی
داستان حمزہ
[نگار ۵۹ ستمبر ۲۵-۴۰]
داستان حمزہ پر محققانہ انداز میں روشنی
ڈالی ہے۔

۱۰۷ - رفیع اللہ خاں عنایتی
ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا نظریہ ادب
[شاہراہ دہلی ۵۹ ستمبر]
ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصر کے مشہور
ادیبوں میں سے ہیں۔ عربی ادیبوں میں
انہوں نے میر کارواں کی حیثیت حاصل کرلی
ہے انہوں نے مصر کے مدارس کے طریقۂ
تعلیم پر سختی سے تنقید کی ہے۔ اس
مضمون میں ان کی تصنیف ادب الجاہلی کو
پیش نظر رکھ کر ان کے نظریہ ادب پر
روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۰۸ - رفیعہ سلطانہ
ظفر اور ان کی شاعری
[صبا حیدر آباد دکن ۵۹ جولائی و اگست]
ظفر کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے
بتایا گیا ہے کہ ان کی شاعری میں غم جاناں
کی کسک کے ساتھ غم دوراں کی ٹیس
بھی ملتی ہے ظفر، میر کی طرح غم ذات
اور غم کائنات دونوں کے شکار تھے۔

۱۰۹ - سجاد حسین
ترجمہ: محمد نہال یوارشد خاں

بنگلہ تنقید
[ماہ نو کراچی ۵۹ جولائی ۱۲-۱۳]
عالم اور نقاد کا فرق سمجھاتے ہوئے جدید بنگلہ ادب کی تخلیقات اور تنقید نگاری کا خاکہ پیش کیا ہے۔

۱۱۰ ۔ سجاد ظہیر

اردو کا حال اور مستقبل
[صبا حیدرآباد دکن ۵۹ جولائی و اگست]
اردو ادب کی موجودہ حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے حکومت کی اس طرف سے سرد مہری پر افسوس کیا گیا ہے اور آئندہ کے لئے امید افزا خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔

۱۱۱ ۔ سخاوت مرزا

سید شاہ عبدالقادر فی الحال قادری کرنولی
(اردو، کراچی: جولائی ۵۹)
کرنول (آندھرا) کے ایک دکھنی شاعر پر ایک مقالہ۔

۱۱۲ ۔ سلام سندیلوی

رباعی کا فن
(آج کل جولائی ۵۹۔ ۳۔۸)
رباعی ایک مشکل صنف سخن ہے۔ مضمون نگار نے رباعی کے فن پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

۱۱۳ ۔ سلیم خاں گمی

بلوچی لوک گیت
(ماہ نو کراچی ۵۹ جولائی ۴۹۔ ۵۵)
اس مضمون میں سر زمین بلوچ کے رنگارنگ گیتوں کو منظوم ترجمہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔

۱۱۴ ۔ سیدہ جعفر

اردو میں ہیئت کے تجربے
(صبا حیدرآباد جولائی اگست ۵۹)
اردو نظم نگاری میں ابتدا سے لیکر آج تک ہیئت کے جو کچھ تجربے ہوئے ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۱۱۵ ۔ شائستہ سہروردی

«قطرے سے گہر ہونے تک»
(آج کل ستمبر ۵۹۔ ۱۶۔ ۱۹)
صالحہ عابد حسین کے ناول، قطرے سے گہر ہونے تک پر تبصرہ پیش کیا ہے۔

۱۱۶ ۔ شبل بی۔ کام۔

خیام کی صحیح تاریخ ولادت
(نگار اگست ۵۹۔ ۱۷۔ ۸۱)
زائچہ فلکی کے لحاظ سے خیام کی صحیح تاریخ ولادت پیش کی ہے۔

۱۱۷ ۔ شبیر علی کاظمی

زبانِ زنانِ دلی
(اردو، کراچی، جولائی ۵۹)
زنان دلی کے روزمرہ و محاورات کو مختلف رسالوں اور کتابوں خاص کر راشد الخیری کی کتابوں سے جمع کر کے ان کے مطلب اور محل استعمال کی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

۱۱۸ ۔ شجاعت علی سندیلوی

انشائے شبلی
(فروغ اردو لکھنو ستمبر ۵۹)
مولانا شبلی کی انشا پردازی پر سرسری
..ره کیا ہے۔

۱ ـ شجاعت علی سندیلوی
حالی کی سیاسی شاعری
(نیا دور لکھنو ستمبر ۵۹ء)
حالی اردو کے پہلے شاعر تھے جن
شاعری میں سیاسی رنگ ملتا ہے ان
شاعری کے ذریعہ ان کے سیاسی
..حالات کو پیش کرنے کی کوشش کی
.. ہے۔

۱ ـ شکیب شفیق
اردو میں بلینک ورس
(ادب لطیف لاہور ۵۹ء اگست ۵ ـ ۸
مغربی ادب میں بلینک ورس کا جائزہ
.. ہوئے۔ مصنف نے اردو کے اس ادب
جائزہ پیش کیا ہے جو بلینک ورس
مشتمل ہے۔

۱ ـ شمس تبریز خان
مزاحیہ ادب
(فروغ اردو لکھنو ستمبر ۵۹ء)
اودھ پنچ، پطرس اور مرزا فرحت اللہ
بیگ کی تحریروں سے چند اقتباسات
.. ہیں اور ابتدائی تحریر پر سرسری
..صرہ کیا ہے۔

۱۲ شوکت سبزواری
..حقیق نحو

(مہر نیمروز کراچی جولائی ۵۹ء ۲۲ ـ ۲۷)
عبدالودود کے مضمون عبدالحق بحیثیت
محقق پر ناقدانہ تبصرہ پیش کیا ہے
(باقی)

۱۲۳ ـ شہید اللہ
اردو میں بے جان اسماء کی تذکیر و تانیث
(اردو کراچی، جولائی ۵۹ء)
نہایت اختصار کے ساتھ بتایا ہے کہ
لسانیات کی روشنی میں الفاظ کے ماخذ
پر غور کرنے سے ہم اردو میں غیر جاندار
اسماء کی تذکیر و تانیث کی کیفیت کس
طرح معلوم کر سکتے ہیں

۱۲۴ ـ شہید اللہ
اردو اور دوسری زبانوں کا اردو املا میں
صحیح تلفظ
(قومی زبان اگست ستمبر ۵۹ء، صفحہ ۹)
اردو اور دوسری زبانوں کے اردو میں
صحیح تلفظ کے سلسلے میں چند مشورے
دئے ہیں۔

۱۲۵ ـ صدیقی محمد عتیق:
گل کرائسٹ اور اس کی تصانیف
نئے ماخذ کی روشنی میں
(آج کل ستمبر ۵۹ء ۴ ـ ۶)
نئے ماخذ کی روشنی میں ڈاکٹر گل کرائسٹ
کی شخصیت اور تصانیف پر اظہار
خیال کیا ہے۔

۱۲۶ ـ صفدر آہ
اردو ہجا کی اصلاح کا ایک منصوبہ

(نوای ادب، بمبئی جولائی ۵۹ء)

ڈاکٹر صفدر آہ نے اردو ہجا کی اصلاح کا ایک منصوبہ پیش کیا ہے۔

۱۲۷ ۔ ضمیر بدایونی

آزاد کے ادب کا انانیتی عنصر

(نگار ستمبر ۵۹ء ۱۲۔ ۱۹)

آزاد کے ادب میں جوانانیتی عنصرملتا ہے اسے پیش کیا ہے۔

۱۲۸ ۔ ظہیر احمد صدیقی

بدایوں کی ادبی شخصیتیں

[فروغ اردو لکھنو جولائی اگست، ستمبر]

مذکورہ مضمون کی پانچویں، چھٹی اور ساتویں قسط۔

۱۲۹ ۔ عابد رضا بیدار

«اخبار سین ٹیفک سوسئٹی، علی گڈھ»

[نوای ادب بمبئی: جولائی ۵۹ء]

علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، کی پہلی چار جلدوں کے مختلف شماروں کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

۱۳۰ ۔ عبدالحق

اردو لغات کا تذکرہ

[نگار ستمبر ۵۹ء ۶۔ ۱۲]

اردو میں لغت نویسی کی تاریخ پر اپنے خیالات پیش کئے ہیں۔

۱۳۱ ۔ عبدالحق

مغربی پاکستان اردو کانفرنس ۱۹۵۹ء کا خطبۂ صدارت

[نقش الاسلام ۵۹ء ستمبر ۲۳۔ ۴۰]

فروری ۱۹۵۹ء میں اورینٹل کالج لاہور کی مغربی پاکستان اردو کانفرنس کے اس خطبۂ صدارت میں مولوی صاحب نے اردو کی اہمیت اور ذریعۂ تعلیم بننے کی صلاحیت پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۳۲ ۔ عبدالرزاق قریشی

اردو کی تمثیلی شاعری

[نوای ادب بمبئی جولائی ۵۹ء]

تعریف و وضاحت کے ساتھ اردو کی تمثیلی شاعری کا سرسری جائزہ لیا ہے۔

۱۳۳ ۔ عبدالستار دلوی

محمود اسرائیلی اور اس کا فن

[شاہراہ دہلی اگست سنہ ۵۹ء]

محمود اسرائیلی کا مختصراً تعارف کراتے ہوئے ان کی شاعری کی خصوصیات بتائی گئی ہیں۔

۱۳۴ ۔ عبدالسلام خورشید

حسرت موہانی اور اردوئے معلیٰ

[قومی زبان اگست ستمبر ۵۹ء]

حسرت موہانی کے ابتدائی حالات پیش کرنے کے بعد سنہ ۱۹۰۷ کے اردوئے معلیٰ کے چند پرچوں پر اپنے خیالات پیش کئے ہیں۔

۱۳۵ ۔ عبدالمغنی

ادب اور تحریک

[دانش رام پور ۵۹ء اگست ۵۔ ۱۴]

مختلف ادوار میں ادب کے اندر جو تحریکیں اٹھی ہیں ان کا جائزہ لیتے ہوئے

مصنف نے موجودہ ادب میں پیداشدہ مرکزی خلا کو پر کرنے کے لئے چند مشورے پیش کئے ہیں،

۱۳۳ - عروج قادری

ادبی تنقید کا ایک قابل احتراز نمونہ

[دانش رام پور ۵۹، اگست ۱۵- ۲۰]

اس عنوان کے تحت مضمون‌نگار نے نسیم الدین صاحب کی تصنیف «اردو تنقید ایک نظر» پر چند اعتراضات کئے ہیں

۱۳۴ - فاروقی، جمیل احمد

نقوش فانی پر ایک نظر

[دانش رامپور ستمبر ۵۹، ۵- ۷]

کبیر احمد جائسی کی کتاب نقوش فانی پر ناقدانہ تبصرہ کیا ہے .

۱۳۸ - فاروقی، عبدالحمید

جدید فارسی شاعری میں ظرافت

[نگار جولائی ۵۹، ۲۳-۳۲]

جدید فارسی شاعری میں طنز و ظرافت جو عنصر ملتا ہے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے .

۱۳۹ - فاروقی، عبدالحمید

جدید ایرانی شاعری میں وطنیت

[معارف ۵۹، جولائی ۵۵- ۶۸]

مقالہ کی یہ دوسری اور آخری قسط ہے

۱۴۰ - فاروقی، نثار احمد

طبقات سخن مبتلا میرٹھی

[نگار ستمبر ۵۹، ۳-۴۳]

غلام محی الدین عشق ومبتلا میرٹھ کے رہنے والے تھے، انہوں نے طبقات سخن نامی ایک تذکرہ مرتب کیا تھا جس میں انہوں نے عہد محمد شاہ کے شاعروں کا مختصر حال اور انتخاب کلام پیش کیا ہے . مضمون‌نگار نے اس تذکرہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے

۱۴۱ - فاروقی، نثار احمد

ذکر مصحفی

[برہان دہلی ۵۹، جولائی اگست ستمبر]

مصحفی کا سال ولادت مختلف شواہد کی روشنی میں ۱۱۶۱ ھ اور مولد اکبرپور نزد امروہہ بیان کیا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت اور ابتدائی شعر گوئی پر بھی روشنی ڈالی ہے (۳ . ٤ . ٥ .)

۱٤۲ - فرمان فتحپوری

رباعیات فانی کا ایک اہم پہلو

[مہر نیمروز کراچی جولائی ۵۹، ۱۳- ۱٦]

فانی کی رباعیوں کے سماجی پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے .

۱٤۳ - فریدی، نسیم احمد

نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ مرحوم کا سفر نامہ حجاز

[الفرقان لکھنو ۵۹، اگست ۱۳- ۳۹]

نواب شیفتہ کے سفرنامۂ حجاز کی تلخیص و ترجمہ کی دوسری اور آخری قسط

۱۴۴ ـ فصیح الدین، بلخی

امیر مینائی

[اشارہ پٹنہ ۵۹ ستمبر]

مہدی حسن خاں شاداب، امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ شاداب کے بلانے پر سنہ ۱۳۰۵ھ میں امیر مینائی عظیم آباد آئے تھے۔ شاداب کے بڑے بھائی نایاب کی شاعری کی اصلاح انکے انتقال کے بعد امیر مینائی نے کی تھی۔

۱۴۵ ـ قاضی عبد الودود

بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا

[نوای ادب، بمبئی ۵۹ جولائی]

ڈاکٹر اختر اورینوی کی کتاب « بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا » پر تبصرہ کی چوتھی قسط ہے۔

۱۴۶ ـ قاضی عبد الودود

عبد الحق بحیثیت محقق (۲)

[معاصر؛ پٹنہ ۵۹ جولائی]

مقالہ نگار نے تحقیق و تدقیق میں مولانا عبد الحق کی بعض فر و گذاشتوں کو ڈھونڈ نکالا ہے۔

۱۴۷ ـ قاضی عبد الودود

عبد الحق بحیثیت محقق

[مہر نیمروز کراچی ۵۹ جولائی ۱۷-۲۱]

ڈاکٹر عبد الحق کا بحیثیت محقق درجہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے (باقی)

۱۴۸ ـ قطب شاہین

سید حرمت الاکرام (ذاتی تاثر)۔

[شاعر بمبئی ۵۹ جون]

سید حرمت الاکرام کی شخصیت اور شاعری پر سرسری تبصرہ کیا ہے۔

۱۴۹ ـ قیصر محمود حسن، امروہوی

کلام علی سے عربی شعراء و ادبا کا استفادہ

[معارف ۵۹ جولائی ۱۸-۳۶]

تفصیل کے ساتھ دکھایا ہے کہ عربی ادبا و شعراء نے کیوں کر حضرت علیؑ کے کلام سے استفادہ کیا ہے۔

۱۵۰ ـ کرامت علی

شاعر اور فنکار ـ مظہر امام

[اشارہ پٹنہ ۵۹ اگست]

مظہر امام کی شاعری کی مختلف خصوصیات کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہ ترقی پسند شاعری کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔

۱۵۱ ـ کوثر، چاند پوری

ریختی اور اس کے فن کار

[نگار ۵۹ جولائی ۳۳-۴۲]

ریختی کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اسکے فن کاروں پر اظہار خیال کیا ہے۔

۱۵۲ ـ کلیم الدین احمد

جغرافیہ وجود ـ جاپان

[معاصر پٹنہ؛ ۵۹ جولائی]

جاپانی ادب کی مختلف اصناف کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

۱۵۳ ـ لطیف . دلکشائی

نساخ سے وحشت تک

[نگار ۵۹ اگست ۶: ۱۰]

بنگال میں تناسخ سے وحشت تک کے
اعروں پر اظہار خیال کیا ہے۔

۱ ـ مالک رام

غالب سے منسوب دوسرا سکہ اور
اس کی حقیقت

[معارف ۵۹ اگست ۱۴۴: ۱۴۸]

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے جیون لال
ے حوالے سے غالب کے جس سکۂ شعر
تذکرہ کیا ہے، مقالہ نگار نے اسے غلط
ہرایا ہے۔

۱۵ ـ محسن انصاری

روح اقبال

[عارف لاہور ۵۹ ستمبر]

تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ عشق رسول
ر انسانیت کا اعلیٰ تصور اقبال کی شاعری
ی جان ہے جس سے اقبال کے تمام
کار روشنی و گرمی حاصل کرتے ہیں۔

۱۵ ـ محمد حسن

نئے ادبی تقاضے

[سوغات بنگلور دوسرا شمارہ ۵۹ء]

ادبی اقدار اور ادیب کی ذمہ داریوں
ے تفصیلی بحث کی ہے۔

۱۵ ـ محمد حسن

ہمارے تنقیدی معیار

[شاعر بمبئی ۵۹ء جون]

تنقیدی معیار دو قسم کے ہوتے ہیں،
یک وہ جو زبان و ادب کی روایات کی

جہاں ہیں سے اخذ کئے جائیں اور دوسرے
وہ جو مستعار ہوں اور اوپر سے نافذ کئے
جائیں۔ اردو ادب کو اول الذکر معیاروں
کی ضرورت ہے۔

۱۵۸ ـ محمد صادق، ڈاکٹر

ذہنی اور ادبی نشاۃ الثانیہ

[ماہ نو ۵۹ اگست ۱۱: ۱۴]

ہماری ذہنی اور ادبی نشاۃ الثانیہ پر
انگریزی زبان و ادب نے جو اثرات چھوڑے
ہیں اس پر اپنے خیالات پیش کئے ہیں۔

۱۵۹ ـ محمود نظامی

امیر خسرو

[قومی زبان ۵۹ اگست؛ ستمبر ۴ـ۵]

امیر خسرو کی مختلف النوع شخصیت پر
تبصرہ کیا ہے۔

۱۶۰ ـ محمود، نیازی

روہیل کھنڈ کے لوک گیت

[آجکل ۵۹ جولائی ۳۵ـ۳۷]

روہیل کھنڈ کے لوک گیتوں پر تبصرہ
پیش کیا ہے۔

۱۶۱ ـ مسعود احمد

غمگین دہلوی

[فاران کراچی ۵۹ ستمبر ۲۱ـ۲۵]

نام میر سید علی، تخلص غمگین اور لقب
خدا نما تھا۔ سنہ ۱۱۶۷ ھ میں دہلی میں
پیدا ہوئے اور ۱۲۶۸ ھ میں بمقام گوالیار
انتقال کیا۔ زبردست صوفی اور قادر الکلام
شاعر تھے۔ غزل تو غزل رباعیات میں اولیت

کے ساتھ اونچا مقام رکھتے تھے ۔ ان کو غالب سے انسیت اور غالب کو ان سے عقیدت تھی ۔ دیوان غزل و دیوان رباعیات کے علاوہ فارسی میں مراۃ الحقیقۃ نامی نثر کی ایک کتاب بھی متصوفانہ مضامین سے متعلق ان کی یادگار ہے ۔

۱۶۲ ۔ مسعود حسن رضوی ،
واجد علی شاہ کی ایک مناجات
[نیا دور لکھنؤ ۵۹ اگست]

تمہیدی نوٹ کے ساتھ واجد علی شاہ کی ایک مناجات کے چند شعر پیش کئے گئے ہیں ۔ یہ مناجات اس وقت کہی گئی ہے جبکہ اودھ زیر نگیں تھا ۔ اس مناجات سے واجد علی شاہ کے مذہبی خیال کا اظہار ہوتا ہے ۔

۱۶۳ ۔ مشیر احمد علوی ، ناظر کاکوروی
انشائیہ سے متعلق
[اشارہ پٹنہ ۵۹ ستمبر]

انشائیہ کی اصلاح پر روشنی ڈالتے ہوئے اردو کے انشائیہ نگاروں کا جائزہ لیا گیا ہے ۔

۱۶۴ ۔ مظفر اقبال ، اورنگ آبادی
مبارک عظیم آبادی اور ان کی شاعری
[آجکل ۵۹ ستمبر ۲۵۔۲۲]

مبارک عظیم آبادی کی شخصیت اور شاعری پر اظہار خیال کیا ہے ۔

۱۶۵ ۔ معین الدین ، دردائی
ہیر رانجھا
[صبح نو ۵۹ ستمبر]

صوبہ بہار میں اردو کی ابتداء پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک قدیم مثنوی ہیر رانجھا کی خصوصیات اور اس کے مصنف سید فضل علی کا تعارف کرایا گیا ہے ۔ اس سلسلے میں اس مثنوی کی لسانی خصوصیات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے ۔

۱۶۶ ۔ مقیت الحسن
رافت سرہندی
[نوای ادب ، بمبئی ۵۹ جولائی]

جراءت کے ایک ممتاز شاگرد ، شاہ رؤف احمد رافت سرہندی کے حالات زندگی ، اور کلام پر مختصر تبصرہ ۔

۱۶۷ ۔ ممتاز حسین
نادر کاکوروی
[ماہ نو ۵۹ ستمبر]

نادر کاکوروی کی ادبی شخصیت اور شاعری پر اپنے خیالات پیش کئے ہیں ۔

۱۶۸ ۔ منوہر سہائے ، انور
فارسی شاعری عہد مغول متاخرین میں
[۵۹ جولائی]

اس مضمون کا سروکار عہد اورنگ زیب کے نصف آخر سے لے کر جنگ پانی پت کے زمانے تک ہے ۔ جس میں فارسی شعرا کے حالات ، امراء سے تعلق ، ان کی بے اطمینانی ، تقلیدی شاعری ، سادگی سے وحشت ، جواب گوئی ۔ اور جوابی دواوین ، ان پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے ۔

۱۶۹ ۔ موسوی ، ضیاء الحسن

واقعہ کربلا اور ہمارا علاقائی ادب
[ماہ نو ۵۹ اگست ۱۵-۲۰]
پاکستان کے علاقائی ادب میں مذہبی ثقافتی زندگی بدرجہ اتم موجود ہے۔ مضمون نگار نے اس علاقائی ادب میں واقعۂ کربلا کے جو اثرات ہیں انہیں پیش کیا ہے۔

۱۶۹ - نادم، سیتا پوری
غالب پہلی بار اردو تذکرے میں
[شاعر بمبئی، ۵۹ اگست]
مضمون نگار نے تفصیل و وضاحت کیساتھ بتایا ہے کہ مولوی کریم الدین کا تذکرہ «طبقات الشعرائے ہند» اردو کا پہلا تذکرہ ہے جس میں غالب کا ذکر ملتا ہے۔

۱۷۰ - نادم، سیتا پوری
باغ و بہار سے پہلے کی ایک نثری داستان
[صبا حیدرآباد دکن ۵۹ جولائی؛ اگست]
«قصہ مہر و ماہ» مہر چند کی تصنیف ہے۔ ۱۲۰۳ھ میں لکھی گئی تھی مضمون نگار نے اس کی خصوصیات کو واضح کرتے ہوئے اس کی اہمیت پر زور دیا ہے۔

۱۷۱ - نادم، سیتا پوری
بہار کی اردو صحافت
[صبح نو پٹنہ ۵۹ اگست]
بہار میں اردو صحافت نگاری کی ابتدا کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے انیسویں صدی کے بائیس اخبارات اور رسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۷۳ - نارنگ گوپی چند، ڈاکٹر
جگر بریلوی
[نگار ۵۹ جولائی ۱۷]
جگر بریلوی پر «حدیث خودی» کے آئینہ میں تبصرہ پیش کیا ہے۔

۱۷۴ - نارنگ گوپی چند، ڈاکٹر
مثنویات پدماوت ہندوستانی
[ہندستانی ادب ۵۹ ستمبر ۹-۱۷]
پدماوت کا قصہ، اسکی تاریخی اصلیت اس پر مبنی فارسی نسخوں کے ذکر کیساتھ اردو مثنویات پدماوت کا تعارف درج ہے۔

۱۷۵ - نذیر احمد
عمر خیام کی بعض کمیاب تحریریں
[اورینٹل کالج میگزین ۵۹ مئی ۴-۶۴]
عمر خیام کی چند نایاب تحریروں کو پیش کیا ہے۔

۱۷۶ - نذیر احمد
قدیم اردو شاعر لطفی کے زمانے کا تعین
[معاصر؛ پٹنہ ۵۹ جولائی]
سخاوت مرزا صاحب کے نزدیک لطفی بہمنی دور کا شاعر ہے لیکن فاضل مقالہ نگار نے اس خیال سے اختلاف کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ وسط گیارہویں صدی کا شاعر ہوسکتا ہے۔

۱۷۷ - نظامانی، کریم بخش
شاہ عبد اللطیف بھٹائی
[چراغ راہ ۵۹ اگست ۱۶-۲۶]
ایک سچے مبلغ صوفی شاہ کی

حیثیت سے عبد اللطیف بھٹائی کے کلام کا جائزہ لیا ہے۔

۱۷۸ ۔ نقی احمد، ارشاد

کلام انیس میں آوازیں

[صبح نو، پٹنہ ۵۹ اگست]

انیس کے کلام میں علاوہ دوسرے محاسن کے ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے مختلف ذی روح اور غیر ذی روح کی آوازوں کو بڑی خوبی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ مثالوں کے ساتھ انکی اس خوبی کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۷۹ ۔ وقار عظیم

افسانہ اور رومان (دوسری قسط)

[قومی زبان ۵۹ ستمبر ۱۲۔۱۰]

رومان کی وضاحت کرتے ہوئے، افسانوں میں رومان کی اہمیت و قدر و قیمت پر اظہار خیال کیا ہے۔

۱۸۰ ۔ ہاشمی، نصیر الدین

حیدر آباد کے ماہوار رسالہ «حسن» بابت سنہ ۱۸۹۳ء میں جنگ آزادی سنہ ۱۸۵۷ء کے اسباب کی صراحت

[قومی زبان ۵۹ جولائی ۴۔۶]

حیدر آباد کے ماہوار رسالہ «حسن» بابت سنہ ۱۸۹۳ء میں جنگ آزادی سنہ ۵۷ء کے اسباب کی جو صراحت پیش کی گئی ہے، اس کا بیان ہے۔

۱۸۱ ۔ ہری کرشن، راز

منشی بال مکند رائے بے صبر

[نیا دور لکھنؤ ستمبر ۵۹ء]

بے صبر صاحب ایک اچھے شاعر اور ادیب دونوں تھے۔ ان کے حالات زندگی تصنیفات اور ادبی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۸۲ ۔ ہری کرشن

رباعیات جگر بریلوی

[آج کل جولائی ۵۹ ۲۰۔۳۲]

جگر بریلوی کا تعارف کرانے کے بعد اس کی رباعیوں پر تبصرہ کیا ہے۔

۱۸۳ ۔ یونس احمر

علاؤ الدین آزاد

[ماہ نو ستمبر ۵۹ء ۲۴۔۶۷]

بنگالی افسانہ نگار علاؤ الدین آزاد کی افسانہ نگاری پر اپنے خیالات پیش کئے ہیں۔

آرٹ

۱۸۴ ۔ ادارہ

سنگیت ناٹک اکاڈمی اور رقص

[آج کل دہلی رقص نمبر ۵۹ء ۷۶۔۷۸]

سنگیت ناٹک اکاڈمی کی خدمات پر انگریزی مضمون کا اردو ترجمہ ہے۔

۱۸۵ ۔ آوارہ

کتھا کلی

[آج کل دہلی رقص نمبر ۵۹ء اگست ۲۹۔۳۰]

کتھاکلی پر مختصر مضمون ہے۔

۱ - ارنڈیل رکمنی دیوی

بھرت نالیم

[آج کل دہلی رقص نمبر ۵۹ء اگست ۱۹-۲۱]

بھرت نالیم پر تفصیلی مضمون ہے۔

۱ - انور عنایت اللہ

ہماری موسیقی میں جدید تجربے

[ماہ نو کراچی ۵۹ء جولائی ۳۵-۳۸]

ہندوستانی موسیقی کا ارتقا پیش کرتے
ئے جدید تجربوں کاذکر کیاہے۔

۱ - پی. این. کے بامزئی

کشمیر میں رقص کی روایات

[آج کل دہلی رقص نمبر ۵۹ء اگست ۶۱-۶۵]

کشمیر میں کلا سیکی رقص کے
تقائی ادوار کو پیش کیا ہے۔

۱ جی . ایل ادیب لکھنوی

ئنو کے مشہور کتھک رقص کرنے والے

[آج کل دہلی رقص نمبر ۵۹ء اگست ۴۴، ۴۴]

لکھنو کے ان افراد کا سرسری جائزہ
ش کیا ہے جو اپنے زمانے میں کتھک
قص کے لئے بہت مشہور تھے۔

۱۹ - جوشی نرملا

ک ناچوں نے عوامی زندگی کے مظہر

[آج کل دہلی رقص نمبر ۵۹ء اگست ۴۹ : ۵۱]

ہندوستان کے مختلف علاقوں کے
ک ناچ کا سرسری جائزہ پیش کیاہے

۱۹ - شریمتی لیگور

منی پوری رقص

[آج کل دہلی رقص نمبر ۵۹ء اگست ۲۲، ۲۴]

منی پوری رقص پر ایک تفصیلی مضمون

۱۹۲ - کنول

فن رقص

[آج کل دہلی رقص نمبر ۵۹ء اگست ۵، ۱۰]

رقص کا مفہوم سمجھاتے ہوئے مضمون
نگار نے ہندوستانی رقص کی مختلف اقسام
پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

۱۹۳ - شہباز حسین(مترجم)

ہندوستان کے لوک ناچ

[آج کل دہلی رقص نمبر ۵۹ء اگست ۶۶ : ۷۵]

ہندستان کے مختلف علاقوں کے
لوک ناچوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

۱۹۴ - صباح الدین عبدالرحمان

ہندوستانی موسیقی

[نیا دور لکھنو اگست ۵۹ء]

پہلی قسط جس میں ہندوستان کی فارسی
شاعری کی روشنی میں یہاں کی موسیقی
کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۹۵ - صباح الدین عبدالرحمان

ہندوستانی موسیقی

[نیا دور لکھنو ۵۹]

دوسری قسط جس میں ہندوستان
کے فارسی ادب میں یہاں کی موسیقی
پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۹۶ - کیشو کوٹھاری

ہندوستان میں رقص کی تربیت گاہیں

[آج کل دہلی رقص نمبر ۵۹ء اگست ۵۲، ۵۴]

ہندوستان کی ان تربیت گاہوں کا ذکر ہے جہاں رقص کی اعلیٰ تربیت دی جاتی ہے۔

۱۹۷ ۔ مرنالنی سارا بھائی

نئے رجحانات

[آج کل دہلی رقص نمبر ۵۹ء اگست ۵۸ ۔ ۶۰]

مضمون نگار نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ فن رقص کے ذریعہ موجودہ مسائل اور بدلتے ہوئے رجحانات کو پیش کرنے کی کوشش کرنی چاہئے

۱۹۸ ۔ موہن کھوکر

کلاسیکی رقص کی دیگر اصناف

[آج کل دہلی رقص نمبر ۵۹ء اگست ۳۳، ۳۹]

جنوبی ہند کی کم معروف اصناف رقص کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔

۱۹۹ ۔ وقار خلیل

نمائش خوشنویسی

[فروغ اردو لکھنو جولائی ۵۹ء]

یکم جنوری سنہ ۱۹۵۹ع کو سالار جنگ میوزیم حیدرآباد کے زیر اہتمام نمائش خوشنویسی کا افتتاح ہوا جس کی کارروائی کا خلاصہ یہاں پیش کیا گیا ہے۔ فن خطاطی پر سرسری تبصرہ بھی ہے۔

تعلیمات

۲۰۱ ۔ طلحہ رضوی برق

اقبال کا نظریۂ تعلیم

[شاعر؛ بمبئی؛ اگست ۵۹ء]

اقبال کے نزدیک اصل تعلیم صداقت عدالت اور شجاعت کا جوہر ہے۔

۲۰۲ ۔ غلام السیدین، خواجہ

مولانا آزاد کا تعلیمی فلسفہ

[فروغ اردو لکھنو؛ اگست ۵۹]

مولانا آزاد کے تعلیمی خیالات پر ایک مختصر سا تبصرہ ہے۔

۲۰۳ ۔ میکالے۔صدیقی عبدالحمید

موجودہ نظام تعلیم کا اساسی تخیل — لارڈ میکالے کی تاریخی یاد داشت

[ترجمان القرآن ۵۹ ستمبر ۴۹؛ ۶۴]

موجودہ نظام تعلیم سے متعلق لارڈ میکالے کی تاریخی یاد داشت کا ترجمہ مع حواشی کے درج ہے۔

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی

پرنٹر پبلشر حامد اللہ ندوی نے آدی پرنٹنگ پریس، ۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸ سے چھپوا کر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱ سے شائع کیا۔

کا
سہ ماہی رسالہ
نوائے ادب
ناشر

نوائے ادب بمبئی

لد ۱۱ — اپریل ۱۹۶۰ع — شمارہ ۲

شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ

شذرات

ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں اردو کے تحقیقی اور علمی رسالوں کا باوقار قیمتی اضافہ ہورہا ہے، مسلم یونیورسٹی سے تہذیب الاخلاق کا بدل اور موجودہ تحقیقاتی معیار کو برقرار رکھے ہوئے «فکر و نظر» نامی رسالہ، یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر ڈاکٹر محمد یوسف حسین خاں کی صدارت میں شائع ہوا ہے۔ اردو زبان کی ترقی و حفاظت میں اس ادارہ کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ انجمن ترقی اردو جو اورنگ آباد۔ دہلی ہوتے ہوئے علی گڑھ منتقل ہوگئی ہے۔ دراصل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی خالص ادبی شاخ تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس رسالہ کی دو مستقل خصوصیتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ اسکے ہر شمارہ میں سر سید کی کوئی نہ کوئی تحریر شائع ہوگی اور دوسرے یہ کہ کسی نہ کسی اہم مخطوطہ سے جو یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے مفصل طور پر روشناس کرایا جائیگا۔ ہماری گذارش ہے کہ اہم تحریروں کو سر سید ہی تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ ان کے رفقائے کار کی بھی اہم تحریریں شائع کی جاتی رہیں تاکہ مکمل تصویر سامنے آسکے، مخطوطات کے سلسلہ میں ہماری رائے ہے کہ چونکہ ان کی کوئی مطبوعہ فہرست موجود نہیں ہے اس لئے رسالہ کے چند اوراق ان کی مجمل فہرست کےلئے ہر شمارہ میں وقف ہوں تاکہ تحقیقاتی کام کرنے والوں کے لئے سہولت ہو۔ اورینٹل کالج میگزین نے پنجاب یونیورسٹی کے مخطوطات کی فہرست اسی طرح شائع کی تھی۔

علی گڑھ علمی و ادبی حیثیت سے تقریباً ۷۵ سال سے اردو کا مرکز رہا ہے لیکن دلی تو بڑی حد تک اسکا مولد اور ہندوستانی ادب و تہذیب کے مشترکہ امتزاج کا سنگم رہی ہے۔ وہاں کی یونیورسٹی میں پہلے اردو کو ثانوی حیثیت حاصل تھی اب صحیح مفکرین کی طرح یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد نے اردو کو اس کا صحیح مقام دیکر اس کا ایک مستقل شعبہ قائم کردیا ہے۔ اس شعبہ میں علم تعلیم کے علاوہ تحقیقاتی کام بھی ہوگا۔ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کا رسالہ اردوئے معلی

ں کام کا مقدمـــۃ الجیش ہے۔ یہ رسالہ سال میں دو مرتبہ شائع ہوگا اور اس میں
سرف اردو ادب و تاریخ سے متعلق بیشتر مضامین ہوں گے۔ پھر صدر شعبہ اردو
ے اردو مخطوطات یا ان کی نقلوں کی اچھی خاصی تعداد جمع کرلی ہے، ان کو
ڈٹ کرکے شائع کیا جائیگا، ہم کو امید ہے کہ دہلی اپنی قدیم روایات کو قائم
کھتے ہوئے اردوے معلیٰ کی ترویج و اشاعت میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیگا۔

یہ تو شمالی ہندوستان کا بیان تھا۔ اس کے ساتھ ہی جنوبی ہندوستان میں بھی اردو کی ترقی سے متعلق عملی کام ہورہا ہے، حیدرآباد میں سنہ ۱۹۳۸ء سے ادارۂ ادبیات اردو قائم ہے اس کے کتب خانہ میں مطبوعہ کتابوں کے علاوہ ہزاروں مخطوطات موجود ہیں پھر تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی قائم ہے اور اس نے اپنے سی سالہ عہد میں تقریباً دو سو پچاس چھوٹی بڑی کتابیں شائع کی ہیں۔ اس وقت تک اس ادارہ اور کتب خانہ کی اپنی کوئی عمارت نہیں تھی لیکن گذشتہ اپریل میں اس کی عمارت بھی مکمل ہوگئی امید ہے کہ اب ادارہ میں تحقیقات کی جو سہولتیں ہیں ان کی موجودگی میں وہاں کام کی رفتار اور تیز ہوجائے گی۔

پاکستان میں بھی اردو کے علمی کام تسلی بخش حد تک بڑھ رہے ہیں وہاں ایک اردو یونیورسٹی کے قیام پر غور کیا جارہا ہے، ترقی اردو بورڈ قائم ہوا ہے۔ انسائکلوپیڈیا آف اسلام کا ترجمہ ہو رہا ہے اور ایک مفصل لغت کی ترتیب کا کام جاری ہے۔ انجمن ترقی اردو ہند بھی ایک جامع اردو لغت مرتب کر رہی ہے ہم کو امید ہے کہ یہ دونوں لغت ایک مستند لغت کی حیثیت سے مفید ثابت ہوں گے۔ لغت کی ترتیب میں جن چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ان میں سب سے زیادہ اہم تلفظ کا سوال ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ترقی اردو بورڈ کے ایڈیٹوریل بورڈ کے ایڈیٹر ڈاکٹر محمد شہید اللہ نے اردو اور دوسری زبان کا اردو املا میں صحیح تلفظ سے متعلق اپنی تجویز پیش کی ہے۔ اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ اردو بولنے والے متحدہ طور سے ایک املا کو تسلیم کرلیں انجمن ترقی اردو نے برسوں پہلے اس سلسلہ میں ایک اصول بنا لیا تھا۔ اور اس کی کتابیں اور رسالے اب تک اسی طرح چھپتے ہیں۔ لیکن باقی لکھنے والوں

نے اس طرف بالکل توجہ نہیں دی ہے ہم کو کم از کم املا اور تلفظ کے متعلق ایک رائے ہونا چاہئے۔

دوسری اہم چیز یہ بتانا ہے کہ لفظ کس زبان کا ہے اس کا مادہ کیا ہے اس کے مشتقات جو اردو میں مستعمل ہیں کیا ہیں پھر اس کے مترادفات کیا ہیں اس کے علاوہ بعض الفاظ اپنے معنی بدلتے رہے ہیں مختلف عہد میں ان کے کیا معنی رہے ہیں شعرا کے کلام یا مصنفین کی تحریروں سے دینا چاہئے اور موجودہ لغات کی اشاعت کے بعد سے بہت سے نئے الفاظ زبان میں داخل ہوگئے ہیں ان کو بھی شریک کرنا چاہئے۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی وہ تیاریاں ہیں جو اردو کے مخدوم بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق کی نود سالہ سالگرہ کے سلسلہ میں کی جارہی ہیں انجمن ترقی اردو کالج اپنے رسالہ کا خاص عبدالحق نمبر شائع کر رہا ہے اور عبدالحق اکاڈمی کی طرف سے مئی سنہ ۱۹۶۰ء میں ان کا یوم پیدائش بڑے اہتمام سے منایا جارہا ہے اس سلسلہ میں ایک علمی نمائش بھی منعقد کی جائیگی۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر شوکت سبزواری نے اپیل کی ہے کہ «جن حضرات کے پاس مولوی صاحب قبلہ کی تحریریں اور تصویریں ہوں وہ انکے پاس اردو کالج اردو روڈ کراچی نمبرا کے پتہ پر بھیج دیں» اسی موقع پر مولوی صاحب کے مکاتیب کا مجموعہ بھی شائع کیا جارہا ہے اسلئے جن حضرات کے پاس مولوی صاحب کے خطوط ہیں ان سے درخواست ہے کہ وہ خطوط یا ان کی نقلیں ڈاکٹر صاحب موصوف کے پاس بھیجدیں، ہم کو یقین کامل ہے کہ مولوی صاحب کی بزرگی، ایثار و قربانی اور اردو سے والہانہ عشق کی روشنی میں ہندوستان و پاکستان دونوں جگہوں میں مولانا کا نود سالہ جشن پیدائش ان کے شایان شان منایا جائیگا۔

ضمیر احمد خاں، بمبئی

دیوان نظیر اکبر آبادی

مرزا فرحت اللہ بیگ نے سنہ ۱۹۴۲ء میں دیوان نظیر اکبر آبادی کو مرتب کرکے انجمن ترقی اردو ہند کی طرف سے شائع کرایا. اس کے مقدمے میں وہ نظیر کے دیوان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

« نظیر کے دو دیوان اور تھے اور یہ دونوں آپ کے سامنے آرہے ہیں. گارساں دی تاسی نے لکھا ہے (کہ نظیر کا دیوان سب سے پہلے ۴۲ صفحوں پر سنہ ۱۸۲۰ء میں لیتھو کے ذریعے سے دیوناگری میں چھپا. اس کے سرورق پر شاعر کی تصویر بھی تھی. اس کے بعد سنہ ۱۸۵۰ء میں ایک دیوان خط نستعلیق میں آگرے سے شائع ہوا. یہ دیوان نظیر کا خود مرتب کردہ تھا)، واقعات کے لحاظ سے یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ کریم الدین کے گلدستۂ نازنیناں سے پایا جاتا ہے کہ سنہ ۱۸۴۵ء تک نظیر کا کوئی دیوان طبع نہیں ہوا تھا. دی تاسی نے جس دیوان کا طبع ہونا بیان کیا ہے وہ در اصل دیوان نہیں بلکہ کلیات تھا اور اس میں ہر قسم کے اشعار تھے. یہ پہلا موقع ہے کہ اس شاعر کے دونوں دیوان شائع ہو رہے ہیں. اکثر تذکروں میں نظیر کی غزلوں کے ساتھ کچھ اشعار دئے گئے ہیں لیکن اس کے دیوان تک کسی کی دسترس نہ ہوسکی. پروفیسر شہباز نے ان کی تلاش میں بیس برس گذارے اور آخر میں ان کو یہ کہنا پڑا کہ (ورثاء میں تحریک کی گئی لیکن ان کیمیاگروں کو اس نسخے کی اشاعت منظور نہیں .... باضابطہ دیوان اس کا ابھی تک خاندان کے بعض تنگ خیال لوگوں کے خلوت خوش خیالی میں بند ہے)».

« مجھے ایک مضمون لکھنے کے لئے کلیات نظیر مرتبہ شہباز کے دیکھنے کی ضرورت تھی. کئی جگہ ڈھونڈھا نہیں ملا. خیال آیا کہ چلو اپنے عزیز دوست آغا حیدر حسن، پروفیسر نظام کالج سے چلکر پوچھیں .... انکے پاس جاکر پوچھا. کہنے لگے کہ شہباز والا کلیات تو نہیں ہے. ہاں نظیر کا ایک قلمی دیوان ہے وہ

لیتے ہو تو لے جاؤ.... وہ جو دیوان نکال کر لائے تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں. یا میرے اللہ! یہ وہ دیوان ہیں جن کی تلاش میں پروفیسر شہباز نے تمام ہندوستان چھان مارا اور نہ ملے. تذکرہ نویسوں نے اس دیوان کا ذکر تو کیا مگر سوائے باطن کے اور کسی کو ان کا دیکھنا نصیب نہیں ہوا . . . . یہ دیوان نہایت نفیس کشمیری کاغذ پر ہیں. شروع میں نظیر کی تصویر ہے اس کے بعد نظیر کی وہ نظمیں ہیں جو اس نے ہندو اوتاروں کے متعلق لکھی ہیں. کتاب کے اس حصے میں نظموں کے لحاظ سے بہت سی تصویریں بھی دی ہیں اور تصویریں بھی کیسی کہ لا جواب. اس کے بعد وہ دونوں دیوان ہیں جن کی تلاش میں ایک صدی سے زیادہ گذر گئی اور نہیں ملے»

فرحت اللہ بیگ کا یہ اعتراض کہ گارساں دی تاسی کا بیان کہ سنہ ۱۸۵۰ء میں نظیر کا دیوان شائع ہوا تھا صحیح معلوم نہیں ہوتا، قابل قبول نہیں. اسکی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ گلدستۂ نازنیناں سنہ ۱۸۴۵ء میں مرتب ہوا ہے اور گارساں دی تاسی کا بیان ہے کہ دیوان سنہ ۱۸۵۰ء میں شائع ہوا ہے. کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ سنہ ۱۸۴۵ء سے سنہ ۱۸۵۰ء تک پانچ برسوں کے عرصہ میں اس کا دیوان شائع ہوا ہو. ہم اسی ایک بدیہی دلیل پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کے ثبوت میں ایک ایسے دیوان کا نسخہ پیش کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے خیال میں وہی مطبوعہ دیوان ہے جس کا گارساں دی تاسی نے ذکر کیا ہے.

اس وقت ہمارے پیش نظر نظیر کا ایک مطبوعہ دیوان ہے اس کے سرورق پر لکھا ہے «در مطبع الٰہی واقع آگرہ مطبوع گردید» یہ دیوان ہمیں انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر جناب نجیب اشرف صاحب ندوی کی ذاتی لائبریری میں ملا ہے اس پر تاریخ طباعت تو نہیں ہے لیکن اس کا کاغذ، چھپائی اور ظاہری حالت دیکھ کر یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی عمر سو سال سے کسی طرح کم نہیں. یہ دیوان گارساں دی تاسی کے بیان کے مطابق نستعلیق میں چھپے اس سے صاف ظاہر ہے کہ گارساں دی تاسی کا بیان صحیح ہے اور مرزا صاحب کا اعتراض درست نہیں. اس دیوان کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ پہلے اور دوسرے حصے میں غزلیں ہیں. تیسرے میں مخمس ہیں اور چوتھے حصے میں جس کا نام «کنھیا کا جنم» ہے متعدد مسدس، مخمس اور نظمیں ہیں.

ہم نے دونوں ایڈیشنوں (آگرہ ایڈیشن اور فرحت اللہ بیگ ایڈیشن) کو سامنے

گھ کر ان کی ترتیب، کمی بیشی اور کتابت کے فرق کو ظاہر کیا ہے۔ اس سلسلے
یں مزے کی بات یہ ہے کہ آگرہ ایڈیشن فرحت اللہ بیگ ایڈیشن سے ہر لحاظ سے
ہتر ہے۔

دیوان نظیر اکبر آبادی ۔ جلد اول

دیوان اول کے فرحت ایڈیشن اور آگرہ ایڈیشن دونوں میں ردیف الف کی
زلوں کی تعداد ۵۶ ہے۔ فرق یہ ہے کہ آگرہ ایڈیشن کی بیسویں غزل فرحت
یڈیشن میں نہیں ہے اور فرحت ایڈیشن کی چھبیسویں غزل آگرہ ایڈیشن میں نہیں
ہے۔ حسب ذیل دو غزلوں میں پہلی غزل فرحت ایڈیشن میں نہیں ہے اور دوسری
زل آگرہ ایڈیشن میں نہیں ہے۔

پہلی غزل

تیغ ابرو سے دل دو چار ہوا   دو ہوا پھر وہ دو سے چار ہوا
اس کے تیر نگاہ کی پھرتی   جانے وہ جس کے دل کے پار ہوا
طائر دل پھرا نہ اب تک آہ   آج اس کا کدھر گذار ہوا
دام گستر کسی کی زلف ہوئی   یاتقاہت سے کچھ نزار ہوا
یاکہیں تھک رہا وہ آہ نظیر   یا اسی زلف کا شکار ہوا

دوسری غزل

دل میں جب چاہ نے قیام کیا   عقل کی پختگی کو خام کیا
چپکے چپکے ہی لے لیا دل کو   نگہ شرمگیں نے کام کیا
منع تھا اشک کا بہا دینا   پر جفا نے جو اژدحام کیا
اُٹھ چلے دل سے آنسو جب تو نظیر   چاہ نے رکنے کا پیام کیا
جب یہ دیکھا تو ہو کے پھر لاچار   خانۂ چشم میں قیام کیا

آگرہ ایڈیشن کے آخر میں دو نظمیں ہیں جو فرحت ایڈیشن کے دیوان اول
میں نہیں ہیں لیکن دیوان دوم میں قطعات کے ماتحت درج ہیں۔ ان کے مطلعے
علی الترتیب یہ ہیں۔

ایک دن رو کر لگا کہنے دل شیدا مجھے   تو نے عیش زندگانی کچھ نہ دکھلایا مجھے
ایک دن دل خود بخود یکبار قہ قہ کر ہنسا   میں نے اس کا دیکھ کر وہ خندہ دنداں نما

ردیف الف سے لیکر ردیف ی تک دونوں ایڈیشنوں میں غزلوں کی تعداد ۱۴۵، رباعیات کی تعداد ۱۶ اور مخمسات کی تعداد ٦ ہے۔

فرحت ایڈیشن کا اختتام مخمسات کے اختتام پر ہی ہوجاتا ہے لیکن آگرہ ایڈیشن میں دو نظمیں اور ہیں جن کا ذکر آچکا ہے۔

آگرہ ایڈیشن اور فرحت ایڈیشن دونوں کو غور سے دیکھنے پر پتہ چلتا ہے کہ فرحت ایڈیشن نیا ہونے کے باوجود بھی اپنے ساتھ کافی غلطیاں لئے ہوئے ہے اگر پورے دیوان کی غلطیوں کو دیکھا جائے تو دیوان کی ہی ضخامت کی ایک دوسری کتاب تیار ہو جائیگی۔ یہاں پر ردیف الف کی صرف بیس غزلوں کو لیکر فرحت ایڈیشن کےان اشعار کو پیش کیا جاتا ہے جن میں آگرہ ایڈیشن زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

فرحت ایڈیشن	آگرہ ایڈیشن
دل کو چشم یار نےجب جام مے اپنا دیا	دل کو چشم یار نے جب جام مے اپنا دیا
ان سےخوش ہوکر لیااور کہہ کے بسم اللہ پیا	اس نےخوش ہوکر لیا اور کہہ کے بسم اللہ پیا
چاہت ہماری تاڑتے ہیں واں کے تاڑ باز	چاہت ہماری تاڑتے تھے واں کے تاڑ باز
تس پر ہنوز خوب طرح دل لگا نہ تھا	تس پر ہنوز خوب طرح دل لگا نہ تھا
ترچھی نگاہ سے بھی جو دیکھا تو وہ خدنگ	ترچھی نگاہ سے بھی جو دیکھا تو وہ خدنگ
واں ہی لگا غرض جہاں اس کا نشانہ تھا	وہاں ہی لگا جہاں غرض اس کا نشانہ تھا
یا بلا لے اسے ادھر اے جاں	یا بلا لے اسے ادھر اے جاں
یا تو ہی آپ کو ادھر پہنچا	یا تو اپنے تئیں ادھر پہنچا
میں نے اس کو کہا کہ اے محبوب	میں نے اس کو لکھا کہ اے محبوب
اس لئے میں نہیں ادھر پہنچا	اس لئے میں نہیں ادھر پہنچا
یوں سنا تھا تم آپ ہی آتے ہو	یوں سنا تھا تم آپ ہی آتے ہو
اس میں نامہ یہ پرکھر پہنچا	اس میں نامہ یہ پرکھر پہنچا
دام کاکل سےگلہ کیا یہ جو ہے طائر دل	دام کاکل سے گلہ کیا یہ جو ہے طائر دل
آپ نے اپنے پھنسانے کو پر وبال کیا	آپ ہی اپنے یہ پھنسانے کو پر وبال کیا
خیر وہ حال ہوا یا یہ ہوئی شکل نظیر	خیر وہ حال ہوا یا ہوئی یہ شکل نظیر
کچھ تاسف نہ کرو جانے دو جنجال گیا	کچھ تاسف نہ کرو جانے دو جنجال گیا

فرحت ایڈیشن	آگرہ ایڈیشن
شب کو آکر وہ پھر گیا ہیہات	رات آکر وہ پھر گیا ہیہات
کیا اسی رات ہم کو سونا تھا	کیا اسی رات ہم کو سونا تھا
اشک تھا گرم تر نظیر اسے	اشک تھا گرم تر نظیر اس سے
کچھ دم سرد سے سمونا تھا	کچھ دم سرد سے سمونا تھا
سینہ سپر بنا کے ہوا اسکے رو برو	سینہ سپر بنا کے ہوا اسکے دو بدو
مژگاں نے اس سپر کو بھی غربال کر دیا	مژگاں نے اس سپر کو بھی غربال کر دیا
ہنس کر کہا تمہارے طرف کل ہم آئیں گے	ہنسکر کہا تمہاری طرف کل ہم آئیں گے
ہم کو یہ کہہ کے یار نے خوشحال کر دیا	ہمکو اسی نوید سے خوشحال کر دیا
ادھر یار جب مہربانی کرے گا	ادھر یار جب مہربانی کرے گا
تو اپنا بھی جی شادمانی کرے گا	تو اپنا بھی دل شادمانی کرے گا
نگہ کا تیر وہ مارا کہ دل سے	نگہ کا تیر وہ مارا کہ دل سے
نہ صدمہ اٹھ سکا جس کی رگڑ کا	نہ صدمہ اٹھ سکے جسکی رگڑ کا
فرو کچھ ہو چلا تھا شعلۂ دل	فرو کچھ ہو چلا تھا شعلۂ دل
دیا جھپکوں نے پھر مژگاں کی بھڑکا	دیا جھپکوں نے پھر مژگاں کا بھڑکا
بھولے گھمنڈ اپنے رخ کی چمک جھمک کا	بھولے گھمنڈ اپنے رخ کی چمک جھمک کا
جب مہ رخوں نے یاروں وہ رشکِ ماہ دیکھا	جب مہ رخوں نے یارو وہ رشکِ ماہ دیکھا

قطعہ

سر جھکا بیٹھنا وہ اس کا دیکھ	سر جھکا بیٹھنا وہ اس کا دیکھ
ہم کو معلوم یوں شتاب ہوا	ہم کو معلوم یہ شتاب ہوا
یہ تو یوں بیٹھتا نہ تھا شاید	یہ تو یوں بیٹھتا نہ تھا شاید
پھر تنبیہ کچھ عتاب ہوا	پھر تنبیہ کچھ عتاب ہوا

ایسا نہیں ہے کہ صرف فرحت ایڈیشن میں ہی ایسے اشعار ہیں اور [آگر]ہ ایڈیشن حرف بہ حرف صحیح ہے، آگرہ ایڈیشن میں بھی ایسے اشعار ہیں جن کے [مق]ابلہ میں فرحت ایڈیشن کے اشعار صحیح تر معلوم ہوئے ہیں لیکن ان کی تعداد [کم] ہے آگرہ ایڈیشن کی صرف ردیف الف کی تین غزلوں کا اختلاف

قراءت حسب ذیل ہے :

فرحت ایڈیشن	آگرہ ایڈیشن
دل چھپا بیٹھا تو اس زلف مسلسل سے نظیر	دل چھپا بیٹھا تو اس زلف مسلسل سے نظیر
اے اسیر دام نا فہمی یہ تو نے کیا کیا	اے اسیر دلم نا فہمی یہ تم نے کیا کیا
محبوب قمر شکل جسے رشک سے دیکھیں	محبوب قمر شکل جسے رشک سے دیکھیں
اس چہرۂ انور میں وہ نقشا نظر آیا	اوس چہرۂ انور میں وہ نقشا نظر آیا
دیکھا نگہ مہ نے ادھر شام کو کیا کیا	دیکھا نگہ مہ کی ادھر شام نے کیا کیا
خورشید سحر کو اسے تکتا نظر آیا	خورشید سحر کو اسے تکتا نظر آیا
جب وہ سویا تو چاؤ تھا تکیہ	جب وہ سویا تو چاؤ تھا تکیا
حاصل مدعا بچھونا تھا	حاصل مدعا بچھونا تھا
جو دل دے کے کچھ شاد کامی کرے گا	جو دل دے کے کچھ شادکامی کرے گا
تو اپنی یہاں نیک نامی کرے گا	وہ آپہی یہاں نیک نامی کرے گا
ہاتھ اس کے حنا بستہ ایسے ہیں کہ دیکھ انکو	ہاتھ اسکے حنا بستہ ایسے ہیں کہ دیکھ اسکو
سینہ کتنی عاشق کا ناخن سے چھلا ہوگا	سینہ کتنی عاشق کا ناخن سے چھلا ہوگا
پوچھا نظیر اس سے کیا یاں تو آپہی آیا	پوچھا نظیر اس سے کیا یہاں تو آپہی آیا
یا کچھ خطا کی چلتے واں تجھکو راہ دیکھا	یا کچھ خطا کی چلتے واں تجھکو راہ دیکھا
سختیاں ہجر کی سہیں جس نے	سختیاں ہجر کی سہیں جس نے
وصل سے جب وہ کامیاب ہوا	وصل سے جب سے کامیاب ہوا

دیوان نظیر جلد دوم

آگرہ ایڈیشن کی دوسری جلد کے ابتدائی آٹھ صفحے غائب ہیں۔ صفحہ ۹ پر ردیف ل کی ایک غزل کے دو شعر ہیں۔ اس کے بعد ردیف الف سے ی تک کی غزلیں سلسلے وار ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتاہے کہ ص ۹ سے پہلے جتنی غزلیں رہی ہونگی ان میں ردیف کے سلسلے کا خیال نہیں رکھا گیا ہوگا اس لئے کہ اگر اس کا خیال کیا گیا ہوتا تو ردیف الف سے پہلے ردیف ل کی غزلیں نہیں آسکتی تھی۔ اس غزل کے دو شعر جو ص ۹ کے شروع میں ہیں یہ ہیں۔

ناچار جیسے تجھ سے چھڑاتا ہوں دلکو میں ، ایسا ہی اس سے تو بھی چھڑا کر لگائے دل

یاں بڑے جو اہل دل اکثر یہ کہتے ہیں چھوٹا سا اک نظیر بھی ہے خاکپائے دل

آگرہ ایڈیشن میں ردیف الف کی پوری پچاس غزلیں ہیں جبکہ فرحت ایڈیشن صرف پینتیس ہیں۔ دونوں ایڈیشنوں کی ردیف الف کی صرف چوبیس غزلیں ملتی۔ فرحت ایڈیشن کی باقی گیارہ غزلیں آگرہ ایڈیشن میں نہیں ہیں اور آگرہ ایڈیشن کی بیس غزلیں فرحت ایڈیشن میں نہیں ہیں۔ ایسی چوبیس غزلیں جو دونوں ایڈیشنوں ملتی ہیں ان کے مطلعے یہ ہیں۔

ہ کے سامنے اس کا جونہیں جمال ہوا	وہ دل ہی جانے ہے اسدم جو دل کا حال ہوا
ساقی ظہور صبح و ترشح ہے نور کا	دے مے یہی تو وقت ہے نور و ظہور کا
لیتے الگ ہم تو دل اس شوخ سے کبکا	گر اور بھی ہوتا کوئی اس طور کی چھب کا

نظر پڑا اک بت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا
نگہ سے ظاہر کمال شوخی عیاں ادا سے اثر جفا کا

اس کے چہرے کو ہم نے جو آفتاب لکھا	تو اس نے پڑھ کر وہ نامہ بہت عتاب لکھا
اپنے کوچہ میں جس کو جا دینا	اس کو لازم نہیں اٹھا دینا
ایسا ہی جو وہ خفا رہے گا	تو چاہ میں کیا مزا رہے گا
منتظر اس کے دلا تا بکجا بیٹھنا	شام ہوئی اب چلو صبح پھر آ بیٹھنا
کے دل مہر سے پھر رسم جفا کاری کیا	تم دل آرام ہو کرتے ہو دل آزاری کیا
نے جب آنکھیں لڑا کر ہنس دیا	ہم نے بھی نظریں ملا کر ہنس دیا
نہ لو دل کا یہ لینا ہے نہ اخفا ہوگا	اس کو دل کہتے ہیں بس لیتے ہی چرچا ہوگا
جو رخ عرق فشاں یار نے ٹک دکھایا	پانی چھڑک کے خواب سے فتنے کو پھر جگایا

سبھونکو مے ہمیں مے خون ناب دل پلانا تھا
فلک مجھی پہ تجھے کیا یہ زہر کھانا تھا

ہے رہ عشق میں اے دل گلۂ پا	یہ اور ہی منزل ہے نہیں مرحلۂ پا
بھلا ہوا جو اس نے نہ سحر نقاب الٹا	نہیں سونے تحت پھرتا وہیں آفتاب الٹا

شب مہ میں دیکھ اسکا وہ جھمک جھمک کے چلنا
کیا انتخاب مہ نے وہ چمک چمک کے چلنا

ق کا جو گل زخم دم شمشیر کھلا	رہ گیا تن پہ وہ مثل گل تصویر کھلا
کچھ دلہ لے لیا جیسے کیوں اس آن کیا	اب ادا کی تاب لاؤں ایسی مجھ میں جان کیا

کیوں جی کیا تم نے مرے دل سا جواں باندھ لیا
سن کے بولا کہ وہ کیا چیز تھا ہاں باندھ لیا

ساقیا موسم برسات ہے کیا روح افزا دیکھ کچھ تازگی صنعت بے چون و چرا
خوشی ہوئی سینے میں مژگاں کی جھپک تیر لگا تو بھی اے جنبش ابرو کوئی شمشیر لگا

کلال گردوں اگر جہاں میں تو خاک میری کا جام کرتا
تو میں صنم کے لبوں سے مل کر عجب ہی عیش مدام کرتا

جن دنوں حسن بتاں کے دل پئے نظارہ تھا سو بسو ہر دم دواں اور کو بکو آوارہ تھا
جب ہمنشیں ہمارا بھی عہد شباب تھا کیا کیا نشاط و عیش سے دل کامیاب تھا

دیوان اول کی طرح دیوان دوم میں بھی اشعار کی قراءت میں اختلاف ہے۔ یہاں پر ردیف الف کی صرف دس غزلوں کو پیش کیا جاتا ہے۔

فرحت ایڈیشن	آگرہ ایڈیشن
کہا پاؤں دابنے کو میں نے چوم لی کف پا	کہا پاؤں دابنے کو میں نے چومی جو کف پا
تو بجائے لطف کیا کیا بسر عتاب اٹھا	تو بجائے لطف کیا کیا بسر عتاب اٹھا
گلشن دلبری و زیب میں اے جاں واللہ	گلشن نازکی و زیب میں اے جاں واللہ
وہ تو گل ہے کہ بصد حسن جہانگیر کھلا	تو وہ گل ہے کہ بصد حسن جہانگیر کھلا
کوہ میں لالہ نہیں آہ یہ خون فرہاد	کوہ میں لالہ نہیں یہ تو ہے خون فرہاد
جوش میں آن کے پتھر کے تئیں چیر کھلا	جوش میں آن کے پتھر کے تئیں چیر کھلا
بند تھا کلفت ہجراں میں جو غنچہ دل کا	بند تھا کلفت ہجراں سے جو غنچہ دل کا
اس گل حسن سے ہوتے ہی بغل گیر کھلا	اس گل حسن سے ہوتے ہی بغل گیر کھلا
جانے پاتا واں نہیں یا گھر میں دل لگتا نہیں	جانے پاتا واں نہیں یاں گھر میں جی لگتا نہیں
میں کروں یارو بھلا اس درد کا درماں کیا	میں کروں یارو کہو اس درد کا درماں کیا
دل کو خوباں سے مگر ریختی کہہ کہہ نے نظیر	
کوئی دن ہم نے بھی خوب اپنا سماں باندھ لیا	

دل کو خوباں سے مگر ریختی کہہ کہہ کے نظیر
کوئی دن ہم نے بھی خوب اپنا سماں باندھ لیا

ساقیا موسم برسات ہے کیا روح افزا	ساقیا موسم برسات ہے کیا روح افزا
دیکھ کچھ تازگی صنعت بے چون و چرا	دیکھ ٹک تازگی صنعت بے چون و چرا

کھل رہے ہیں در و دیوار پہ ابواب بہشت — کھل رہے ہیں در و دیوار پہ ابواب بہشت
آ رہی ہے چمن خلد کی ہر گھر میں ہوا — آ رہی ہے چمن خلد کی ہر گھر میں ہوا
کوہ و صحرا میں وہ سبزی ہے کہوں کیا گویا — کوہ و صحرا میں وہ سبزہ ہے کہوں کیا گویا
مخمل تازہ کسی نے ابھی یاں دی ہے بچھا — مخمل تازہ کسی نے ابھی یہاں دی ہے بچھا
الغرض دشت تو ہیں کارگہِ مخمل سبز — دشت ہیں جتنے سو ہیں کارگہ مخمل سبز
اور جو ہیں کوہ تو ان پر بھی زمرد ہے فدا — اور جو ہیں کوہ تو ان پر بھی زمرد ہے فدا

جان سے کرتی ہے اب نزہت و خضرت وہ سلوک
جیسے غنچوں سے نسیم سحر اور گل سے صبا

جان سے کرتی ہے اب نضرت و خضرت وہ سلوک
جیسے غنچوں سے نسیم سحر اور گل سے صبا

برق بھی چمکے ہے اور دمکے ہے ایسی ہر دم
جس سے کیا کیا امنڈ اور جھوم کے آئے ہے گھٹا

برق بھی چمکے ہے اور دمکے ہے ایسی ہر دم
جس سے کیا کیا امنڈ اور جھوم کے آتی ہے گھٹا

جگنوں اس طرح چمکتے ہیں کہ جوں وقت سنگار
ماتھے پر ہاتھی کے شنگرف ہے گویا چھڑکا

جگنوں اس طور چمکتے ہیں کہ جوں وقت سنگار
ماتھے پر ہاتھی کے شنگرف ہے گویا چھڑکا

اہل ظاہر تو ہیں سب مست مئے عیش و سرور — اہل ظاہر بھی ہیں سب مست مئے عیش و سرور
اہل باطن بھی اچھلتے ہیں پڑے وجد میں آ — اہل باطن بھی اچھلتے ہیں پڑے وجد میں آ

جو پاتا لذت بسان مستاں مئے محبت سے تیری زاہد
تو خانقہ سے نکل گے اپنی وہ میکدے میں قیام کرتا

جو پاتا لذت بسان مستاں مئے محبت کے تیری زاہد
تو خانقہ سے نکل کر اپنی وہ میکدہ میں قیام کرتا

ہے زمینِ چمن و باغ جو پانی سی سفید
اس میں اب عکس ہر اک گل کا ہے یوں جلوہ نما

ہے جو پانی سی زمین چمن اس وقت سفید
اس میں اب عکس ہر اک گل کا ہے یوں جلوہ نما

جا بجا نکلے ہیں اس لطف سے طفلان نبات
اپنے ہاتھوں سے کھلاتی ہے جنہیں نشو و نما

جا بجا نکلے ہیں اس حسن سے طفلاں نبات
اپنے ہاتھوں سے کھلاتے ہیں جنہیں نشو و نما

فرحت ایڈیشن کی انتیسویں غزل میں مقطع سے پہلے کا ایک شعر نہیں ہے جو آگرہ ایڈیشن میں موجود ہے۔ وہ شعر یہ ہے۔

وہ تو عیار یہ بولا یہ وہیں ابرو نے کی اشارت طرف زلف کہ یاں باندھ لیا

مندرجہ بالا بیان سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ آگرہ والا نسخہ بالکل صحیح ہے۔ بلکہ وہ بھی غلطیوں سے خالی نہیں ہے مندرجہ ذیل میں فرحت ایڈیشن کے اشعار صحیح تر ہیں۔

فرحت ایڈیشن	آگرہ ایڈیشن
شاخ پر گل سے یہ عالم ہے کہ جیسے محبوب	شاخ پر گل پہ یہ عالم ہے کہ جیسے محبوب
سرخ دستار بسر رکھتا ہے اور سبز قبا	سرخ دستار بسر رکھتا ہے اور سبز قبا
ہلتے اس لطف سے ہیں بھیگے ہوئے تازہ نہال	ہلتے اس خوبی سے ہیں بھیگے ہوئے تازہ نہال
جیسی ہو نازنیں دلبر کے نہانے کی ادا	جیسی ہو نازنیں دلبر کے نہانے میں ادا
بدلیاں بدلے ہیں وہ رنگ نئے ہر ساعت	بدلیاں بدلے ہیں وہ رنگ نئے رنگا رنگ
جنکے ہر رنگ پہ ہو مانی کے ارژنگ فدا	جنکے ہر رنگ پہ ہو مانی ارژنگ فدا
کیا ہی خوش وقت ہوا کر کے مرے دل کو صید	کیا ہی خوش وقت ہوا کر کے مرے دلکو صید
یعنی کیا خوب مرے ہاتھ یہ نخچیر لگا	یعنی کیا خوب مرے ہاتھ یہ نخچیر لگا
میں کہا کیوں نہیں اس شوخ سے ملتا تو نظیر	میں کہا کیوں نہیں اس شوخ سے ملتا تو نظیر
سن کے اس بات کو یوں کہنے وہ دلگیر لگا	سنکے اس بات کو یوں کہنے وہ دلگیر لگا

کلال گردوں اگر جہاں میں جو خاک میری کا کام کرتا
تو میں صنم کے لبوں سے ملکر عجب ہی عیش مدام کرتا

کلال گردوں اگر جہاں میں تو خاک میری کا جام کرتا
تو میں صنم کے لبوں سے ملکر عجب ہی عیش مدام کرتا

جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن دکھاتا نہ شب بناتا نہ صبح لاتا نہ شام کرتا

جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن دکھاتا نہ شب بناتا نہ صبح کرتا نہ شام کرتا

حیرت ہے اس کی زودروی کیا کہیں ہم آہ — حیرت ہے اس کی زودروی کیا کہیں ہم آہ
نقش طلسم تھا وہ کوئی یا حباب تھا — نقش طلسم تھا کہ کوئی یا حباب تھا

خجل اس کے آگے ہونے میں لگا تو وہ نگہ کی
کہ پہنچ کے تار دل وہیں پھر حجاب اٹھا

خجل اس کے آگے ہونے میں لگا تو وہ نگہ سی
کہ پہنچ کے تار دل وہیں پھر حجاب اٹھا

نہ دھڑک ہو جو نکلنا تو سرخطر پہ ٹھوکر
جو نظر گذر سے ڈرنا تو جھجھک جھجھک کے چلنا

نہ دھڑک ہو کر نکلنا تو سر خطر پہ ٹھوکر
جو نظر گذر سے ڈرنا تو جھجھک جھجھک کے چلنا

کیوں ہوس کرتا ہے بیجا ہوکے بے قدر اے نظیر
اس کی محفل میں تجھے گر دخل ہو امکان کیا

کیوں ہوس کرتا ہے بیجا ہوگی بےقدری نظیر
اس کی محفل میں تجھے گر دخل ہو امکان کیا

کیوں جی کیا تم نے مرے دل سا جواں باندھ لیا
سن کے بولا کہ وہ کیا چیز تھا یاں باندھ لیا

کیوں جی کیا تم نے مرے دل سا جواں باندھ لیا
سن کے بولا کے وہ کیا چیز تھا یاں باندھ لیا

فرحت ایڈیشن میں ردیف ب سے لے کر ردیف ی تک غزلوں کی تعداد ۱۰۴ ہے اور آگرہ ایڈیشن میں ۱۲۵ ہے۔

فرحت ایڈیشن میں رباعیات کی تعداد ۴ ہے اور آگرہ ایڈیشن میں بھی ۴ ہے

«	«	مخمسات	۷	«	«	۵
«	«	قطعات	۵	«	«	۳
«	«	ترکیب بند	۱	«	«	۱
«	«	ترجیع بند	۱	«	«	۱
«	«	مثنوی	۳	«	«	ایک بھی نہیں

فرحت ایڈیشن میں دیوان دوم کا خاتمہ مثنوی پر ہوتا ہے اور آگرہ ایڈیشن میں ترجیع بند پر۔

دیوانِ نظیر جلد سوم (آگرہ ایڈیشن)

فرحت ایڈیشن میں دیوانِ نظیر جلد سوم نہیں ہے۔ اس جلد میں غزلیں نہیں ہیں بلکہ مختلف قسم کی نظمیں مثلاً حمد، حکایات وغیرہ ہیں۔ ہر نظم مخمس میں ہے نظمیں بغیر نام کے ہیں۔

دیوالی نام کی نظم کا آخری بند جو ص ۱۵۰ پر موجود ہے وہ یہ ہے

کبوتروں کا کسی نے لیا نہ بیل چکا کوئی چھدام کو رکھتا ہے بھو بیل چکا
وہ کہتا ہے کہ میاں لو جی اس کا میل چکا یہ دھن ہے دل میں تو لڑکا تمہارا کھیل چکا
چبینا لڑکے کو تم دو دلا دوالی میں

لیکن اس نظم کے ابھی ایسے ہی پندرہ بند باقی ہیں جو ص ۱۵۳ تک یقیناً رہے ہونگے اسکے بعد ممکن ہے جلد کا اختتام ہوا ہو یا کوئی اور نظم رہی ہو کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

دیوان نظیر جلد چہارم (آگرہ ایڈیشن)

اس جلد میں صرف نظمیں ملتی ہیں۔ تین نظموں «جنم کنہیا جی کا» «بالپن بانسری» اور «بانسری» کے علاوہ کسی نظم کا عنوان نہیں لکھا ہے۔ یہ جلد نظموں کی ترتیب کے لحاظ سے سلیم جعفر کی «گلزار نظیر» سے کافی ملتی جلتی ہے۔ اس جلد میں «گلزار نظیر» کے دوسرے حصے سے یہ تین نظمیں «بلدیو جی کا میلہ» «مدح نانک شاہ گرو» «تعریف در گنج بخش» زیادہ ہیں۔ پہلی نظم «جنم کنہیا جی کا» سے لے کر آٹھویں نظم «سیکشن و نرسی مہتا» تک نظموں کی ترتیب وہی ہے جو گلزار نظیر میں ہے اور تین نظموں کے علاوہ باقی نظمیں گلزار نظیر میں ملتی ہیں البتہ آٹھویں نظم کے بعد ترتیب میں فرق ہوگیا ہے۔

ص ۷۵ پر لکھا ہوا ہے «اوتاروں کی لیلا کی کتاب ختم ہوئی» اور ص ۷۶ سے «قصۂ لیلیٰ و مجنوں» شروع ہوتا ہے اور ص ۸۰ تک جاتا ہے۔ بعد کے صفحے غائب ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ ص ۸۹ پر چار اشعار ایک قطعہ کے ہیں پھر اسی صفحہ پر «عرض حال بہ معشوق وفا دار» شروع ہوتا ہے۔ اس کے ۲۸ اشعار ہیں۔ پہلا شعر یہ ہے۔

ہ گل اندام دلآرام پری زاد صنم کتنے دن سے جو تری وضع کو ہیں دیکھتے ہم
ن گئے بعد ترکیب بند ہے جس میں ۴۲ اشعار ہیں یہ حسب ذیل شعر سے شروع ہوتا ہے :
پہ اے بے مہر مت اتنی روا بیداد رکھ لطف سے ویرانۂ دل کو مدام آباد رکھ
ر پھر ایک ترجیع بند ہے اس میں ۴۸ اشعار ہیں۔ پہلا شعر یہ ہے :

تیرے لب لعل سے گل اندام ہے حسرت لعل حسرت انجام

ن ترجیع بند کے اختتام کے ساتھ کتاب بھی ختم ہوجاتی ہے۔

اس کتاب کے ص ۸۰ پر « قصۂ لیلیٰ و مجنوں » ہے جس کا آخری شعر یہ ہے :

لیلیٰ کا میرے پاس جو آنا نہ ہوئے گا تو میری زندگی کا ٹھکانا نہ ہوئے گا

ب آٹھ صفحے لا پتہ ہیں اور ص ۸۹ پر ایک قطعہ کے یہ اشعار ہیں

بیا ‌۰ نور عبادت سے اپنا خانۂ دل کر ایسا جیسا کہ ہے آفتاب عالمتاب
وغ طاعت و تقویٰ کر اسقدر پیدا کہ جس سے تیری شب کور ہو تجلی یاب
روسا عمر کا مت کر نہیں وفا اس میں جو کچھ نکوئی ہے کرنی تو وقت را دریاب
لیر کی تو یہی بات یاد رکھ اے دل کہ یہ جہاں تو ہے دریا اور اسمیں تو ہے حباب

پورا قطعہ آگرہ ایڈیشن کی دوسری جلد کے ص ۸۷، ۸۸ اور ۸۹ پر موجود
ے۔ پہلا شعر یہ ہے :

ہا یہ دل نے مجھے دیکھ کر شب مہتاب کہ میں ہوں اس شب مہتاب میں بہت بیتاب

آگرہ ایڈیشن کی جلد ۲ اور ۴ میں آخری حصے دھرائے گئے ہیں دونوں
ن صفحوں کی تعداد ۹۶ ہے۔ ص ۸۹ سے لے کر ۹۶ تک دونوں میں وہی چیزیں
ھرائی گئی ہیں۔ جلد ۴ میں ۸۱ سے لے کر ۸۸ تک آٹھ صفحے غائب ہوچکے
ے لیکن اس جلد میں ص ۸۰ تک « قصۂ لیلیٰ و مجنوں » کے ۷۰ اشعار ہیں۔ اس
اظ سے اس نظم کے ہی ابھی ۱۳۵ اشعار اور ہونے چاہئیں کیونکہ « قصۂ لیلیٰ و
نوں » کے کل ۲۰۵ اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ مندرجۂ بالا قطعہ کے ۲۰ اشعار کا
ن انہیں آٹھ صفحوں میں شامل ہونے کا سوال ہوسکتا ہے لیکن حقیقتاً یہ چیز امکان
ے بہت دور ہے۔ ۱۳۵ اشعار صرف آٹھ صفحوں میں نہیں آسکتے ہیں کیونکہ
ص ۷۹ اور ۸۰ ملا کر ۳۱ اشعار ہوتے ہیں اور ص ۷۸ پر سولہ اشعار ہیں اور ص ۷۷
بھی سولہ اشعار ہیں۔ ص ۷٦ پر صرف سات اشعار ہیں لیکن یہ صفحہ پہلا ہونے
ے وجہ سے آدھے سے شروع ہوتا ہے اس لئے حساب لگانے میں اس صفحے کو

جھوڑنا پڑے گا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے پاس ۷۷، ۷۸، ۷۹ اور ۸۰ چار صفحے ہیں اور ان چار صفحوں پر اس کے صرف ۶۳ اشعار ہیں اس حساب سے آٹھ صفحوں میں صرف ۱۲۶ اشعار آسکتے ہیں ابھی «قصۂ لیلی و مجنوں» کے ہی ۹ اشعار باقی رہ جاتے ہیں۔ آدھے صفحے سے زیادہ تو ان ۹ اشعار کے لئے یوں ہی چاہئے اور اگر مذکورۂ بالا قطعہ کے ۲۰ اشعار کو بھی ہم ان ہی آٹھ صفحوں میں شامل کرنا چاہیں تو یہ سخت غلطی ہوگی۔ جلد ٤ میں تمام نظمیں ہیں ایسی صورت میں غزل اور قطعہ وغیرہ کے اس کتاب میں شامل ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اتنی لمبی بحث کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر «قصۂ لیلیٰ و مجنوں» ہی جلد ٤ کی آخری نظم ہے تو اس کتاب کے کل ۸۹ صفحے ہیں اور ص ۸۹ پر اسی نظم کے ۹ اشعار ہیں اور شاید ص ۸۹ ہی اس جلد کا آخری صفحہ ہے لیکن اس کے بعد اور نظموں کا ہونا بھی امکان سے باہر نہیں ہے۔

فرحت ایڈیشن ضمیمہ دیوان

فرحت ایڈیشن کا ضمیمہ دیوان البتہ ایک نئی چیز ہے لیکن بڑی محنت کے بعد ہم نے پتہ لگایا ہے کہ یہ ضمیمہ دیوان نیا ہوتے ہوئے بھی بالکل نیا نہیں ہے اس دیوان کی چند غزلیں آگرہ ایڈیشن کے دیوانِ دوم کی ہی غزلیں ہیں اس کے علاوہ کچھ متفرق اشعار بھی ملتے جلتے ہیں۔

اس دیوان کی ردیف الف کی تین غزلیں آگرہ ایڈیشن کے دیوانِ دوم میں موجود ہیں۔ فرحت ایڈیشن میں ان میں صرف ایک غزل پوری ہے اور باقی دو غزلوں میں سے ایک تو صرف آدھی ہے اور ایک کے دو اشعار کم ہیں ان غزلوں کے مطلعے یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلی غزل: کیا جو یار نے ہم سے پیام رخصت کا تو دم نکل گیا سنتے ہی نام رخصت کا

دوسری غزل: تجھے کچھ خدا کا ترس ہے او سنگدل ترسا

ہمارا دل بہت ترسا ارے ترسا نہ اب ترسا

اس غزل کے حسب ذیل دو اشعار فرحت ایڈیشن کے ضمیمہ میں نہیں ہیں لیکن اگرہ ایڈیشن کے دیوان دوم میں موجود ہیں۔

فقط تیری نگہ سے تو نہ دل کی آرزو نکلی ترے قرباں لگا ایکے کوئی اس سے بھی بہتر سا

نہ جاؤں میں تو اس کے پاس لیکن کیا کروں یارو

یکا یک کچھ جگر میں آکے لگ جاتا ہے نشتر سا

ـری غزل : آغوشِ تصور میں جب ہمنے اسے مسکا
تب پائے نزاکت سے اک شور تھا بس بس کا

یف ن کی بھی ایک غزل ملتی ہے جس کا مطلع یہ ہے ۔
فائی اس کی جھلکتی ہے گورے سینے میں چمک کہاں ہے یہ الماس کے نگینے میں
.یف ن کی اس غزل کے اشعار نمبر ۲، ۳، ۷، ۸، اور ۹ آگرہ کے دیوان میں
ں ہیں لیکن آگرہ کے دیوانِ دوم کی اسی غزل میں ایک شعر ہے جو فرحت
ڈیشن کے ضمیمہ دیوان میں بھی نہیں ہے ۔ وہ شعر یہ ہے ۔
ؤ کر کے وہ کہتے ہیں لو ہم آتے ہیں بلا سے اب جو خلل ہو کسی کے جینے میں
اس دیوان کے ردیف ہ میں متفرقات کا ایک شعر آگرہ کے دیوان دوم کی
.یف ہ کی آخری غزل کے ایک شعر سے ملتا ہے ۔ مرزا صاحب کے یہاں صرف
ک شعر ہے لیکن آگرہ ایڈیشن میں پانچ اشعار کی پوری غزل ہے وہ شعر یہ ہے ۔
ابد آزاد ہیں دام و قفس کے جور سے بلبل تصویر و طاؤس خیال آئینـــہ
اس میں کوئی شک نہیں کہ کتابت یا قراءت کا اختلاف ہے مگر فرحت
ڈیشن کے مقابلہ میں آگرہ ایڈیشن صحیح تر معلوم ہوتا ہے ۔

غلام حسنین ندوی، پھلواری شریف،

بہار کا ایک گمنام شاعر

پٹنہ ضلع میں فتوحہ اسلام پور کے درمیان ایک مختصر سی بستی «دنیاواں» ابھی تک موجود ہے عہد شاہجہانی کے آخری دور میں اسی موضع دنیانواں کے مولانا سید علاء الدین شہر پٹنہ کے قاضی تھے۔

قاضی سید علاء الدین موصوف نے دنیاواں کی اقامت ترک کرکے شہرؔ پٹنہ سے متصل قصبہ «پھلواری» میں بود و باش اختیار کرلی۔ ان کا مزار یہیں پھلواری شریف کے محلہ باولی میں ہے لیکن اب اس کا نشان بھی مٹ گیا۔ فقیر اور بستی کے اکثر سن رسیدہ حضرات اس مقام کو پہچانتے ہیں۔

قاضی علاء الدین کے صاحبزادے سید جمال الدین بہجت تھے۔ یہ ملا کمال الدین سہالوی کے شاگرد تھے اور شاعری میں عہد اورنگ زیب کے شاعر ناصر علی سرہندی سے اصلاح لی تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ اپنے ہی وطن میں انہیں کوئی منصب مل جائے لیکن یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ سنہ ۱۱۳۲ھ میں انہیں قاضی کا عہدہ عطا ہوا مگر بنگالہ میں۔ کچھ دنوں وہاں رہ کر مستعفی ہوگئے اور اپنے وطن پھلواری آگئے۔ بیکاری کی وجہ سے ان کا آخری دور بہت عُسرت میں گذرا۔ شہرۂ آفاق شاعر شیخ علی حزین سے قاضی جمال الدین کے خاص روابط تھے۔ راجہ رام نرائن (ناظم بہار سنہ ۱۷۵۳ تا ۱۷۶۱ء) شیخ علی حزین کے بہت معتقد تھے۔ قاضی جمال الدین کے دور عسرت میں شیخ علی نے ایک سفارشی خط بنام راجہ رام نرائن انہیں دیا تھا۔ اس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

راجہ صاحب والا مناقب سلامت۔

عزت و تقویٰ شعار مولوی جمال الدین پھلواری در امثال اشباہ ممتاز و بہ این محب صالحین بخصوصیت و اخلاص آشناست۔ اگرچہ احیانا مومی الیہ را حاجتے رو بدہد کہ ناچار بہ التماس باشد نظر التفاتے از او دریغ نداشتہ ملتمسی او را مقرون بقبول دارند و ظن قوی دارد کہ بے ضرورت تصدیع نہ خواہد داد و تکلیف نخواہد نمود۔»

دستور الانشا قلمی مملوکہ بابو رائے متھرا مہاراج گھاٹ، پٹنہ سٹی)
یہ کتاب پروفیسر سید حسن عسکری معتمد شعبۂ تاریخ پٹنہ یونیورسٹی کالج نے
ول اول دیکھی اور یہ نقل انہیں کے ذریعہ پھلواری شریف پہنچی۔
غالباً راجہ رام نرائن کے دربار سے قاضی جمال الدین مستفیض نہ ہوسکے
کیونکہ آخری عمر میں آپ آگرہ چلے گئے اور وہیں سنہ ۱۱۸۰ ھ میں آپ کی وفات
ہوئی اور یہی سنہ شیخ علی حزین کی وفات کا بھی ہے۔
بہجت کی ایک نعتیہ غزل صوبۂ بہار کی مجلس سماع میں عام طور سے گائی
جاتی ہے۔ اس کا ایک شعر ہے:
ا اقول کیف حالی حیث لا یخفی علیک انت تعلم ما مضیٰ وما سیاتی یا رسول
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا مسئلہ اب سے کچھ عرصہ پہلے علمائے دیوبند
و علمائے بریلی کے درمیان معرکہ آرا رہا ہے۔
قاضی جمال الدین بہجت اس شعر میں بہت پہلے علماء بریلی کی تائید کر گئے
ہیں۔

میرے اس مقالہ کے ہیرو «مفتی غلام مخدوم ثروت» انہیں قاضی جمال الدین
بہجت کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ سنہ ۱۱۴۰ ھ میں «پھلواری» میں پیدا ہوئے۔
پنے وقت کے بڑے ممتاز عالم اور جادو بیان شاعر ہوئے۔ آپ پٹنہ میں «مفتی عدالت»
ہے۔ «کمپنی بہادر» کی دیوانی کا دور شروع ہوچکا تھا۔ جہانتک پتہ چلتا ہے
پنے تعلیم زیادہ تر اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور شاعری میں حضرت شاہ
یت اللہ شورش سے بھی کلام پر اصلاح لی ہے۔ ابھی حال میں چند مضامین شائع
وچکے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اردو زبان میں مرثیہ گوئی کی ابتدا بہار میں
شاہ آیت اللہ شورش پھلواروی سے ہوئی ہے اور صوبۂ بہار میں اردو مرثیہ گوئی اتنی
ی قدیم ہے جتنی ملک کے کسی اور حصے میں۔ حضرت شاہ آیت اللہ شورش اردو
راثی میں اپنا تخلص مذاقی کرتے تھے اور اردو غزل میں جوہری۔ یہ سب انکشاف
حال میں حیدرآباد دکن کے پروفیسر سروری نے خانقاہ سلیمانیہ پھلواری شریف کے
کتبخانہ سے مراثی کا ایک پرانا قلمی مجموعہ ڈھونڈ کر کیا ہے۔
مجلہ ساقی (کراچی) کے پچھلے سالنامہ میں اس مبحث پر ایک سنجیدہ مضمون
پروفیسر سید اختر اورینوی (پٹنہ) کا شائع ہوچکا ہے۔

مفتی غلام مخدوم ثروت کے جد بزرگوار قاضی سید علاء الدین نے دنیاواں چھوڑ کر پھلواری کی اقامت کیوں اختیار کی اس کی وجہ بظاہر یہی سمجھ میں آتی ہے کہ آپ کا روحانی تعلق پھلواری کی خانقاہ جنیدیہ سے ہوا ہوگا جو اس زمانے میں آباد اور عروج پر تھی۔ حضرت شاہ آیت اللہ شورش اسی خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔ حضرت شاہ آیت اللہ کے والد ماجد کا نام نامی مولانا «محمد مخدوم» (سنہ ۱۰۹۲ تا ۱۱۷۳ھ) تھا۔ بہجت آپ ہی کے مرید تھے۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ اسی رعایت سے قاضی جمال الدین بہجت نے اپنے فرزند کا نام «غلام مخدوم» رکھا تھا۔

اس فقیر کو حضرت شاہ آیت اللہ پھلواری رحہ کی جزئیت والد اور والدہ دونوں ہی کی جانب سے پہونچتی ہے۔

مفتی غلام مخدوم ثروت کے وقت میں پھر انکے گھر میں دولت و ثروت آئی۔ خاندانی وجاہت اور ذاتی صلاحیت دونوں ہی اجاگر ہوئیں۔ سرنامہ میں آپ کو گمنام محض اس لئے لکھا گیا کہ ایسی نامی گرامی شخصیت کی یاد اور یادگاریں گردش زمانہ کے ہاتھوں اب محو ہو رہی ہیں۔ آپ کی وفات سنہ ۱۲۱۹ھ میں ہوئی۔ پھلواری شریف کے ایک محلہ گوالہ ٹولی میں جہاں پر اب مسلمان آباد نہیں ہیں ایک بلند چبوترہ پر آپکا پختہ مزار اب تک قائم ہے عوام میں یہ مزار «پیر بخارا» کی درگاہ کے نام سے مشہور ہے اور اس لقب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مدت دراز تک معتقدین بخار کے مریض کو اس مزار کی اینٹ دھوکر غسالہ پلاتے تھے جس کی برکت سے مریض شفا پاتا تھا افسوس ہے کہ لوگ اس مزار سے «کونین» کا مصرف تو لیتے رہے لیکن اس یادگار اور صاحب مزار کی یاد کو باقی رکھنے کے لئے کچھ نہ کیا اور اس وقت یہ مزار کس مپرسی اور شکستگی کی حالت میں ہے۔

مفتی غلام مخدوم ثروت کی نسل زیادہ نہ پھیلی۔ اب سے تقریباً اسّی نوّے برس پہلے آپ کی نسل سے ایک معزز بزرگ شاہ مُهدیّن (غالباً شاہ محی الدین) علیہ الرحمہ یہاں پر تشریف رکھتے تھے۔ اور آپ سے بیعت و ارشاد کا سلسلہ اس گھر میں جاری تھا۔ لیکن کسی وجہ سے آپ کو یہاں کی اقامت ترک کرنی پڑی اور یہاں سے ترک وطن کرکے عظیم آباد پٹنہ میں جا کر آباد ہوئے۔ میں نے بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ اس ترک وطن کا سبب معاصرت اور باہمی رنجشیں تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب اب اس خاندان میں کوئی نمایاں شخصیت باقی نہیں ہے۔ [illegible]

ایک ہشتاد سالہ معمر مہر صاحب یادگار سلف باقی رہ گیے ہیں۔ مگر افسوس ان کے بھی کوئی اولاد نہیں۔ بہے نام اللہ کا فارسی کلام اور شعر کی دنیا میں پھلواری کیے شاہ نورالحق تپاں. شاہ ابوالحسن فرد (راقم الحروف کے پرنانا)، اور شاہ علی حبیب نصر (راقم الحروف کے نانا) رحمہم اللہ کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

حضرت فرد کا دیوان دوبار شائع ہوا. حضرت نصر کا دیوان بھی شائع ہوا ان بزرگوں نے ایسے جانشیں چھوڑے جنھوں نے اپنے اسلاف کی یادگاروں کو باقی رکھنے میں سعی بلیغ کی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس پاے کے اور بھی شعرا یہاں گذرے ہیں۔

پھلواری کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ یہاں کے تقریباً سبھی علماء شاعر اور صوفی تھے اور ان میں سے اکثر طبیب بھی تھے۔

مفتی غلام مخدوم ثروت حضرت تپاں (سنـــہ ۱۱۵۶ـ۱۲۳۳ ھ) اور حضرت فرد (سنـــہ ۱۱۹۱تا ۱۲۶۵ ھ) سے متقدم اور حضرت شورش کے ہمعصر. شاگرد و مسترشد تھے۔

ثروت کے بعض اشعار اس وقت بھی پھلواری کے ارباب ذوق کی زبان زد ہیں۔ ان کی علمی عظمت سے بھی لوگ واقف ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ آپ کے بعد پھلواری میں تذکرہ کی کئی اک کتابیں لکھی اور شائع کی گئیں لیکن ان میں حضرت ثروت اور اس اہم گھرانے کے حالات کا ذکر نہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مولفین نے اپنے تذکرے ایک خاص خاندانی انداز اور مخصوص رجحانات کے ماتحت لکھے ہیں۔

ان چند سطروں کے قلمبند کرنے کا محرک ایک حسن اتفاق ہے۔ کچھ دن ہوئے اپنے کتب خانہ خانقاہ سلیمانیہ کا جائزہ لیتے ہوئے ایک پرانا ضخیم قلمی دیوان بہت پوشیدہ حالت میں ملا۔ جلد پر جلی حرفوں میں سیاہ روشنائی سے لکھا ہوا ہے "دیوان ثروت یعنی مفتی غلام مخدوم صاحب مرحوم"۔ پھر کتاب کے پہلے صفحہ پر میرے حضرت قبلہ والد ماجد مولانا قاری شاہ محمد سلیمان پھلواری رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے لکھا ہے۔ "دیوان مفتی غلام مخدوم ثروت پھلواری رح"۔

اس دیوان میں تقریباً ڈیڑھ سو غزلیں ہوں گی۔ ہر مقطع میں تخلص "ثروت" سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ کتابت کا اسلوب یہ ہے کہ کاف فارسی پر بھی

بجائے دو مرکز کے ایک ہی مرکز ہوتا ہے اور یائے معروف کو مجہول اور مجہول کو معروف لکھا گیا ہے جیسا کہ پرانا دستور تھا اور مرزا غالب کی تحریروں میں بھی ایسا ہی پایا جاتا ہے ۔

غزلوں کے بعد چند رباعیاں جناب امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ علیہ السلام کی شان میں اور دو تین رباعیاں حضور غوث اعظم رح کی منقبت میں ہیں۔ اسکے بعد چند لمبے قصائد ہیں لیکن افسوس ہے کہ کچھ آخری اوراق جن میں قصائد کے بقیہ حصے ہوں گے غائب ہیں۔ اس لئے یہ بڑی کمی رہ گئی کہ کاتب کا نام اور سنہ کتابت ظاہر نہ ہوسکا۔

آپکے بعض اشعار جو میں نے اپنے بزرگوں سے سنے تھے اور مجھے زبانی یاد تھے اس دیوان میں مل گئے ۔ انہیں میں ایک شعر یہ بھی ہے ۔

قطع روزے کہ جنون خلعت سودا میکرد راست بر قامت ما دامن صحرا میکرد

ذیل میں دیوان سے پوری غزل نقل کئے دیتا ہوں :

آنکہ با خویش در آئینہ مدارا میکرد کاش از دیدۂ عشاق تماشا میکرد

یاد روزیکہ ز خُم نقل بمینا میکرد کوزہ گر ساغرِ مے ز آب و گلِ ما میکرد

کُشتنی سوختنی بود کہ پیش تو بلند شمع گردن زدنی گردن دعوی میکرد

جز خط سبز لب یار کہ جان می بخشد کس شنید است خضر کار مسیحا میکرد

یوسف از خاطر او خواب فراموش شدے گر تماشا بتو در خواب زلیخا میکرد

رائگاں خون من از دست نمی رفت چنین ترک من کاش نگارین کف پا را میکرد

دیدم امروز کہ در حالت نزع است خموش آنکہ ہر شب بسر کوے تو غوغا میکرد

درک گر چاشنیِ درد مسیحا میکرد ہمچو من زندگی تلخ گوارا میکرد

قطع روزیکہ جنون خلعت سودا میکرد راست بر قامت ما دامن صحرا میکرد

گرچہ رنگین شدہ از خونِ شہیدان اے کاش یار می آمد و از بلم تماشا میکرد

حُسن ہر کس نہ حریف کشش عشق شود ورنہ عزم سفر از مصر زلیخا میکرد

جذبۂ قیس عنانگیر نمی گشت اگر کے رہِ بادیہ گم ناقۂ لیلیٰ میکرد

مانع سوز جنون حلقۂ زنجیر شدے مہر گرداب اگر بر لبِ دریا میکرد

کے تبری کند از ثروت خود شاہ نجف چونکہ پیوستہ ہمہ عمر تولا میکرد

چھوٹی بحر میں ایک اور غزل بغیر کسی کاوش انتخاب کے ذیل میں درج کرتا ہوں

که آپ کے انداز کلام کا کچھ اندازہ ناظرین کرسکیں۔

صباحت آئینہ دار تو باشد ملاحت یک نمک خوار تو باشد
بامیدیکه آئی بر لب بام جہانے زیر دیوار تو باشد
بدام خط فتاد از بند زلفت ہمی دل نو گرفتار تو باشد
بدور چشم ساقی ترسم اے شیخ که رہن بادہ دستار تو باشد
ہمیشہ دختر رز میکشد آب مگر ساقی بر ستار تو باشد
چو عینک نقش نعلین تو داریم نگاہم کفش برادر تو باشد
بمعنی ہرکہ باشد محو رویت بصورت نقش دیوار تو باشد
بدام سبحۂ زاہد نیاید دلم در بند زنار تو باشد
بسوزد شمع خود در بزم صرصر مگر لاله ہوا دار تو باشد
تو ثروت آن شه اقلیم عشقی که مجنوں یک زمیندار تو باشد

ثروت کی رباعیات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کہنے کا مقصد صرف
ے «تفضیلی» عقیدہ کا اظہار ہے۔ فرماتے ہیں:

اصحاب نبی نجوم دیں اند یکسر چوں مہر منیر ہست اما حیدر
در رتبۂ چارمیں خلافت آمد بر چرخ چہارم است خورشید نگر

سری رباعی میں کہتے ہیں:

گیرم که کسے زجمله بهتر باشد بر جاے نبی امام رہبر باشد
بہتر زعلی ولے نباشد ہرگز بہتر زعلی مگر پیمبر باشد

اتے ہیں:

آنرا که لواے جمله افسر باشد در روز قیامتش که ہمسر باشد
معراج علی که شد بدوش احمد قدر که ازو بلند و برتر باشد

اور رباعی میں ارشاد ہوتا ہے:

اے صاحب دلدلت وقارے باشد نزدیک خدات اعتبارے باشد
اصحاب نبی اگر چه بریک راه اند فرقے به پیاده و سوارے باشد

رباعیوں سے پہلے ایک غزل ہے۔ مضمون کو ختم کرنے سے قبل اسے بھی نقل
ے دیتا ہوں۔ اس سے تصوف میں شاعر کے مسلک «وجودی» پر خاص روشنی

بدل آن ترک را میل جفا بود فضاے سینہ دشت کربلا بود
کدامین قطرہ از دریا جدا بود فناے ما ہمہ عین بقا بود
بحال خویش شب در گریہ بودم فلک را خندۂ دندان نما بود
ز کاکل شب پریشان خاطرم بود ندانم من کجا و دل کجا بود
نہ تو بودم نہ من بود و نہ او بود خدا بود و خدا بود و خدا بود
چہ می پرسی ز من سر زمانہ خدا باشد خدا ہست و خدا بود
نہ بر توحید الا را دلالت نہ عالم بود و نے مدلول لا بود
درون تخم چون پنہان درخت است دو عالم در طفیل مصطفیٰ بود
توکردی جلوہ چون در ذرہ خورشید بہ ہستی بدگمان کے جانِ ما بود
لباس عاشقی پوشید ثروت بحسن خویشتن خود مبتلا بود

ـد سخاوت مرزا، حیدر آباد

سلطان محی الدین سالک، کڑپوی ثم حیدرآبادی

سلطان محی الدین نام، لقب غوث نما، سالک تخلص، ابن سید حسینی بادشاہ،
ن سید شاہ نور اللہ حسینی۔ (برادر سید شاہ کمال و شاہ میر راچوٹی) ابن سید شاہ
ـمال الدین بخاری المتوفی ۱۱۶۲ ھ از اولاد حضرت سید جلال بخاری المعروف بہ
ـوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہ۔

ـ گویا حضرت سالک رح، شاہ میر راچوٹی کے منجھلے بھائی شاہ نور اللہ رح
ں اولاد میں، اور شاہ مقبول میسوری رح شاہ کمال رح اور سیـــد شاہ عبد الحق
'ہمیر کڑپوی، سید جیلانی بادشاہ ابن شاہ مـیر راچوٹی کی اولاد میں تھے۔ گویا کہ
ب بنی اعمـام سے تھے۔ اور صاحب علم و فضل زاہد و متقی ارر محققین صوفیـاء
،راس میں ان کا شمار تھا اور اردو زبان کے شیدائی تھے،

سـالک رح کڑپہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت صحیح طور پر معلـوم نہیں۔
پ کے والد ماجد نے سنہ ۱۲٤۱ ھ میں وفات پائی ہے۔ اس لحاظ سے ان کی تاریخ
۔ائش تقریباً ۱۲۲۱ ھ معلوم ہوتی ہے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت کڑپہ میں والد بزرگوار کے زیر عاطفت پائی، اور غالباً
لد کی وفات کے بعد تلاش پیر میں وطن کو خیر باد کہا، چنانچـہ سالک کے ایک
اص مرید مولوی امام محی الدین خاں، رجا حیدر آبادی ابن محمد منیرالدین خاں بہادر
، اپنے پیر و مرشد اور ان کے بعض اجداد کے حالات میں فارسی زبان میں ایک
ـصر تذکرہ لکھا ہے۔ جس کا تاریخی نام «اثراعتقاد» ہے، جس کے اعداد ۱۲۷۷ھ
آمـد ہوتے ہیں۔ گویا یـہ تذکرہ سالک رح کی زندگی ہی میں لکھا گیا تھا۔ اس
ں سالک کے حالات کا خلاصہ یہ ہے:

ھـ[1] سالک رح نے نوجوانی ہی میں وطن عزیز کو خیر باد کہا، اور ویلور میں دس
ال مقیم رہے، اور علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی، اور کچھ فیوضات باطنی سے بھی

۔ اثر اعتقاد فارسی مخطوطہ کتبخانہ شاہ میریہ کڑپہ، جنوبی ہند۔

استفادہ کیا، اس کے بعد یہاں سے آرکاٹ چلے گئے اور وہاں چار سال قیام پذیر رہے، یہاں سے مدراس پہنچے' اور کچھ عرصہ قیام فرمایا، مگر کچھ ایسے سخت مصایب و تکالیف میں مبتلا رہے جو بیان سے باہر ہے حق' کہ دنیا سے برداشتہ خاطر ہوکر صحرانوردی اختیار کی اور سخت ریاضت و چلہ کشی کرتے رہے۔ اگرچہ کہ اس سے قبل بھی ریاضت میں کمی نہ کی تھی» حامی کے الفاظ یہ ہیں:

«اگرچہ کہ قبل چلہ کشی و صحرانوردی، ہم ریاضت و تجسس کمالات بدرجہ اتم بود الخ»

«چنانچہ سلاسل قادریہ و چشتیہ و سہروردیہ و طبقاتیہ میں اپنے برادر عمزاد سے خلافت حاصل فرما چکے تھے لیکن قادریہ طریقہ کی مزید اجازت. اپنے مرشد و عزیز سید شاہ میر المعروف بہ شاہ میاں ۱۲۰۰ تا ۱۲۶۸ ھ سے بھی حاصل کی، اسکے بعد سالک رح نے ایک اور بزرگ سید شاہ فخر الدین شطاری سے بھی ربط پیدا فرمایا اور طالب ہوگئے۔ باوجود اس کے کہ علوم ظاہری و علم باطنی اور قال صحیح و حال صحیح کے تو حامل ہی تھے، ان کی صحبت فیض با برکت کا یہ اثر ہوا کہ سالک رح کو مجلس غوث الثقلین رض میں رسائی ہوگئی. نیز' عالم مثال میں جمیع انبیا علیہ السلام و اولیاء کرام کی ملاقات سے بھی شرف اندوز ہوئے اور بہت سی باطنی نعمتیں حاصل کیں، چنانچہ آپ کو قصیدہ خمریہ کی اجازت عالم مثال میں حضرت محبوب سبحانی رح سے عطا ہوئی تھی، اور ایک دعا کی اجازت بھی، چہار اقطاب عالم حضرات عبد العلم و عبد المرید رح و عبد الحی رح سے پائی یعنی سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر الخ»۔ (ملخص ترجمہ از اثر اعتقاد فارسی)

سالک رح حیدرآباد کب وارد ہوئے صحیح پتہ نہیں چلتا' قیاس یہ ہے کہ سنہ ۱۲۶۸ ھ یعنی حضرت شاہ میاں رح کے وصال کے چند سال بعد آئے ہوں گے۔ اور یہ زمانہ نواب افضل الدولہ ۱۲۴۴-۱۲۸۷ ھ کا ہے[1] اور بقیہ عمر یہیں گذاری. گویا اپنے والدکی وفات ۱۲۴۱ ھ کے بعد وطن چھوڑا، دس سال ویلور میں، چار سال آرکاٹ میں، اس کے بعد مدراس میں. اس طرح پندرہ بیس سال سیر و سیاحت کے بعد اپنے وطن کڑپہ آئے' شاہ میاں رح سے فیض حاصل کیا اور ان کے وصال سنہ ۱۲۶۸ ھ تک وطن ہی میں رہے۔ اس کے بعد حضرت فخر الدین شطاری غالباً صبغة اللہی سے

۱۔ بستان آصفیہ مولفہ مانک راو وٹھل راو ص ۶۵, ۶۸

بہت کچھ فیض پایا، اور حیدر آباد تشریف لائے ۔ [1] آپ کو سلسلۂ سہروردیہ و شطاریہ میں بتوسط حضرت جنید ثانی بیجاپوری و سید شاہ نور اللہ کڑپوی جد خود، حضرت علامہ شاہ وجیہ الدین گجراتی قدس سرہ سے خلافت حاصل تھی اور سلسلہ قادریہ میں سالک سید شاہ حسینی بادشاہ کے خلیفہ تھے اور وہ سید موسیٰ صالح قادری کے اور وہ سید محی الدین بادشاہ کے اور وہ سید نوراللہ بادشاہ قادری قدس سرہ کے۔ اور طریقہ چشتیہ میں سالک خلیفہ تھے سید شاہ میر حسینی عرف بیرنگ کے اور وہ سید محی الدین بادشاہ کے اور وہ سید جیلانی بادشاہ کے اور وہ سید محی الدین بادشاہ چشتی کے اور وہ سید محمد حسینی میر راچوٹی کے ۔ جن کا سلسلہ سید شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپوری تک پہنچتا ہے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کا قیام حیدر آباد کے ایک محلہ سیدی عنبر بازار محلہ فیل خانہ میں تھا، غرض یہاں تیس پینتیس سال تک رشد و ہدایت کا بازار گرم رکھا۔ حیدر آباد میں آپ کے خاص مریدین و معتقدین میں مولانا غلام محی الدین [2] رجا تلمیذ فیض رح اور ان کے صاحبزادہ امام محی الدین خاں حامی ہیں، جنہوں نے آپ کے اور آپ کے بعض اجداد کے حالات قلمبند کئے ہیں' جس کا تاریخی نام «اثر اعتقاد» ۱۲۷۷ ھ ہے ۔ اور دوسرے مشاہیر حیدر آباد میں' حضرت میر غلام حسین المعروف بہ مرزا سردار بیگ [3] ۔ المتوفی ۱۳۱۰ ھ، شاہ محمد حسن بیدری المتخلص بہ محو [4] ، اور آغا داود صاحب صحو المتوفی ۱۳۲۴ھ، مولوی حسن الزماں صاحب رح وغیرہ ہیں. امراء میں نواب سالار جنگ اولیٰ (۱۳۰۰ ھ) اور نواب مکرم الدولہ آپ کے معتقد بیان کئے جاتے ہیں ۔ (راوی، مجاور درگاہ قطب الدین).

معاصر شعرا :

معاصرین شعراء مدراس میں، جنہوں نے آپ کی تصانیف کے قطعات تاریخی کہے ہیں وہ غلام محی الدین رجا حیدرآبادی ثم مدراسی کے علاوہ، سید علی عازم، سید غلام دستگیر نظم، سید نوراللہ بخاری، درویش ، ہیں، چنانچہ آپنے ان اصحاب کو باسطرح مخاطب کیا ہے، رجا «فخر سخنوراں استاذ یکتا» عازم «محب دل مشفق» اور نظم «برادر عزیز القدر» اور درویش «اخوی حقیقت کیش» ' وغیرہ،

---

[1] - تجلی انوار قلمی فارسی مصنفہ سید شاہ نور اللہ بخاری جد اعلیٰ سالک رح قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد.
[2] - تذکرہ اولیاء دکن مولفہ عبد الجبار خاں ملکاپوری مطبوعہ.
[3] -
[4] -

(دیکھو، مثنوی عشق مصطفٰے تصنیف ۱۲۷۸ھ مطبوعہ مدراس)۔ اسی زمانے میں رہا تلمیذ فیض نے اپنی مثنوی قصہ تمیم انصاری الموسوم بہ « ساغر زیبا» (۱۲۸۰) کہی تھی جو مدراس میں طبع ہوئی۔

نیز شاہ محمد عبداللہ مشتاق خلیفہ سید شاہ غلام محی الدین ویلوری المعروف بہ قطب ویلوری[1] محمد قاسم سرآب اور سید بہاؤ الدین محبت آپ کے معاصر شعراء مدراس ہیں۔

وصال:

ہر سال ۱۱ ذالحجۃ الحرام کو آپ کا عرس ہوتا ہے مزار کنٹہ گوشہ محل حیدر آباد میں لب سڑک واقع ہے، کوئی مقبرہ نہیں ہے۔ صحیح سنہ وفات دستیاب نہیں ہوا، موجودہ متولی درگاہ نے عرس کے موقعہ پر ایک تختی آویزاں کی تھی جس پر سنہ وفات سنہ ۱۲۸۰ھ درج تھا۔ مگر یہ غلط ہے اس لئے کہ اصطلاحات صوفیہ میں آپ کی ایک تالیف مفتاح الحقایق کاذکر ہے جو سنہ ۱۲۸۹ھ میں لکھی گئی ہےاور سنہ ۱۲۹۳ھ میں طبع ہوئی جس سے مترشح ہےکہ اس وقت سالک بقید حیات تھے بہر حال سالک کا وصال عشرہ آخر تیرہویں صدی ہجری میں ہوا ہوگا۔

اولاد:

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے دو فرزند اور ایک صاحبزادی تھی۔ ایک لڑکے کا آپ کے حین حیات انتقال ہو گیا تھا۔ دوسرے فرزند لاولد رہے صاحبزادی صاحبہ عرصہ تک زندہ رہیں جن کی اولاد تھی مگر اب بیان کیا جاتا ہے کہ کسی کا وجود نہیں۔ پائین مزار میں ان کی قبروں کی نشان دہی کی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سالک کے معتقد بعض بمبئی کے گجراتی بھی تھے جن کے مزار آپ کے درگاہ میں موجود ہیں مثلاً «حورباِئی سردار گڈھ» کتبہ بزبان گجراتی۔

آپ کا عرس، بعض مریدین و معتقدین کرتے رہے۔ جن میں مولوی عبدالرزاق ناظر عدالت فوجداری بلدہ سٹی (کریمنل کورٹ) حیدرآباد قابل ذکر ہیں ان کے بعد آپکے ایک مرید پیر خاں اور ان کے بیٹے لطیف خاں، اور اس وقت قطب الدین مجاور و خادم درگاہ کیا کرتا ہے۔ حضرت سالک کے خاندان کے لوگ کڑپہ میں موجود ہیں۔

---

[1] قطب ویلوری الشوق ۱۲۸۹ھ (مطلع النور مولف مولوی عبدالحی بنگلوری مطبوعہ)

خلفاء :

خلفاء کا حال بھی پردۂ تاریکی میں ہے ، البتہ حافظ منصور خاں آپ کے خاص
رید تھے ، جنہوں نے خاص اہتمام سے آپ کی تصنیف مفتاح الحقایق دارالطبع
سرکاری میں چھپوائی تھی اوس وقت مولوی شاہ حسن الزماں خلیفہ مولانا حافظ محمد
لی خیر آبادی اس مطبع سرکاری کے مہتمم تھے دوسرے امام محی الدین خان حامی
رزند رجا مرحوم مولف اثر اعتقاد تھے۔

تصنیفات :

حضرت سالک کڑپوی ثم حیدر آبادی کی اصلی یادگار اردو زبان میں آپ کی
سوفیانہ تصانیف اور اردو دیوان ہے ۔ جن کے نسخے کتبخانہ آصفیہ حیدر آباد،
جامعہ عثمانیـــــہ، ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد، موجودہ انجمن ترقی اردو ہند علی
ڑہ ، اور کتبخانہ خاندانی شاہ میریہ کڑپہ، میں مولانا سید قادر علی بادشاہ صاحب
بلہ کے پاس محفوظ ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے :

۱ دبستان طریقت : اردو منظوم در بیان پیری و مریدی ۳٤ صفحات متوسط
سنہ تصنیف ۱۲۷۱ ھ .

۲ مصباح الانوار، اردو منظوم در بیان لا الہ الا اللہ ۱۰ صفحہ سنہ ۱۲۷۳ ھ .

۳ مفتاح الاسرار، « در بیان بنائے انسانی و حقیقت روح ۳۱ صفحہ
سنہ ۱۲۷۳ ھ .

٤ مفتاح النجات، نثر اردو (عقاید و فقہ) ۱۳ صفحہ سنہ ۱۲۷۳ ھ .

۵ فوايد الصلواة، « (فقہ) ناقص -

٦ خلاصۃ الصوفیاء. « (عقاید صوفیہ) قلمی انجمن ترقی اردو، علی گڑہ .

۷ اسرار عرفا، تالیف ۱۲۷٤ ھ . قلمی « «

۸ اعتقاد الحق، « « « « «

۹ وصل نامہ « « « « «

۱۰ مسئلۂ خلافت « « « « «

۱۱ مراۃ المعرفت « « « « «

۱۲ کشف السالکین « ۱۲۷۳ھ. « « «

۱۳ مثنوی عشق مصطفیٰ « ۱۲۷۸ ھ. مطبوعہ مطبع غوثیہ مدراس

۱٤ وجدان الحق تقریباً ۱۲۸۱ ھ. قلمی کتبخانہ مولانا سید قادرعلی کڑپوی
۱۵ علم نکتہ تالیف ۱۲۸۵ ھ. قلمی ادارہ ادبیات، حیدر آباد
۱٦ رموز اعظم « « « انجمن ترقی اردو، علی گڑھ
۱۷ مخزن الاشغال « « « « «
۱۸ فیضان سلطان « « « « «
۱۹ برہان المقصود « کتبخانہ جامعہ عثمانیہ. حیدرآباد
۲۰ مثنوی نفحات الشہدا « ۱۲۸۰ ھ. تقریباً دو ہزار بیت کتبخانہ سالارجنگ
۲۱ دیوان سالک اردو فارسی ۱۲۸۵ ھ. ... انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ
ایضاً مطبوعہ ۱۲۸٦ ھ. کتبخانہ مولوی عبد المجید مرحوم انجینیر آدرش بلدہ

۲۲ ارشاد الطالبین تالیف ۱۲۸٦ ھ. ... انجمن ترقی اردو ہند. علی گڑھ
۲۳ مفتاح الحقایق فی کشف الدقایق (فارسی) تالیف ۱۲۸۹ھ. مطبوعہ سنہ ۱۲۹۳ ھ. دار الطبع سرکاری، حیدر آباد. کتبخانہ آصفیہ و مکہ مسجد حیدر آباد
۲٤ شرح تسمیہ اردو نثر ۲۱ صفحات قلمی کتبخانہ سید قادر علی بادشاہ سجادہ درگاہ شاہمیر کڑپہ
۲۵ طریقہ علم دعوات (عملیات خاندانی) قلمی « « «
۲٦ بستان سالک . . مطبوعہ کتبخانہ آصفیہ، حیدر آباد
۲۷ چراغ محبوبیہ . کتبخانہ مولانا سید قادر علی بادشاہ صاحب کڑپہ
۲۸ حقیقت المحققین (فارسی) تالیف ۱۲۷۹ ھ. شرح اصطلاحات قادریہ و چشتیہ ٤۲ اوراق کتبخانہ ادارۂ ادبیات، حیدر آباد

مگر ادارۂ ادبیات اردو کی فہرست میں ابتداء اور خاتمہ کی عبارت مختصر طور پر درج نہیں ہے. جس سے دوسرے نسخہ جات سے مقابلہ میں سہولت ہو. اسی موضوع کی ایک کتاب مفتاح الحقایق مذکور نمبر ۱۹ ملاحظہ ہو. ادارۂ ادبیات کی فہرست میں سنہ تالیف ۱۱۷۹ ھ غلط درج ہے.

۲۹ مجموعۂ مستزاد. حضرت عطار رح، رومی رح، شاہ محمد غوث گوالیاری رح، اور خود سالک. سنہ تالیف ندارد.

۳۰ مکتوبات سالک بنام سید علاؤ الدین رح اور شیخ امجد رح، فاضل مرتبہ نے

یہ ظاہر کیا ہے۔ جو مخطوطہ نمبر ۲۰٤ معرفت السلوک مکتوبہ سالک میں شامل ہے۔

غالباً سید علاؤ الدین رحہ ان کے ایک جد امجد سید شاہ کمال الدین کڑپوی متوفی ۱۲۲٤ ھ کے بہنوئی اور خلیفہ تھے (دیکھو شجرۂ شاہ کمال رحہ، حیدرآبادی ...س سرہ).

حضرت سالک قدس سرہ خطاط بھی تھے آپ کے ہاتھ کی قلمی کتابیں، ادارۂ ...بیات میں موجود ہیں.

) معرفۃ السلوک مصنفہ شیخ محمود چشتی، مکتوبہ سالک، ۸ رمضان سنہ ۱۲۷۹ ھ بمقام مدراس معہ مہر مستطیل «غوث نما» ۱۲۸۰ ھ.

) نشاط العشق، تصنیف ۸۳٤ ھ (تصوف فارسی) قلمی مکتوبہ سنہ ۱۲۷۸ ھ قلمی ... سالک.

) نکات الواصلین قلمی مکتوبہ ۱۲۷۹ ھ بمقام مدراس.

...ض مخطوطات غلط طور پر ان کے والد ماجد کی قلمی بیان کی گئی ہیں جو یہ ہیں:

۱) مخطوطہ ۱۵٦ تناولی مولفہ شاہ فقیر اللہ حیدر کتابت ۱۲٦٦ ھ کاتب حسینی بادشاہ.

) مخطوطہ نمبر ۱۵۸ چار کرسی طریقت، مصنفہ فقیر اللہ شاہ مکتوبہ سنہ ۱۲٦٤ ھ کاتب حسینی بادشاہ.

) مخطوطہ نمبر ٤۰۷ اتاولی. مصنفہ فقیر اللہ شاہ مکتوبہ ۱۲٦۰ ھ کاتب حسینی بادشاہ.

) مخطوطہ نمبر ٤۰۹ لاڑوکپور مصنفہ حسینی بادشاہ کتابت ۱۲٦٤ « «

فاضل مرتب تذکرہ مخطوطات ادارۂ ادبیات نے مذکورہ بالامخطوطات کی کتابت ...و حسینی بادشاہ پدر سلطان محی الدین سالک سے منسوب کر دیا ہے جو غلط ہے. ...ن لئے کہ سالک کے والد ماجد بھی حسینی بادشاہ تھے ان کا وصال سنہ ۱۲٤۲ ھ ...یں ہوا ہے.

حضرت سالک قدس سرہ کی اہم تصانیف میں ایک اردو دیوان ہے جو رنگ ...رفانہ اور اسرار و معارف سے مملو ہے.

دیوان کی تاریخ ترتیب سنہ ۱۲۸۵ ھ اورتاریخ طباعت سنہ ۱۳۸٦ ھ ہے. جس ...ں حسبہٖ ذیل اصناف سخن شامل ہیں. غزلیات اردو ٤۸. فارسی ١٤. مخمس ۱. ...باعیات اردو ۵۲. رباعیات فارسی ١٦. (مطبوعہ مطبع بشیر دکن حیدرآباد)

تاریخی قطعہ دیوان از مصنف:

اس میں اشارا ہے ظہور ذات اللہ کا بیان   کیوں نہیں دیوان یہ ہووے عارفوں کی جان جان
سال تاریخ اسکی جب سالک نے ڈھونڈا دل کہا   نام اس کا « مظہر منان » رکھ سن ہو عیان
۱۲۸٦ ھ

دیگر قطعه از مصنف :

جب کہ یہ گلدستہ کامل ہو چکا   تب ارادہ سال کا سالک کیا
روئے جمعیت سے اس نسخہ کا سن   « مخزن اسرار حق ہے » دل کہا
۱۲۸۲ ـ ۳ = ۱۲۸۵ ھ

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے سنہ تصنیف ۱۲۸٦ ھ لکھا ہے جو صحیح نہیں.

سالک کی دوسری تالیف شہادت نامہ اردو الموسوم بہ « نفحات الشہادت » ہے . جس کے تقریباً دو ہزار اشعار ہیں .

سالک کی تیسری تالیف . مفتاح الحقایق فی کشف الدقایق فارسی ہے جو اصطلاحات صوفیہ کی شرح میں لا جواب ہے . فارسی زبان میں حضرت سید شاہ نعمت اللہ ولی ، اور شیخ عبد الرزاق کاشانی کی کتابیں مشہور ہیں جو مختصر ہیں مگر ہمارا ناقص خیال ہے کہ یہ ایک بڑی جامع کتاب ہے . جس کے بیسیوں مأخذ ہیں . جن میں محققین صوفیاء مدراس مولانا شیخ عبد الحق مخـــدوم ساوی میلا پوری عرف دستگیر صاحب ، شاہ میر و شاہ کمال رح ، شاہ نور اللہ اور شاہ کمال الدین صدیقی ، سید غلام محی الدین ویلوری قدس سرہم بھی ہیں . متقدمین میں ، مراۃ العارفین ، گلشن راز ، لوایح جامی ، منطق الطیر عطار . وغیرہ اور لغات میں ، مدار وکشف و صراح ، و مزمل ، برہان ، شرح نصاب ، بہار عجم ، غیاث اللغات . وغیرہ ہیں .

آپ اپنی تصانیف اور قلمی تحریرات پر اپنی ایک مستطیل مہر بھی ثبت فرمایا کرتے تھے . (سلطان محی الدین بادشاہ قادری ۱۲۷۷ ھ) .

صوفیاء اور شاعری :

اردو زبان میں دور اول ہی سے شعرا کا ایک طبقہ ایسا گذرا ہے جسکو سوائے تصوف اور مسایل عرفان کے کسی اور چیز میں مزہ ہی نہیں آتا تھا . مولوی عبد الحق صاحب مدظلہ کی ایک تالیف ہی اس مبحث پر ہے . « اردو کی نشو و نما میں صوفیاء کرام کا کام » .

حضرت سالک قدس سرہ کے جد اعلی سید کمال الدین قدس سرہ فرماتے ہیں :

جس شعر میں کمالا تیں ہے مذاق وحدت ۔ طعمہ ہے بے نمک اور میوہ ہے بے حلاوہ
ں قسم کے شعراء فارسی زبان میں بھی گذرے ہیں مثلاً مولانا روم، شیخ فرید الدین
طار، عراقی، مغربی، ثنائی، شاہ نعمت اللہ ولی، مولانا جامی، حافظ رحمہم اللہ۔ بعض
خیال ہے کہ غزل میں تصوف کا عنصر ایسا ہونا چاہئے جیسے کھانے میں نمک،
نہ ایسی شاعری تبلیغ تصوف نہ سمجھی جائیگی۔ غرض اردو زبان تو ان اولیا اللہ کے
زدوں میں پلی ہے۔ نظم و نثر کا معتدبہ ذخیرہ ان حضرات کا موجود ہے۔

متقدمین میں حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز قدس سرہ کے بعض اشعار
تے ہیں۔ صوفیاء دکن میں آپ کا یہ شعر آپ کی طرف منسوب ہے اور زبان زد
لیا ہے:

پانی میں نمک گھول نمک بولنا کسے   جب گھل گیا نمک تو نمک بولنا کسے

پ کے صاحبزادے سید اکبر حسینی[۲] رح نے باوا فرید شکر گنج کے اردو اذکار
توہیں ہے توہیں ہے» لکھے ہیں۔ شاہ علی سانکڑے[۳] سلطان رفاعی رح کا منتر
زنجیرہ سانکڑے سلطان» ایک عامل نے مجھے سنایا تھا، شاہ عالم گجراتی کا منتر دانتوں
ے درد کا میں نے ایک کتاب میں دیکھا تھا «تم ایک ہم بتیس تمری ہمری کیسی
بس» اور شاہ احمد کھٹو[۴] گجراتی اردو میں تسبیح پڑھا کرتے تھے «گنج احمد
رکیجی مجھ سے نوازی کئے سر کیجی»، شاہ عیسیٰ جند اللہ رح[۵] برہانپوری سے
ک سادھو نے اردو میں پوچھا «گروجی پرمیشر ہے یا پرمیشریچ ہے» یعنی ہمہ
ست، آپنے فرمایا «پرمیشریچ ہے» شاہ حبیب اللہ بیجاپوری خلیفہ شاہ صبغۃ اللہ
جاپوری (۱۰۵۶ ھ) زیارت قبور کے لئے نکلے تو اتفاق سے ایک بزرگ کی قبر
بھوٹ گئی تو آواز آئی «ادریچ» یعنی کیا ادھر ہی (روضہ اولیا بیجاپور)۔ خود
الک کے خاندان کے ایک بزرگ شاہ برہان الدین حقانی ہمشیرزادہ شاہ کمال
ژبوی (۱۲۲٤ ھ) حالت وجد میں یہ شعر بڑے مزے سے گایا کرتے تھے:

مینا کھی ہے مینا «میں نا»   یک ذات حق کی «ہے نا»
اس واسطے رکھی ہوں   میں نام اپنا مینا «میں نا»

۔ دیوان جوہر العرفان: مطبوعہ ۱۳۲۱ھ بنگلور۔
۔ تبصرۃ الاصطلاحات مولفہ سید شاہ اکبر حسینی عرف میاں بڑی قلمی آصفیہ ۳۔ تذکرۂ ضیا بیابانی مطبوعہ حیدرآباد
۔ تذکرہ اولیای دکن ملکا پوری مطبوعہ جلد ۱۔
روایح الاقلیں قلمی ملفوظات شاہ برہان راز الہی۔ (تلخیص از ابو محمد عمر یافعی حیدرآباد)

یعنی معدوم بالذات موجود بالحق. غرض صوفیاء کے اقوال کا اردو میں بے بہا خزانہ ہے گویا اللہ نے اردو کی نگہداشت انہیں کے سپرد کی ہے. اسکو کون مٹا سکتا ہے. بہرحال سالک کا دیوان (مجموعہ اردو فارسی) عرفان کا مخزن ہے، سادگی و شستگی، رواتی، اثرانگیزی تو ان کی خاندانی چیز ہے البتہ بلحاظ مدراسی ہونے کے زبان اور تراکیب دکنی ہیں. ہم یہاں جناب سالک غوث نما شاہ قدس سرہ کا منتخب کلام ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:

آغاز:

تھا گنج میں اس ذات کے ہیرے کا اجالا　　اس گنج سے جب ہیرے نے اپنے کو نکالا
محتاج جو تھا نور کا وہ عدمِ اضافی　　اس ہیرے کے پرتو سے ہوا ماہ دوبالا
غیب میں ہستی کا اپنے آپ ہی دیوانہ تھا　　علم کی بھی قید سے اس جائے پر بیگانہ تھا
میکدے میں ایک دن بیٹھے تھے جاکر ہم تمام　　محتسب کا ڈر تھا پر سالک وہاں مردانہ تھا

گویا یہ ایک حدیث «کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق» کی تفسیر ہے.

دکھنی قافیہ کیا پرلطف ہے:

یار خلوت سے نکل چہرہ دکھانے کو لگا　　ڈر سے بدنامی کے خود نلم چھپانے کو لگا
گاہ یوسف کا وہ لے روپ بحسن دلخواہ　　دل زلیخا کا تعشق سے جلانے کو لگا
گاہ لیلیٰ کی ادا ناز و کرشمہ لے لے　　چشم مجنوں کو دکھا خوب رولانے کو لگا
حکم اللہ سے عیسیٰ ہو اٹھایا مردہ　　قم باذنی کی صدا، گاہ سنانے کو لگا
گاہ منصور کے پردے میں اناالحق کہہ کے　　آپ ہی فتوے کو دے، دار چڑہانے کو لگا
لے کبھی صورت سالک کو جہاں میں آکر　　اپنے اسرار کے اشعار بتانے کو لگا

حسب ذیل غزل بطرز غالب دہلوی ع زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئینگے کیا الخ کہی تھی

جانتے ہیں رنگ سب پھر رنگ تم لاوینگے کیا
منہ دکھاتے بارہا پھر ہم سے شرمائینگے کیا
تم وہی خلوت میں تھے جلوت میں بھی ہیں تو وہی
فرقت و وصلت میں وہ، صورت نئی لاوینگے کیا

دکھنی زبان ہے «لاوینگے» کے بجائے «لاؤگے» اور شرمائینگے کے بجائے «شرماؤگے» ہونا چاہئے تھا.

وحدة الوجود میں یہ بڑے پایہ کے اشعار ہیں:

چھپتا چھپتا آپ ہی اپنے میں مستانہ ہوا کیا قیامت ہے کہ کس پر کون دیوانہ ہوا
محفل و محبوب ومے، ساقی و پیمانہ ہوا تاکنے بادہ کشوں کو خود ہی میخانہ ہوا
نکلا خلوت سے انا کا پہن مردانہ لباس کردیا اپنے کو خود اپنا ہی دیوانہ، لباس
گاہ صورت سے حسین ابن علی کے آ، یہاں آپ ہی اپنا کیا یارو، شہیدانہ لباس
صورت یوسف میں آ کر آپ ہی شاہی کیا لے زلیخا کی ادا، پہنا عروسانہ لباس
واہ وا! کیا خوب تو آیا کدھر سے ہے کدھر کسلئے سالک کا اب، پہنا فقیرانہ لباس
اے زاہد ظاہربیں مردانہ تو ہے یا ہم اس شمع رخ حق کا پروانہ تو ہے یا ہم

طرز غالب دہلوی ع «دل ہی تو ہے نہ سنگ خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں»

عالم مثال اور اس کے کشف کا طریقہ:

جس کو نہیں کشود ہے، قلب کی سیر پاوے کیوں
مرتبۂ مثال کو ہاتھ میں اپنے لاوے کیوں
تن کو سمجھ مثال تو، اور نہ کر خیال تو
خطروں کو سب نکال تو ورنہ یہ حال آوے کیوں

اسرار ہمہ اوست:

ظہور ذات کا اپنے عجب بازار رکھتے ہیں
نہیں سود وزیاں ہے دیکھئے کچھ کار رکھتے ہیں
عجب گلزار ہے ان کا کبھی گلزار میں گل ہیں
میں بلبل اس کا ہوں گل میں جو وہ گلزار رکھتے ہیں
قبا پہنے ہیں اجلی سی، گلے میں طوق ہے کالی
ترانہ سرہشو کا گانے کو منقار رکھتے ہیں
رنگا رنگی دکھاتے ہیں ہزاروں رنگ کو رکھ کر
رنگیلے خود ہیں بیرنگی میں اپنے مار رکھتے ہیں

اسرار عشق:

کرتے ہو عشوہ ناز سنے، رکھتے ہو کام راز سے
ملتے ہو سوز و ساز سے کہنے کو منہ چھپاتے ہو
بات میں کرتے ہو ادا، چال میں حشر کو بپا
نام خدا کہوں میں کیا، فتنہ تمہیں جگاتے ہو

سالک کے جدا اعلیٰ، شاہ کمال فرماتے ہیں :

حال تحقیق سے کہتا ہے موحد ہمہ اوست   بولتا ہے سر تقلید سے ملحد ہمہ اوست

سالک مقلد نہیں بلکہ محقق ہیں اور سوچ سمجھ کر ہی فرماتے ہیں

وہی قیصر وہی دارا وہی فغفور واسکندر   وہی کسریٰ وہی محمود عادل اور فریدوں ہے

وہی سلطاں وہی لشکر وہی حاکم وہی مالک   وہی کرتا لڑائی ہے وہی کرتا یہ شبخوں ہے

وہی دیتا دلاتا ہے وہی پھر چھین لیتا ہے   وہی کرتا کراتا ہے پھر اپنا آپ ممنون ہے

وہی شعر و مخمس ہے وہی ہے فرد، اے سالک

وہی ہے بیت اور مصرعہ اسی کا سب یہ مضموں ہے

تیسرا شعر قضا و قدر کی غمازی کرتا ہے، «تعز من تشاء و تذل من تشاء و تنزع الملک من تشاء» باوجود اسکے حجۃ البالغہ کے آگے کسی کو دم مارنے کی جگہ نہیں بڑا نازک مسئلہ ہے. سالک جدامجد شاہ کمال نے فرمایا ہے ع ایک ہستی وانا کا ہے تحقق توحید خودی :

تو جو میں کہتا ہے ہر دم سوانیت کس کی   ہے مجاز اپنی تو از روئے حقیقت کس کی

کیا قیامت ہے، تعین یہ تعین ہے خدا   یہ نہیں جانتے، ہے ان میں، یہ صورت کس کی

نام بہ مرتے ہو کیوں ایک مسمیٰ ہے وہی

کسکی تم سمجھے ہیں وحدت بھی یہ کثرت کس کی

ڈھونڈنے کا ہیکو تم شہر و بیاباں میں خدا

اپنی صورت میں سمجھ لو کہ ہے سیرت کسکی

کیا بیاں تم سے کروں کون ہے وہ، اور میں کون

گر کہوں اپنی تو میں، بولو حقیقت کس کی

قلب عجیب و غریب لطیفہ غیبی ہے :

پا کر حقیقت دل اس کو یقیں سمجھ لے   کعبہ بھی ہے تو یہ ہے جنت بھی ہے تو یہ ہے

غیر خدا کو یارو موجود ہے سمجھنا   عصیاں بھی ہے تو یہ ہے بدعت بھی ہے تو یہ ہے

تفسیر قول حضرت شیخ محی الدین «وجودک ذنب لایقاس بہا ذنب» جو مسئلہ قیومیت پر دال ہے.

معرفت جمع اضداد کا نام ہے، رباعی :

جو ہوا حال و قال کا جامع   ہے وہ بیشک کمال کا جامع

جامعیت کا رتبہ وحدت ہے وہ جلال و جمال کا جامع
اناالحق کہنا آسان ہے اناالعبد کہنا مشکل ہے رباعی:

رب ہے ظاہر، تو ہے نہاں بندہ نہیں کچھ لحم و استخوان بندہ
ہے «اناورب» کا بولنا آساں پر ہے مشکل کہانا، ہاں، بندہ

مستزاد:

کسطرح سے وہ کنہ خفی آوے رقم میں آتے ہیں کمالات مگر قید قلم میں
ہے گوکہ ہر ایک سوا اظہارو بیاں سے بیحد و حصر ہے ہر ایک کی زباں سے
ظاہر کئے خود رنگ تجلی کے ہزاروں باطن میں وہی نقطہ جو دیکھاتھا قدم میں

سالک کے جدامجد حضرت شاہ میر کے برادر شاہ کمال کی مشہور غزل ہے جو حضرت سید شاہ عبداللطیف ویلوری قدس سرہ کو بھی بہت پسند تھی (دیکھو جواہر السلوک)

شخص دسے عکس میں یعنی جہاں بیچ رب عکس دسے شخص میں، رب میں جہاں اے عجب
صوفیہ کا یاد رکھ قاعدۂ کلیہ خلق نہ ہوجائے حق، عبد نہ ہو جائے رب

طرز شاہ کمال رح: سالک

رب سے عیاں عبد ہے، عبد سے ظاہر ہے رب
لازم و ملزوم سا ایک کا ہے اک سبب
ایک سے ہوتے ہیں لاک، لاک میں وہ ایک ہے
غیریت و عینیت حق سے ہے یوں روز و شب

بقول معظم شاہ دکھنی:

الف احد میں مخفی تھا سو شوقوں باہر آیا حرف حرف میں بھیس بدل کر میم کا گھونگٹ لایا

حضرت شاہ کمال:

اللہ میں ہوں کہنا بدعت اسے کہتے ہیں اللہ کا ہوکے رہنا سنت اسے کہتے ہیں
ہے تجھ سے رب جدا کب لیکن تجھے خبر نہیں ہجرت اسے کہتے ہیں فرقت اسے کہتے ہیں

سالک:

اپنے میں دیکھ رب کو، قربت اسیکو کہتے
گم ہو تو اس میں ہر دم۔ وصلت اسی کو کہتے
ذات خدا کا ہر دم رکھنا خیال سالک خدمت اسی کو کہتے، طاقت اسی کو کہتے

غرض حضرت سالک قدس سرہ کا کلام اپنے جد شاہ میرو شاہ کمال کی طرح اسرار و معارف کا گنجینہ ہے۔

کتابیات:

(۱) اثر اعتقاد (حالات خاندان سالک رح) مولفہ امام محی الدین حامی حیدرآبادی قلمی کتب خانہ شاہ میریہ کڑپہ صوبہ آندھرا

(۲) تاریخ بستان آصفیہ مولفہ مانک راؤ وٹھل راؤ مطبوعہ حیدر آباد دکن

(۳) تجلی انوار. مصنفہ مولانا سید شاہ نور اللہ بخاری جداعلی سالک قلمی. (کتب خانہ آصفیہ)

(٤) تبصرۃ الاصطلاحات، مولفہ اعظم المشائخ سید شاہ اکبر حسینی عرف بڑے میاں قدس سرہ قلمی (کتخانہ آصفیہ)

(۵) تذکرۂ ضیا بیابانی. (اولیاء بیابانی رفاعیہ) مولفہ مولوی غلام محی الدین بیابانی مطبوعہ حیدر آباد

(٦) تلخیص روایح الانفاس. قلمی، مرتبہ مولوی ابو محمد عمر یافعی حیدر آبادی کتخانہ آصفیہ

(۷) تذکرہ عروس الاذکار، مولفہ نصیر الدین نقش حیدر آبادی قلمی کتخانہ مولوی عمر یافعی صاحب حیدرآبادی

(۸) رسالہ اردو ادب علیگڈھ (مشمولہ فہرست مخطوطات). مارچ و جون سنہ۱۹۵۳ء

(۹) فہرست مخطوطات ادبیات اردو حیدر آباد جلد ۱ - ۲- مطبوعہ، مرتبہ ڈاکٹر زور حیدر آبادی

(۱۰) مثنوی عشق مصطفےٰ، مصنفہ سالک (صاحب ترجمہ) مطبوعہ مدراس

(۱۱) مثنوی مطلع النور، مولفہ مولوی شاہ عبدالحی واعظ بنگلوری مطبوعہ

(۱۲) محبوب ذالمنن، تذکرۂ اولیاء دکن مولفہ عبدالجبار خاں ملکاپوری جلد ۱-۲ مطبوعہ حیدر آباد

ڈاکٹر قطب النسا ہاشمی، میدک

ایک غیر معروف دکنی شاعر

(تسلیم گلشن آبادی)

بات آج کی نہیں بلکہ ایک صدی پہلے کی ہے جبکہ غالب، ذوق، مومن،
، اور ان کے ساتھی شمال میں اردو شاعری کو اوج کمال پر پہنچا رہے تھے اور
ر آباد دکن میں میر شمس الدین فیض کی شاعری کا شہرہ تھا۔ فیض کے شاگردوں
تعداد (۷۳) ہے[۱] اور بعض شاگردوں نے انہیں «شہنشاہ سخن» بھی قرار دیا
جس کا ثبوت میر احمد علی عصر کے دیوان سے ملتا ہے۔ فیض کا جب انتقال
یا تو عصر نے غم سے متاثر ہوکر جو اشعار لکھے ہیں ان میں سے نمونتاً دو دئے
ے ہیں جن سے حیدر آباد دکن میں ان کی شہرت و مقبولیت کا اندازہ ہوگا۔

ے دن جناب فیض فلک مرتب اٹھے اے عصر دفن زیر زمیں شاعری ہوئی
چھڑک اشکوں سے پانی اور دے جاروب پلکوں سے
دلا آنکھوں سے سر سے چل مزار فیض صاحب ہے[۲]

ن میں شاعری کے ایسے بھرپور عروج کے زمانے میں حیدر آباد سے ساٹھ میل
۔ شمال کی جانب بمقام گلشن آباد[۳] میدک ایک شاعر اردو زبان اور تصوف کی
ت سے اپنے پرتول رہا تھا۔ یہ شاعر تسلیم گلشن آبادی ہے جو صاحب دیوان
۔ اردو کا دیوان کافی ضخیم ہے اور ایک مختصر دیوان فارسی میں بھی ہے اسکے

سہ ماہی اردو انجمن ترقی اردو پاکستان جنوری ۱۹۵۸ء (تذکرہ عروس الاذکار مولفہ نقش حیدر آبادی)
از مخطوطہ مرزا، صفحہ (۱۱۴)۔

ماخوذ از (تذکرۂ عروس الاذکار) مولفہ نقش حیدر آبادی۔

گلشن آباد میدک: یہ قصبہ بھی ہے اور تعلقہ بھی، تعلقہ کا صدر مقام ہونے کے علاوہ ضلع کا نام سے موسوم
اور مشہور ہے راجاؤں کے زمانے میں اس کا ہندی نام (سداپور ویدک) تھا یہ ابھرا پیداوار کی زیادہ
آمدنی والے علاقوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یوں بھی نظام شاہی دور میں یہ مقام تلنگانہ کی ناک سمجھا
جاتا تھا۔ یہاں چاول کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے۔ مقامی طور پر ایک خوبصورت اور مضبوط قلعہ بھی
ہے جو تلنگانہ کے راجاؤں نے بنایا تھا۔

علاوہ اس شاعر کی کئی اردو اور فارسی تصانیف بھی ہیں۔ جن میں تصوف و طریقت کی باتیں، وعظ و نصیحت کے رموز، حق و باطل کی تفسیر، انسان دوستی کا پرچار اور مرید و مرشد کے اقوال کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان تذکروں اور مجموعوں کو شاعر کے انتقال کے چھبیس برس بعد ان کے فرزند خورد شاہ محمد روح اللہ قادری ادیب نے سنہ ۱۳۲۳ھ میں کتابی صورت میں ترتیب دے کر مطبع محبوب النظائر حیدر آباد دکن سے چھپوایا تھا۔ لیکن دست برد زمانے سے اب ان کا ملنا محال بلکہ ناممکن ہے۔ البتہ اسکی ایک جلد جس میں اس شاعر کے کلام اور حالات زندگی بھی شامل ہیں، جناب محمد محبوب علی صاحب گورنمنٹ کنٹراکٹر اسٹامپس تحصیل تعلقہ میدک کے پاس ناقص حالت میں موجود ہے، حسن اتفاق سے اس شاعر کے کلام کا کچھ حصہ میری نظر سے گذرا۔ کلام سلیس اور موثر ہے اپنے ہم عصروں سے ہر طرح آنکھ ملانے کے قابل ہے۔ دکن کے شاعروں کی فہرست میں تسلیم گلشن آبادی کا نام میں نے کہیں نہیں پڑھا تھا اس لئے جستجو ہوئی اور اس کے حالات زندگی کی تلاش شروع کردی اس میں مجھے بڑی کامیابی حاصل ہوئی جسکی وجہ سے اردو ادب میں ایک غیر معروف شاعر کے حالات و شاعری پر روشنی پڑتی ہے۔

پہلا تذکرہ جس میں میں نے شاعر تسلیم کو تلاش کیا وہ «تذکرۂ عروس الاذکار» مولفہ نقش حیدرآبادی ہے جسکو سخاوت مرزا صاحب نے سہ ماہی «اردو» انجمن ترقی اردو پاکستان جنوری سنہ ۱۹۵۸ء میں شائع کرایا ہے اس تذکرہ میں شاعر تسلیم کو تلاش کیا لیکن اس کا کہیں نام و نشان تک موجود نہیں ہے حالانکہ اس کے (۳۱۱) ہم عصر اور دکنی شاعر گذرے ہیں جن کو اس تذکرہ میں شامل کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس تذکرہ میں تسلیم گلشن آبادی کے ذکر کی اس لئے بھی توقع تھی کہ شاعر تسلیم سنہ ۱۲۴۵ھ مطابق سنہ ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوا ہے اور نصیر الدین نقش حیدر آبادی[1] سنہ ۱۲۶۰ھ مطابق سنہ ۱۸۴۵ء میں بمقام محلہ الاوہ بی بی پیدا ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے شاعر تسلیم، نقش حیدر آبادی سے کوئی پندرہ سال عمر میں بڑا ہے نقش حیدر آبادی نے جب یہ تذکرہ سنہ ۱۲۸۷ھ تا سنہ ۱۲۹۲ھ میں مرتب کیا تھا تو اس وقت تسلیم گلشن آبادی کی شاعری اپنے ماحول میں عام ہوچکی تھی۔ اور وہ اکثر مشاعروں میں شریک ہوکر اپنی غزلیات پڑھ سنایا

۱۔ سہ ماہی (اردو) انجمن ترقی اردو پاکستان جنوری سنہ ۱۹۵۸ء، صفحہ ۱۰۔

ا تھا۔ گو تسلیم گلشن آبادی کو حضرت صاحب حسینی قادری[۱] سے شرف تلمذ
اصل تھا لیکن ایک دفعہ ایک مشاعرہ میں جبکہ تسلیم گلشن آبادی کو اپنی غزل
ی تھی تو جناب فیض نے ان کی پوری غزل میں ایک لفظ کی اصلاح دی تھی
سلسلہ میں تسلیم کے فرزند روح اللہ قادری، اس کی زندگی کے حالات میں
تے ہیں کہ :

« جناب فیض صاحب قبلہ کو ایک بار آپ نے مشاعرہ کی ایک غزل سنائی
. جس پر صاحب موصوف نے تمام غزل میں صرف ایک ہی لفظ کی اصلاح
ائی۔ غزل کا مطلع یہ تھا۔

ں جو اپنے رہتے ہیں نام و نشاں پہ ہم تھے کون سے مقام میں آئے کہاں پہ ہم

جب یہ شعر پڑھا گیا۔

ل فنا کی دور نہ سمجھو قریب ہے ہیں جب سوار اشہب عمر رواں پہ ہم

اس شعر میں جناب فیض نے ارشاد فرمایا کہ اشہب کی جگہ « تو سن » لکھو
نچہ غزل میں اب « تو سن » کا لفظ ہے[۲]۔

اس تذکرہ میں فیض کے (۷۳) تلامذۂ کے علاوہ (۲۳۸) شعرا کا ذکر ہے
میں بعض صاحب دیوان گذرے ہیں۔ لیکن ان میں شاعر تسلیم گلشن آبادی کا
نہیں ہے حالانکہ یہ بہت بڑا شاعر گذرا ہے جس کا ثبوت مندرجہ ذیل واقعہ
بخوبی ملتا ہے۔

« ایک دفعہ جب کہ آپ کا سن غالباً ۱٦۔۱۷ سال کے اندر ہی ہوگا آپ
، ماموں صاحب قبلہ کے ہمراہ بلدہ تشریف لے گئے۔ ایک روز جناب فیض کی
نات کے لئے آپ کے ماموں تشریف لے گئے تھے۔ آپ بھی ہمراہ تھے بعد خیر
افیت حضرت موصوف نے جناب فیض کو ایک فارسی قصیدہ بتلایا جو سالار جنگ
مرحوم کی مدح میں لکھا گیا تھا اور جس کا مصرعہ مطلع یہ تھا :

اے عرق ریز جبیں ز حیائے کرم عیاں

، صاحب نے یہ مصرعہ سنکر ارشاد فرمایا لفظ « عرق » یہاں بسکون رائے ہوگیا

تسلیم گلشن آبادی کے حقیقی ماموں گذرے ہیں جو مظام مشائخین میں تھے۔ شاعر بھی تھے آداب تخلص تھا۔
تسلیم گلشن آبادی کی تعلیم و تربیت ان ہی کی ذمہ تھی۔
حیات تسلیم صفحہ ۴۳۔

ہے حالانکہ «بہ فتحین» ہونا چاہیئے پس اگر یوں کردیا جائے تو ٹھیک ہے۔

اے خوئے بر جبین ز حیائے کرم عیاں

اس وقت آپ ایک بازو میں بہت مودب خاموش بیٹھے ہوئے تھے «خوئے» کا لفظ سن کر فوراً آپ نے عرض کیا۔

لفظ «خوئے» تو ذو معنی ہے جو پسینہ اور تھوک کے معنی میں مستعمل ہے۔

جناب فیض صاحب نے یہ سماعت فرماکر ارشاد کیا۔

بہت ٹھیک لیکن پھر کون لفظ ہے جو یہاں «عرق» کے معنی میں چسپاں ہو۔

آپ نے عرض کیا کسی دوسرے لفظ کی ضرورت نہیں لفظ «عرق» ہی سے مصرع موزوں ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فوراً آپ نے مصرع مبحث فیہ کو اس طرح موزوں کرکے سنایا۔

اے بر جبین عرق ز حیائے کرم عیاں

پس اس مصرع کی موزونیت سے جناب فیض صاحب قبلہ آپکی جودت طبع اور رسائی ذہن پر بہت تعریف کی اور نہایت مسرت کے ساتھ آپ کے ماموں صاحب قبلہ سے فرمایا کہ لڑکا بہت تیز اور طباع معلوم ہوتا ہے آگے چل کر ضرور رنگ لائے گا۔ آپ چند روز میرے پاس اس کو رکھئیے، حضرت نے کہا کہ یہی ایک میرا ہمشیرزادہ ہے میں اس کو آنکھوں سے دور نہیں کرسکتا»[1]۔

ان واقعات کے علاوہ اس شاعر کے شاگردوں کا حلقہ بھی وسیع تھا۔ چنانچہ اس کی تصدیق حیات تسلیم کی مندرجہ ذیل تحریر سے ہوتی ہے۔

«آپ کے پاس اصلاح کے لئے اکثر غزلیں پیش ہوا کرتی تھیں اور دور دور مقامات سے بھی آپ کے شاگرد غزلیات بغرض اصلاح روانہ کرتے تھے۔ آپ کا بہت سارا وقت غزلیات کی اصلاح میں بھی صرف ہوتا تھا۔ ایک دفعہ کہیں سے دو تین غزلیں اپ کی خدمت میں ایسی آئیں جو موزوں تو تھیں لیکن ان کے مضامین اور بندش اس قابل نہ تھی جو اصلاح دیجائیے پس آپ نے ان غزلوں کے عنوان پر یہ شعر لکھ کر واپس کردیا۔

موزونی مزاج عطائے جلیل ہے نکتہ یہ یاد رکھو کہ بس بے عدیل ہے[2]

۱۔ حیات تسلیم صفحہ ۳۴۔ ۲۔ ایضا صفحہ ۴۴

تذکرۂ عروس الاذکار کی تالیف جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے سنہ ۱۲۸۹ ھ میں شروع ہوکر سنہ ۱۲۹۲ ھ میں یعنی پورے چار سال بعد اختتام کو پہنچی گویا اس تذکرہ میں میر محبوب علی خاں شاہ دکن سادس کے ابتدائی عہد کے شعراء کے حالات ہیں اور شاعر تسلیم گلشن آبادی بھی اسی زمانہ میں گذرا ہے لیکن کہیں اس کا ذکر نہیں ہے۔

اس تلاش کے بعد حسب ذیل کتب کی چھان بین کی گئی لیکن شاعر تسلیم اب تک گمنامی کا شکار ہی رہا۔

۱ بساط غریب مولفہ نصیر الدین نقش حیدر آبادی (مخطوطہ) کتبخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن۔

۲ تذکرۂ گلستان بیخزاں مولفہ میر قطب الدین باطن اکبر آبادی (مطبوعہ)

۳ تذکرۂ یادگار ضیغم مولفہ عبد اللہ خاں ضیغم لکھنوی (مطبوعہ) مطبع گلزار دکن حیدر آباد۔

۴ تزک محبوبیہ جلد نمبر ۲ مولفہ غلام صمدانی گوہر حیدر آبادی (مطبوعہ)

۵ خزینہ سخن مولفہ تجلی علی شاہ (مخطوطہ) کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن

۶ رسالہ شہاب حیدر آباد اکتوبر سنہ ۱۹۳۷ء

۷ مرقع سخن جلد نمبر ۱ . ۳ مرتبہ ڈاکٹر زور حیدر آبادی (مطبوعہ)

۸ دکن میں اردو مولفہ نصیر الدین ہاشمی طباعت سوم سنہ ۱۳۴۵ ف ۱۹۳۶ء

۹ مختصر تاریخ ادب اردو مصنفہ سید اعجاز حسین ایم. اے. (مطبوعہ)

ان تاریخوں کے سوا "تذکرۂ شعرائے دکن" از عبد الجبار ملکاپوری (مطبوعہ) کا بھی تفصیلی مطالعہ کیا گیا۔ جبار ملکاپوری سے بڑی توقعات وابستہ تھیں کیونکہ انہوں نے ہر چھوٹے بڑے اور معروف غیر معروف شاعر کا تذکرہ کیا ہے لیکن تسلیم گلشن آبادی صاحب دیوان نے اس میں بھی جگہ نہ پائی۔ ان حالات کی بنا پر میں نے ایک کامیاب شاعر کو غیر معروف کہا ہے اور اس کا تذکرہ تفصیل سے کرنا ضروری سمجھا ہے۔

شاعر تسلیم گلشن ابادی کے مقبول عام نہ ہونے اور ہم عصر کتابوں میں اس کا تذکرہ نہ پایا جانے کے اسباب اور کچھ بھی ہوں لیکن اس میں شاعر کی غیر معمولی خود داری، علیحدگی پسندی اور شہرت طلبی سے بچنے کی سعی بھی شامل ہے کیونکہ

تسلیم کی زندگی ہی میں ایک مرتبہ میر محبوب علی خان شاہ دکن سنہ ۱۳۰۵ھ ۱۲۳۰ھ میں گلشن آباد، میدک کے نواح میں سیر و شکار کی غرض سے آئے تھے۔ ان کے اس پروگرام میں مستقر میدک کے بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کے علاوہ مقامی مشائخین اور ذی اثر اشخاص سے ملاقات کرنا بھی شامل تھا۔ اس موقع پر سبھی مشائخین اور ذی اثر اشخاص نے اعلی حضرت سے شرف ملاقات حاصل کی لیکن تسلیم نے باوجود حکامان وقت کے اصرار اور مریدوں کے تقاضے کے بھی اپنی درگاہ و مکان کو آراستہ کرنے سے انکار کر دیا اور یہ تک پیشین گوئی کر دی کہ

«بادشاہ میرے پاس نہ آئے گا» [۱]۔

چنانچہ ہوا بھی یہی کہ نواب کی سواری کوئی آٹھ بجے آئی اور بستی کی تمام زیارت گاہوں کی زیارت اور مشائخین وغیرہ سے ملاقات کے بعد واپس ہوگئی لیکن تسلیم سے ملاقات کی نوبت ہی نہ آئی جب انہیں شاہ دکن کی واپسی کی اطلاع ملی تو تسلیم نے کہا۔

«الخیر فیما وقع» [۲]۔

یہ ہے تسلیم کے گمنامی میں رہنے کا ثبوت جس سے اسکی علحدگی پسندی ثابت ہوتی ہے

تسلیم کے کئی شاگرد بھی گذرے ہیں ایک مرتبہ جب کہ سرسالار جنگ اعظم وزیر اعلیٰ ریاست حیدرآباد دکن کو ضلع بندی کے سلسلہ میں ملک کے ذی علم اور لایق لوگوں کی ضرورت در پیش ہوئی اور ان کا انتخاب ممالک محروسہ سرکار عالی میں ہونے لگا تو «مدرسہ حبیبیہ» [۳]۔ ٹیکمال [۴] کے اکثر طلبہ کا انتخاب عمل میں آیا جب کہ شاعر تسلیم گلشن آبادی اس مدرسہ کا استاد کل تھا، سالار جنگ مرحوم کو بڑی حیرت ہوئی کہ ایک معمولی قصبہ میں ایسے لائق لوگ موجود ہیں

۱۔ حیات تسلیم (صفحہ ۳٦)۔ ۲۔ حیات تسلیم (صفحہ ۳٦)۔

۳۔ "مدرسۂ حبیبیہ" اس مدرسہ میں اردو، عربی فارسی کی علاوہ دنیوی تعلیم بھی دیجاتی تھی۔ جسکو شاعر تسلیم کے ماموں جناب صاحب حسینی نے قائم کیا تھا۔ شاعر تسلیم نے ٹیکمال سے میدک منتقل ہونے تک اسکی باگ ڈور سنبھال تھی۔

۴۔ ٹیکمال ایک تاریخی قصبہ ہے۔ جو ریاست آندھرا پردیش کی ایک بڑی ضلع میدک کی جنوب مغرب میں واقع ہے اور یہ گلشن آباد میدک کی جنوب مغرب میں کوئی (۱۲) میل کی فاصلہ پر ہے یہاں [illegible] کی [illegible] اسی مقام پر شاعر تسلیم کا ابتدائی زمانہ گذرا [illegible]

مس پر ملک کی خوش قسمتی کا اظہار فرمایا اور اس مدرسہ کے بانی کا پتہ لگا کر ن الفاظ میں اس کا ذکر کیا تھا۔

«در ین قحط الرجال اینقدر مردم با کمال از یک قصبۂ ٹیکمال بہم رسیدن موجب خوشنودی کمال است»

اس کے باوجود بھی شاعر تسلیم نے ذاتی سعی سے اپنے آپ کو آگے بڑھانے ور مقبول عام کرنے سے ہمیشہ پرہیز کیا کیونکہ وہ حقیقی معنوں میں درویشانہ زندگی کو پسند کرتا رہا ہے۔ دنیا میں پھنسنا اور اس کے چکر میں گرفتار ہوجانا اس کو بھی بھی پسند نہ تھا اسی خیال کو مختلف روپ میں اپنی شاعری میں بیان کیا ہے۔ شاعری پر کچھ لکھنے سے پہلے اس کی حیات کا مختصر خاکہ دیا جاتا ہے۔

تسلیم کی زندگی کے حالات:[1]

تسلیم گلشن آبادی کا پورا نام جیلانی بادشاہ اور تخلص تسلیم ہے۔ سنہ ۱۲۴۵ مطابق سنہ ۱۸۳۰ع بمقام ٹیکمال پیدا ہوا ہیں۔ پیدائش کا ثبوت مندرجہ ذیل قطعہ سے ملتا ہے:

«شاہ جیلانی ماحلوۂ فیاض ازل بارک اللہ چو در آمد بوجود از صف غیب
فوق جستہ سن تولد جناب موصوف جلوہ فیض رساں داد ندا ہاتف غیب
۱۲۴۵ھ»[2]

تسلیم کے والد کا نام شیخ میراں عرف صاحب میاں تھا۔ جن کے والد حضرت شاہد اللہ کا ننہیال سادات سلسلہ سے وابستہ تھا اور اسکی والدہ خالص سیدانی تھی جو صاحب حسینی قادری کی حقیقی ہمشیر تھی جو پیران پیر دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے تھے۔ جس کا ثبوت شاعر تسلیم کے والد جناب شیخ میراں عرف صاحب میاں نے مندرجہ ذیل اشعار میں پیش کیا ہے۔ ان سے اس شاعر کے خاندان اور حسب نسب پر تفصیلی روشنی پڑتی ہے۔

ہے جیلانی پسر اس کا چراغ اک دل انکا نرم ہو سیرت ہو نیک
حلیم و صاف دل اور متقی ہو فقیہ و عارف و صادق سخی ہو

---

[1] شاعر تسلیم کی زندگی کی تفصیل حالات پڑھنی ہو تو ایک بسیط مضمون ہفتہ وار پیام مشرق دہلی کی اشاعت [illegible]

[illegible] ۱۸۷۷ [illegible]

ہو عالم با عمل اور نیک نیت　　دے اسکے رزق میں افزون برکت
حمید الدین ولی ہیں اس کے دادا　　ہیں حضرت غوث اعظم اس کے نانا
یقین ہے دو طرف کی اس کو نسبت　　نواسا قادری پوتا ہے چشتی

بچپن ہی سے ان کی پرورش ان کے ماموں صاحب حسینی کے گھر لیکمال میں ہوئی جب کہ ان کی عمر چار اور پانچ سال کے درمیان تھی والدہ کا انتقال یکم شعبان سنہ ۱۲٤۹ھ روز جمعۃ کو ہوا اور دوسرے روز ۲ شعبان سنہ ۱۲٤۹ھ روز شنبہ ان کے دادا شاہد اللہ حسینی کا وصال ہوگیا۔ اپنے ماموں صاحب حسینی کے سایہ عاطفت میں نشوو نما پائی۔ بچپن ہی سے ان کی تعلیم پر پوری توجہ دی گئی خود ان کے ماموں فارسی، عربی اور تصوف وغیرہ کا درس دیا کرتے تھے بارہ تیرہ سال کی عمر میں ہی ان کی اچھی قابلیت ہو گئی تھی گو عربی کی چند ہی کتابیں پڑھنے پائے تھے لیکن اس میں بھی انہیں کافی عبور حاصل ہوگیا تھا۔ کیونکہ ذہانت و حافظہ خدا داد تھا۔ چودہ پندرہ برس کی عمر میں فارسی زبان میں وہ ترقی کی کہ فارسی کے کئی کتب پڑھ ڈالے اور سترہ سال کی عمر میں تو اس میں عبور بھی حاصل کرلیا۔ اس وقت کی مشہور فارسی تصنیف «چہار عنصر» تک حفظ کرڈالی خوش نویسی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ ان کی شادی سنہ ۱۲٦۲ھ میں سترہ سال کی عمر میں ہوئی اور بیس سال کی عمر میں «مدرسہ حبیبیہ» کی جو ان کے ماموں صاحب حسینی قادری کا جاری کردہ تھا، کمان خود سنبھالی اور عربی، فارسی اردو اور دینیی تعلیم میں مشغول ہوگئے۔ چہار عنصرسے متاثر ہوکر اسی طرز پر ایک کتاب «ولولہ تسلیم» لکھی اور اس کے دو تین قلمی نسخے تیار کرکے اپنے شاگردوں میں تقسیم کئے۔ دس بارہ برس اسی درس و تدریس میں گذار دیے کئی شاگرد فارغ التحصیل ہوکر نکلے۔ ورزش کے بھی شوقین تھے اور فن کشتی و پنجہ میں بھی ماہر تھے۔ عین عالم شباب میں ان کے محل مبارک کا سنہ ۱۲۷۷ھ میں انتقال ہوگیا۔ اس سانحہ سے متاثر ہوکر «عارضہ خفقان» میں مبتلا ہوگئے دو برس بعد اسی حالت میں سنہ ۱۲۷۸ھ میں عقد ثانی کیا۔ اس کے بعد لیکمال سے نکل کر گلشن آباد میدک کو اپنا وطن بنالیا، اسوقت تک علوم ظاہری وباطنی میں ماہر کامل ہوچکے تھے پہلے پہل گلشن آباد میدک میں مستقل قیام کی وجہسے ایک کشادہ زنانہ مکان بنایا اور مردانہ مکان کے لئے مکان سے ملحق ایک ٹیلے پر سنہ ۱۲۸٤ھ میں دولت خانہ

رایا اور اُسے خانقاہ کا لقب دیا. اس خانقاہ کے بارے میں جناب سید احمد بادشاہ ادری سجادہ درگاہ شریف لیکمال نے بسنہ تعمیر پر ایک قطعہ ترتیب دیا و حسب ذیل ہے .

«شاہ جیلانی نے جب تعمیر کی بہر شغل طالباں باوداد
ہاتف غیبی نے احمد سے کہا خانقاہ اتقیا آباد باد» [۱]

۱۲۸٤ ھ

جہاں مکان تعمیر کیا اس محلہ کا نام «جیلانی گڈھ» مشہور ہوا اس کے بعد ان سے بالکل ملحق بہ جانب شمال مشرق ایک سنگ بستہ اور خوبصورت مسجد انی. اس مسجد کی تعمیر سرسالار جنگ اعظم مرحوم سابق صدر المہام حکومت استہ حیدر آباد دکن کے زمانے میں سنہ ۱۲۹٤ ھ میں مکمل ہوئی جس میں سرکار لی کی جانب سے سترہ سو روپیہ امداد ملی بقیہ رقم خود تسلیم نے صرف کے مجموعی طور پر کوئی تین ہزار کے مالیہ سے اس کی تعمیر کی. جس کا نام «مسجد جیلانی بادشاہ» اب بھی مشہور ہے اس مسجد کا مادہ تاریخ خود تسلیم نے زوں کیا ہے.

«خانۂ خدائے پاک» [۲]

۱۲۹٤ ھ

تفصیلی قطعہ تاریخ اس مسجد کے بارے میں یہ ہے ،

بعہد آصف عہد و سکندر دوراں رئیس ملک دکن ظل خالق الافلاک
بہ بذل میر تراب علی مدار مہام کریم و عادل و ذی ہمت و بلند ادراک
بناء مسجد عالی شاہ جیلانی بہ حسن تکملہ گردید ہمسر افلاک
نمود فکر چو تسلیم بہر تاریخش سروش داد ندا خانۂ خدائے پاک

۱۲۹٤ ھ

بچپن شعور ہی سے شعر کہنے کا مذاق پیدا ہوگیا تھا چنانچہ بہت کم عمری میں پہلی غزل موزوں کی تھی اس کے دو تین اشعار نموتاً دئیے جاتے ہیں۔

رکھ جگر کو کٹا کے آگے پر نہ مژگاں یار کے لگے

۱۔ حیات تسلیم صفحہ (۴۸)
۲۔ حیات تسلیم صفحہ (۴۹)

دل کا کیا زہرہ دم جو مار سکے   زلف کی لٹ کے مار کے آگے
سرو آزاد بندۂ آزاد   قامت گلعذار کے آگے

اس شاعر کی معاشی حالت کچھ ٹھیک نہ تھی کیونکہ فراخدل تھے اور مہمان نوازی خوب کرتے تھے اس لئے اکثر قرضہ کا شکار رہتے تھے البتہ نواب افضل الدولہ بہادر شاہ دکن کی تخت نشینی کے سال سنہ ۱۲۷۳ ھ میں بہ زمانہ قیام ٹیکمال یومیہ دو روپے حالی یعنی ماہوار ساٹھ روپے سرکار سے مدد ملنے لگی اس کے علاوہ کچھ ذاتی زراعت بھی تھی۔ یہی وہ محدود ذرایع تھے جس میں تسلیم اپنی گذر بسر کرلیا کرتے تھے۔ ہمیشہ شاگردوں، راجے، مہاراجے، زمیندار عہدہ دار، پٹیل پٹواریاں اور مریدوں سے مجلس گرم رہتی تھی۔ خوش مزاجی، ظرافت اور حاضر جوابی میں خاص ملکہ حاصل تھا سیر و شکار کا بھی شوق تھا اس سلسلہ میں وہ کئی سفر اپنی زندگی میں کرچکے ہیں۔ خطوط لکھنے کا ایک خاص انداز تھا جب خط لکھنا ختم ہوجاتا تو آخر میں دستخط بہ خط شکستہ صرف «فقیر جیلانی قادری» ہوتی البتہ دستخط کے اوپر ایک خاص علامت اللہ کا طغرا تحریر کرتے تھے۔

اس کے علاوہ آخری زمانے میں اپنے نام کا سجع ایک مصرعہ میں نکال کر مہر پر کندہ کرالیا تھا وہ مصرعہ درج ذیل ہے۔

(جیلانی بادشاہ شد از فیض قادری[1])

صلح کل کا مسلک ایسا اختیار کیا تھا کہ ہر مذہب و ملت کے لوگ گرویدہ تھے۔ صاف دلی بھی مشہور تھی بغض و حسد نام کو نہ تھا۔ بعض لوگوں نے بیجا مخالفت بھی کی لیکن بعد میں نادم ہو کر ان سے ہی معافی چاہی۔ اس بارے میں تسلیم کی ایک تحریر بھی ملی ہے جس سے ان کی صاف دلی پر تفصیلی روشنی پڑتی ہے۔ مندرجہ ذیل تحریر کے اقتباس سے ان کی اردو نثر پر بھی کافی مہارت رکھنے کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ تحریر یہ ہے۔

«ہم تو تمہاری مخالفت کے وقت بھی صاف تھے اور اب بھی صاف ہیں کبھی تمہارے غبار مخالفت سے ہمارا دل مکدر نہیں ہوا بلکہ تمہاری مخالفت نے ہمارے آئینہ دل میں اور صفائی بڑھا گئی اس لئے کہ جو شخص بے جا طور پر محسود ہوتا ہے تو حاسد کی جملہ نیکیاں محسود کو عطا ہوتی ہیں اور محسود کی جملہ بدیاں حاسد

۱۔ حیات تسلیم صفحہ ۴۲

الحمدللہ تم میرے محسن ٹھہرے اور میں تمہارا ممنون ہے

اس کے علاوہ اپنے اس خیال کی تائید میں تسلیم نے ایک مثنوی بھی لکھا جو درج کیا جارہا ہے۔

کسی کی محبت سے خندیدہ ہونا   کسی کی عداوت سے رنجیدہ ہونا
نہیں کام عارف کا استغفر اللہ[1]

ہمیشہ درد سر کی شکایت رہتی تھی خصوصاً آخری زمانے میں تو یہ مرض ی قوت سے سرایت کر گیا تھا۔ مختلف اطبائے ریاست حیدرآباد دکن سے علاج کرایا گیا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخر ۶۳ برس کی عمر میں ۲ شعبان سنہ ۱۳ ھ کو اس دار فانی سے کوچ کرگئے۔

شاعری و تصنیفات:

چونکہ تسلیم نے علمی ماحول میں پرورش پائی تھی اس لئے سولہ سترہ برس عمر میں شاعری شروع کردی تھی۔ ان کا کلام سادہ، پرکار اور موثر ہے اردو یوان ردیف وار غزلیات اور قصیدوں پر مشتمل ہے جس میں تصوف و معرفت اور فان کے نکتے مختلف طریقوں سے بیان کئے ہیں۔ کلام میں روانی، سلاست سادگی ر عام فہم زبان کا استعمال ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ تصوف جیسے مشکل ر پیچیدہ نکتوں کو صلاح عام کے لئے سہل بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثال ے طور پر ایک جگہ عرفان کا مشکل مسئلہ اپنی ایک غزل کے مقطع میں کس خوبی ے حل کیا ہے۔

ہے تسلیم صاحب دلوں کا طریقہ   دعا ابتدا میں رضا انتہا میں

یہی وہ زمانہ تھا جب کہ سنہ ۱۸۵۷ء کے واقعہ سے لوگوں کے دل بدل ے تھے خصوصاً مسلمانان ہند پر ایک آزمائش کا دور گذر رہا تھا۔ اس انقلابی گامہ نے تو مسلمانوں کو بدیسی حکمرانوں سے بدظن کر دیا تھا۔ سر سید اور کے ساتھیوں نے اس بات کو محسوس کرلیا تھا کہ رعایا اور حکمرانوں میں جو یچ حائل ہوگئی ہے اس کو کسی نہ کسی طرح پاٹ دیا جائے۔ اسی کوشش میں سید جیسا محسن قوم بھی مغرب زدہ بن گیا تھا اور غالب جیسے عظیم شاعر نے کہ معظمہ کی شان میں قصیدہ لکھا تھا لیکن اکثر شاعروں اور ادیبوں نے اپنی اپنی راہ

---

[1] حیات تسلیم صفحہ [illegible]

الگ بنا لی تھی ۔ جن میں اکثریت کے ذہن میں دنیا کی بے ثباتی اور خدا پرستی کا خمار چھایا ہوا تھا ، ان ہی شاعروں میں تسلیم گلشن آبادی کا بھی شمار ہے ۔

تصوف کی کہانی بہت قدیم ہے ۔ اس کے راستے میں ہزاروں پیچ و خم آئے ۔ اس کا گھر مشرق ہے لیکن مغرب میں اکثر ادیبوں اور شاعروں کو متاثر کرچکی ہے ۔ مولانا ابو الکلام آزاد کا کہنا ہے کہ برھمنیت اور ویدانیت اسی کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں ۔ اس کے پیرو عقلی نتائج سے بے پرواہ ہوکر صرف روحانیت سے ناطہ جوڑتے ہیں ، اور وحدت الوجود کے پرستار بن جاتے ہیں صوفیوں نے تصوف میں بہت سارے نکتے پیدا کئے اور اس کو وسعت دے کر ایک روحانی علم بنا دیا جس میں بھول بھلیاں زیادہ اور سیدھے راستے کم تھے اس لئے اکثروں نے گھبرا کر ترک دنیا کرلیا اور خانقاہوں کو آباد کیا ان کے مخصوص حلقے بھی ان ہی خیالات سے متاثر ہوتے تھے ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ تصوف کی طول طویل داستان کا اثر شاہی دربار تک پہنچا ۔ شاہوں اور عالموں کے گٹھ جوڑ نے ایک جال سا پیدا کردیا جس میں کئی لوگ مصلوب بھی کئے جارہے تھے ۔ مختصر یہ کہ تصوف نے مذہبی افکار کو متاثر کیا ۔ اسی کیفیت سے متاثر ہوکر بارہویں صدی ہجری میں امام غزالی رح نے اس تصادم کو روکنے کی ایک درمیانی راہ نکالی ۔ انہوں نے فلسفہ کو یونانی اثر سے الگ کیا کائنات کو مخلوق تصور کرتے ہوئے وجدان و ادراک کو حقیقت کا ذریعہ قرار دیا ۔ اس سے وقتی طور پر لوگوں کے خیالات پر کچھ اثر پڑا لیکن چونکہ بات نہیں بدلی تھی بلکہ اس کا صرف انداز بدلا تھا اس لئے تصوف کے ماننے والوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا ۔ منصور حلاج کے کئی سو برس بعد خود ہندوستان میں سرمد رح کا قتل اسی واقعہ کی ایک کڑی ہے ۔

تصوف کے تصور نے صوفی کو ایک محدود حلقہ نظر و طرز تفکر عطا کیا تھا ، وہ اپنی بنائی ہوئی دنیا میں مگن رہتا تھا اور اسی کی تعلیم دیتا تھا ۔ دنیا کی کشمکش میں ڈوب کر ابھرنے کی اس میں ہمت نہیں تھی ۔ صوفی خدا اور بندے کے تصور سے بندھا ہوا تھا ۔ اس میں شک نہیں کہ انسان فانی ہے لیکن وقت سے پہلے فنا ہونا بھی انسان کی شان نہیں ۔ بلکہ اس سے بڑھ کر برحق تو یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں کچھ کرنے اور کر دکھانے کے لئے آیا ہے ۔ زندگی کے رنگ و نور کو چھیڑنا ، زندگی کے سوز و ساز سے نغمہ پیدا کرنا ، پھر اس نغمہ میں کھو جانا ۔

نفس کے لئے بہادری، اخلاقی جراءت، حوصلہ مندی، کشمکش کی ہمت، جہد و جہد کرکے تیزی سے دنیا کے نشیب و فراز سے گذر جانا اور پھر بھی « دامن تر مکن وشیار باش » رہنا ہی ایک عظیم انسان کا کام ہے ۔ پھر ترک دنیا کا سبق کیا معنی رکھتا ہے ۔ خیر یہ اور اسی قسم کے بہت سے سوالات یہاں ابھرتے ہیں ۔ ان سب کے طع نظر صوفیانہ شاعری کے مثبت پہلو پر نگاہ ڈالیں تو اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس شاعری کے پس منظر میں انسان کے بنیادی حقوق کی آواز ہے ۔ کردار کی عظمت، اعلیٰ انسانی مقاصد کا پرچار، نیکی کا راستہ اور بدی سے پرہیز کرنا اس شاعری کی علیم ہے جس کے نتیجہ کے طور پر غیرت، حمیت، خودداری، بلند حوصلگی، عزت نفس جیسی اعلیٰ صفات حاصل ہوسکتی ہیں ۔ اسی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ صوفیانہ طرز تفکر نے اردو شاعری کو بعض صالح اور اعلیٰ اقدار دیا ہے ۔ اس مطمح نظر سے صوفیانہ شاعری کا مطالعہ بہت اہمیت رکھتا ہے ۔

تصوف میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ جہاں بندہ اپنے آپ کو خدا کا خاص بندہ تصور کرکے دوئی کو ختم کر دیتا ہے اور خود اپنا پرستار بن جاتا ہے ۔ س کیفیت کو ہم جگر جیسے عظیم شاعر میں بھی اکثر دیکھ لیتے ہیں ۔

وحدت خاص عشق میں ذکر ہی غیریت کا کیا
اپنے ہی جلوے دیکھئے اپنی ہی بزم ناز میں

تصوف کے اس مختصر سے تذکرہ کے بعد تسلیم گلشن آبادی کی شاعری میں ن نقوش کو تلاش کیا جاسکتا ہے جو خالص صوفیانہ شاعری سے متعلق ہیں ۔ ذیل میں نکے دیوانوں سے ردیف وار کچھ نمونے دئیے جا رہے ہیں تاکہ اس غیر معروف شاعر کی شاعری پوری طرح سامنے آسکے ۔ جس میں اس شاعر کے ابتدائی اور آخر زمانے کی غزلیات و قصیدے شامل ہیں ۔

میں کس سے کہوں اپنے دل زار کی حالت ہوگی نہ خزاں میں بھی یہ گلزار کی حالت
باہر ہوئی تشخیص طبیبان جہاں ہے اے میرے مسیحا ترے بیمار کی حالت
الفت میں مجھے غیرت بسمل نظر آئی مقتول دم ابروئے خمدار کی حالت
سب طالب یوسف تھے مگر مثل زلیخا دیکھا نہ کوئی مصر کے بازار کی حالت
تسلیم ہے اکثر شیب رشک ریاضت حشر میں مئے عشق کے سرشار کی حالت

کب طبیبوں سے ہو یارو دل شیدا کا علاج ۔ کارگر جب نہیں ہوتا ہے مسیحا کا علاج
ناصحا مغز پکاتا ہے عبث کیوں اپنا ۔ نہیں ممکن کہ جو ناداں ہے ہو داناکاعلاج
ساکن چرخ چہارم سے نہووے بخدا ۔ کشتہ تیغ ادائے بت رعنا کا علاج
چاہئے ہجر کے بیمار کو داروئے وصال ۔ کیونکہ صہبا سے ہو مخموریٔ صہبا کاعلاج
ہو تسلیم کبھی رشتۂ کاکل کے سوا ۔ طوق زنجیر سے آوارۂ صحرا کا علاج

یار چہرہ پہ سے کاکل کو اٹھایا شاید ۔ ابر سے ماہ منور نکل آیا شاید
ہوتی رخصت ہے جو رو رو کے چمن سے بلبل ۔ صبح پیغام خزاں آنے کا آیا شاید
فرحت دلکا جو چہرہ سے پتہ چلتا ہے ۔ رات بھر وصل سے لذت ہے اٹھایا شاید
دخل جس جا پہ فرشتوں کے گماں کو بھی نہیں ۔ دلمیں انساں کے وہ خود آپ سمایا شاید
غل جو کرتے ہیں بہت آج عنادل تسلیم ۔ گلبدن سیر گلستاں کو ہے آیا شاید

طالب حسن جمال یار کچھ انصاف کر ۔ عشق کے صیقل سے آئینہ کو دلکے صاف کر
ہے ترے تجھکو نہیں ملتا سراغ آشنا ۔ گو سفر تا زندگی بس قاف سے تاقاف کر
گر تجھے انسانیت حاصل ہے دو دن کے لئے ۔ بے عمل تسلیم اپنے علم کا مت لاف کر

بے عین کبھی غیر پہ مرتا نہیں ہرگز ۔ دل اپنا تمنا سے گذرتا نہیں ہرگز
جو عارف کامل ہے بجز فعل حقیقی ۔ جراءت وہ کسی کام میں کرتا نہیں ہرگز
گر ظلم ہو یا رحم ہو عارف بجز اپنے ۔ الزام کسی اور پہ دھرتا نہیں ہرگز
جو محو ہوا نور حقیقت میں عزیزو ۔ دنیا کا کوئی کام سدھرتا نہیں ہرگز
تسلیم عجب چشمۂ دل ہے کہ رہے تک ۔ دیدار کے سیلاب سے بھرتا نہیں ہرگز

عبرت آباد ہے یہ عالم فانی افسوس ۔ کھو نہ غفلت میں یہ دو دن کی جوانی افسوس
تپ فرقت سے سب لخت جگر سوکھ گیا ۔ نہ پلایا کبھی دیدار کا پانی افسوس
اے رفوگر تجھے مژگاں کی قسم جاناں سے ۔ کھاے ٹانکا نہ کبھی زخم نہانی افسوس
روتے روتے میں ہوا رشک زلیخا لیکن ۔ نظر آتا نہیں ہے یوسف ثانی افسوس

خم پر مرہم کافور نہ رکھے تسلیم مٹ نہ جائے کہیں قاتل کی نشانی افسوس

ندلو رکھتے وہ کب بوعلی سینا سے غرض ہووے بیمار کو اپنے جو مسیحا سے غرض
وستو گلشن جنت میں ہووے نہ کبھی عاشق قامت دلدار کو طوبی سے غرض
ارفوں کو کبھی ہے جلوۂ دیدار خدا گرچہ محسوس ہے پر ہووے نہ اشیا سے غرض
صب نہو بزم میں ساقی تو نہ ہو عاشق کو مئے سے میخانہ سے اور شاعر و مینا سے غرض
نفرو اسلام میں پیدا ہے اسی کا جلوہ نہیں تسلیم کو کعبہ سے کلیسا سے غرض

ب فدا ہو نیکو آئے دیکھ کر پروانہ شمع خانۂ فانوس پر چھپ کر رگرے پروانہ شمع
یکھ کر جلتا ہے تجھ کو بر سر بزم اے صنم تیرے جلوہ پر شاید کہ ہے پروانہ شمع
انی پانی ہورہا شاید ہے رعب حسن سے دیکھکر تجھ کو جو تھراتا ہے بے تابانہ شمع
حدت و کثرت سے پیدا ہو تجلی قلب میں ہوگا روشن گر رکھیگا خانہ ویرانہ شمع
شق میں اور حسن میں تسلیم اکثر لاگ ہے دل ہو ویرانہ اگر ہو صورت جانانہ شمع

ر جب محفل میں غیروں کی کرے روشن چراغ
دل مرا ہوتا ہے حسرت سے درون تن چراغ
رے آتے ہی صبا گل کر دی اے خورشید رو ہر گل ولالہ سے گو روشن کیا گلشن چراغ
صلکی شب تاکہیں دیدار سے آنکھیں ہوں سیر گل کیا کرتا ہے اکثر وہ بت بدظن چراغ
طرۂ خون جگر یوں چشم ترکے گرد ہیں جیسے رکھے ہوں لب تالاب پر روشن چراغ
نکی رحمت کا ہے بس تسلیم پر تو حشر میں ہو گیا جن کا تبسم ازپئے سوزن چراغ

جادہ پیما تھی صبا صبح جو صحرا کے طرف حال پوچھا تو کبھی بلبل شیدا کے طرف
ژدہ لیجاتی ہوں گل کا کہ بہار آئی ہے تا وہ پرواز کرے گلشن خضرا کے طرف
کہدے احوال مرے درد جگر کا جا کر اے نسیم سحری جلد مسیحا کے طرف
کیا میخانہ میں گل چشم نمائی ساقی بے اجازت جو نظر میں نے کی مئی کے طرف
ے قسم بھولے بھی تسلیم کبھی منہ نکرے تشنہ لب شربت دیدار کا دریا کے طرف

کیونکر کہیں کسی سے بجز یار داستانِ فراق — کہ کھینچتا ہے دہن سے مرے زبان فراق
ہلال ابروے مہ رو کہاں نظر آئے — عزیزو اندنوں کج رو ہے آسمان فراق
طبیب درد کی تشخیص کر رہا ہے عبث — عیاں ہے خود مرا دیوانہ پن نشان فراق
تلاش وصل کے مرہم کی ہے مسیحا سے — جگر میں ٹوٹ گیا جب سے ہے سنان فراق
جگر فگاروں سے تسلیم مہ‌جبینوں کو — وفا کے واسطے شاید ہے امتحان فراق

کیا کیا مزہ داری ہے نہاں ذکر خدا میں — دم ذکر میں دل ذکر میں جاں ذکرِ خدا میں
ہے آرزو صدقہ سے رسول عربی کے — دل یاد خدا میں ہو زباں ذکرِ خدا میں
تسکین ہے راحت ہے تسلی ہے خوشی ہے — آتی ہے پریشانی کہاں ذکر خدا میں
منزل کو پہنچ جائیں تو راحت ہے مزہ ہے — حق راہ سے یہ عمر رواں ذکر خدا میں
ہے آرزو تسلیم کہ جب یاد کرے وہ — دم نکلے مرا وجد کناں ذکر خدا میں

گر دل سے خدا بینی کی خواہش ہو کسی کو
خود بینی سے مانوس کریں پہلے تو جی کو
تنہائی کے عالم میں تصور سے تمہارے — بند آنکھوں کو کر لیتے ہیں بہلاتے ہیں جی کو
ہم مہرو کرم دل سے سمجھتے ہیں تمہاری — بے مہری کو غصہ کو غضب کو خفگی کو
ہر حال میں نیکوں کو ملے نیک نتیجے — رونق نہیں تسلیم دو عالم میں بدی کو

یارب ہے مرے دل میں تمنائے مدینہ — جاگیر جگر میں ہے مرے جائے مدینہ
ہو باغ ارم کی نہ کبھی پریوں کی پروا — ایک چشم اگر دیکھیں تماشائے مدینہ
نعم البدلِ خواہش دیدار خدا ہو — دیکھوں جو رخ شاہد رعنائے مدینہ
غالب ہے کہ غش کھا کے گروں شوق کے مارے — دو تین قدم آگے جو رہ جائے مدینہ
ہوگا کوئی دن عمر کا یارب مرے ایسا — مر جاؤں تو مدفن مرا ہو جائے مدینہ
ہر چند گنہگار ہوں پر خوف نہیں کچھ — مولا مرا محشر میں ہے مولائے مدینہ
تسلیم دعا ہے تو یہی ہے کہ جئے تک — یکبار خدا آنکھوں سے دکھلائے مدینہ

مشتاق وہی لوگ ہیں دیدار خدا کے ‏ سرمست جو ہیں ساغر بزم عرفا کے
دنیا کی حلاوت کو بہت یاد کرینگے ‏ جنت میں وہی لوگ جو ذاکر تھے خدا کے
طب اپنی طبیبوں سے کہو طاق میں رکھیں ‏ بیمار محبت نہیں محتاج دوا کے
افلاک بھی گر ٹوٹ پڑیں سر پہ ہمارے ‏ شکوے نہ کرینگے کبھی ہم انکی جفا کے
مرضی پہ خدا کے جو یہاں رہتے ہیں تسلیم ‏ پابند وہی لوگ ہیں تسلیم ورضا کے

اس اردو دیوان کے ساتھ ساتھ شاعر تسلیم کا فارسی غزلیات کا ایک مختصر یوان بھی ہے جسمیں تصوف اور معرفت کی پرچھائیں ملینگی۔

اردو فارسی دیوانوں کے علاوہ تسلیم گلشن آبادی کے بعض اردو فارسی تصانیف موعوں اور گلدستوں کی شکل میں موجود ہیں۔ جن کا مختصر سا تعارف ذیل میں یا جا رہا ہے تاکہ اس کی شاعری پر مزید روشنی پڑے۔

۔ اردو تصانیف:

(۱) رباعیات تسلیم (۲) بحرعرفاں المعروف مناجات ہائے تسلیم (۳) مثنوی تسلیم ٤) مخمس تسلیم (۵) وحدت الوصول (۱) مرثیہ تسلیم۔

۔ رباعیات تسلیم۔

تسلیم گلشن آبادی نے ساٹھ ۶۰ رباعیات کا ایک مجموعہ تیار کرکے «رباعیات سلیم» اس کا نام رکھا۔ ان رباعیات میں سے کچھ بہ طور نمونہ یہاں نقل کی جاتی ں تاکہ اس کے اس فن پر تفصیلی روشنی پڑے گو تسلیم کی رباعیات سے زیادہ نتیہ کلام بہت پر اثر ہے۔

تسلیم اٹھو صبح کا تارہ چمکا ‏ مشرق کا اجالے سے کنارہ چمکا
پیری میں بھی جو لوگ سنبھل جاتے ہیں ‏ سمجھو کہ سعادت کا ستارہ چمکا

آزاد ہے وہ جو حب دنیا چھوڑا ‏ آزادوں کے واسطے ہے دنیا گھوڑا
ظاہر کی تو لذتیں بہت کچھ پائیں ‏ باطن کا مزہ بھی دیکھو تھوڑا تھوڑا

مولا مرے عقدہ ہائے مشکل حل کر ‏ اور ناخن حق سے عقد باطل حل کر
رنجور ہے یہ کو کر شفا دینی ہے ‏ وحدت کے کھرل میں لے مرا دل حل کر

زاہد تو خودی سے اپنی ہو جا باہر　　اسباب دوئی کا دل سے سب لا باہر
اگھر میں خدا کے چھوڑ صحرا گردی　　بس دل کے سوا تجھ کو ملے کیا باہر

میں تو کی سنا کریں کہانی کب تک　　پردہ میں دوئی کے زندگانی کب تک
برقع سے عبودیت کے باہر نکلو　　تسلیم خدا سے بدگمانی کب تک

ہر حال ہے شکر اس کا واجب تسلیم　　حاضر ہے نہ جان اس کو غائب تسلیم
جو کچھ مانگنا ہے اس سے مانگو　　بر لاتا ہے وہ سبھی مطالب تسلیم

یک دن یہ جہاں کی ہوگی بستی برباد　　سامان بلندی اور پستی برباد
شب سوتے کٹی تو صبح روتے تسلیم　　غفلت میں ہوئی متاعِ ہستی برباد

ملنے کی گھڑی خدا سے آئی نزدیک　　ہے دید وصال دل ربائی نزدیک
نزدیک جب اپنے آشنا ہے اپنا　　تسلیم خدا کی ہے خدائی نزدیک

میں توکے معاملوں کو چھوڑو تسلیم　　رخ اپنا اضافتوں سے موڑو تسلیم
جب جزو میں کل میں وہ ہے تم ہو پھر کون　　رشتہ کو انانیت کے توڑو تسلیم

میں کس سے کہوں کہ دل نہیں قابو میں　　قابو میں ہے لیکن ہے پھنسا میں تو میں
میں تو نہیں عارضی ہے لازم ملزوم　　بو گل میں ہے تسلیم تو گل ہے بو میں

جاناں تری دوستی میں جیتا ہوں میں　　خونِ جگر آرزو میں پیتا ہوں میں
وحشی نہ سمجھ مجھے رفتہ رفتہ　　دل تیرا پھٹا ہے اور جیتا ہوں میں

تسلیم گجر بج گئی سوتے کیا ہو　　پیری کو بھی آرام میں کھوتے کیا ہو
کچھ دل کی سیاہی کی خبر ہے تمکو　　آنسو سے فقط آنکھوں کو دھوتے کیا ہو

پھر وصل کی تیری لو لگی ہے دل کو	وری تری رنج دے رہی ہے دل کو
پر ذکر سے تیرے دل لگی ہے دل کو	ے تیرے ہے جی پہ گو اداسی چھائی

پھر دور کرو وسوسۂ من تو کو	لے تو پھرالو نفس سے پہلو کو
جاری رکھو ۔ لااللہ الا ہُو کو	حال میں کیا زبان سے دل سے تسلیم

جاں کاکل پیچاں میں پھنسی رہتی ہے	ورت تری آنکھوں میں بسی رہتی ہے
لو تیری شب و روز لگی رہتی ہے	اتجھ سے لگن ہے ہائے اے شمع جمال

پیشانی کی تحریر ہی پیش آنی ہے	ر اپنی جو تم کرتے ہو وہ لایعنی ہے
تسلیم توکلوا کے کیا معنی ہے	ب اپنی ہی حرفتوں کا تکیہ ہوجائے

ہر ایک کمر باندھا چلاجاتا ہے	تسلیم چلو کہ قافلہ جاتا ہے
درویش و غنی برا بھلا جاتا ہے	دنیا ہے گزرگاہ گذر کر یہاں سے

دنیا سے لگائے دل خدا کو بھولے	غفلت میں ہم اپنی ابتدا کو بھولے
الا کا نہیں محل جو لا کو بھولے	بے شرط نہیں جزا کو پایہ تسلیم

درگاہ الٰہی کا وہ مرتد ہے	حاسد کا نتیجہ دو جہاں میں بد ہے
مبدا و معاد میں سراپا دد ہے	حاسد نہیں انسان حقیقت میں کبھی

دل لیکے نہ جا دل کے لگانے والے	صورت تو بتا دور کے جانے والے
کچھ آگ لگا دل میں جلانے والے	باتوں سے جلانے میں نہیں کچھ حاصل

۲۔ بحرِ عرفان المعروف مناجات ہائے تسلیم۔
تسلیم گلشن آبادی نے مناجات کے مجموعوں کو ایک جگہ جمع کرکے اسکا م "بحرِ عرفان" رکھا ہے، جس کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ "بڑی مناجات"

ہے موسوم ہے تو دوسرا حصہ «منجھلی مناجات» اور تیسرا حصہ «چھوٹی مناجات» ہے۔ ان تینوں مناجات میں عروج و زوال، تصوف و معرفت اور عینیت و غیریت کی حالت بیان کی گئی ہے۔ یہ مجموعہ وفات سے کوئی پندرہ بیس سال پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ ان حصوں کے جیسے جیسے نام ہیں ان کی طولانی بھی اسی مناسبت سے موجود ہے مثال کے طور پر یہاں پر مناجات سے تین تین اشعار بطور نمونہ پیش کئے جارہے ہیں۔

بڑی مناجات:

اے مَلک و مالک مُلک و ممالک مالکیت میں تیری ہے کسکو شک
شک جو کیا کافر مطلق ہوا حق جو کہا خواستہ[1] حق ہوا
روح و دل و نفس و جسد چار ہیں خالق افعال نہ مختار ہیں

منجھلی مناجات:

الٰہی یا الٰہق یا الٰہی کرم سے دور کر میری تباہی
بہ نعلین رسول اللہ یارب عطا کر مجھ کو میرے دل کا مطلب
محیط اپنے کرم کا ابر کر دے مری امید کے چشموں کو بھر دے

چھوٹی مناجات:

الٰہی میں عاجز ہوں معذور ہوں تو نزدیک ہے مجھسے میں دور ہوں
الٰہی نہ میں کامگاروں میں ہوں ترے در کے امیدواروں میں ہوں
ترا فضل اکسیر ہے مس ہوں میں تونگر ہے تو اور مفلس ہوں میں

۳ ۔ مثنوی تسلیم:

یہ مثنوی شاعر تسلیم کی آخری تصنیف تھی جو وفات سے تین چار برس پہلے شروع کی گئی تھی۔ اس میں اولیا اللہ، متقدمین اور متاخرین کے علاوہ شاعر کے مرشد کے حالات و جذبات کو پرکارانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ حمد و نعت کا کچھ انتخاب آپ بھی دیکھئے۔

حمد:

حمد اسکو جو کل کا والی ہے والئی ملک بے مثالی ہے
حاکم لا یزال ملک و ملک احکم الحاکمیں ہے وہ بے شک

۱ ۔ بمعنی مقبول۔

مالک الملک لا شریک لہ وحدہٗ لا الہ الا ہو
ہر جگہ میں ظہور ہے اسکا ذرہ ذرہ میں نور ہے اس کا

نعت :

وہ رسول کریم جس کو کریم کہا قرآن میں رؤف و رحیم
وہ رسول خدا کہ جسکو خدا کہا یٰسین اور کہا طٰہٰ
محرم ذو الجلال والاکرام نور ذات احد ہے احمد نام
آپ کا نور نورِ حق سے ہے آپکے نور سے ہے ہر ایک شے

اس حمد و نعت کے بعد کچھ دوستان الٰہی بارے میں بڑا دلفریب منظر پیش یا ہے . اس کا کچھ انتخاب ملاحظہ کیجئے .

جلد ساقی پلا شراب مجھے نظر آتا ہے آفتاب مجھے
نور ہے روشنی ہے سینے میں شمع روشن ہے آبگینے میں
دل مرا لمعۂ مشارق ہے یا تباشیر صبح صادق ہے
تاک ہے مل ہے باغ ہے گل ہے یا کہ خوشبوی مشک کاکل ہے
خوش مزاجی سے خندہ لب ہونمیں واصف دوستان رب ہوں میں

ایسے چند مناظر کے بعد اپنے مرشد کے اوصاف پر ایک قصیدہ لکھا ہے ہوڑا سا انتخاب دیا جارہا ہے .

پیر و مرشد مرے خدا کے دوست بوی ریحان روضۂ ہمہ اوست
قطب دوراں و عارف باللہ مقصد لا الہ الا اللہ
نور شرع و طریق حق سے تھے رہبر دو فریق حق سے تھے
صورت فقر و معنی شاہی خسروِ تختِ ملک آگاہی

۴ ۔ مخمس تسلیم :

(۲۱۷) بند پر مشتمل شاعر تسلیم نے ایک مخمس لکھا ہے جس میں آنحضرت لی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حسب ذیل عنوانات پر نعتیہ نظمیں لکھی ہیں جس یں بھر پور جوش و خروش نظر آتا ہے .

۱ بیان ولادت آنحضرت صلعم (۲۱) بند پر مشتمل ہے .
۲ بیان اہل عرب کے بارے میں (۴) " "
۳ بیان اوصاف آنحضرت صلعم (۸) " "

۴ بیان تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں (۸) بند پر مشتمل ہے۔
۵ بیان اخلاق و عادات محمدی (۲۲) " "
۶ بیان سراپائے محمدی (۱۸) " "
۷ بیان در برزخ احمدی (۳) " "
۸ بیان شب معراج (۵۵) " "
۹ بیان شفاعت (۷۸) " "

مندرجہ بالا عنوانات میں عقیدت کے ساتھ سچائی بیان کی گئی ہے۔ اس کے مطالعے سے ہی اس کا حقیقی لطف آتا ہے۔ ایک مخمس کے کچھ بند بہ طور نمونہ یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

بیان ولادت آنحضرت صلعم

(نوٹ ۲۱ بندوں میں سے صرف ۵ بند درج ذیل ہیں)

حبیب الہی کی عظمت کو دیکھو رسول خدا کی فضیلت کو دیکھو
ہمارے گناہوں کی کثرت کو دیکھو وہ دریائے وحدت کی رحمت کو دیکھو
یہ کلفت کو دیکھو وہ الفت کو دیکھو

وہ ملجائے رحمت وہ ماوائے رحمت سراپا تھا جن کا سراپائے رحمت
فدا جس کے قامت پہ ہوجائے رحمت ہم آلودہ عصیاں وہ دریائے رحمت
یہ رحمت کو رحمت کو رحمت کو دیکھو

وہ پیارا خدا کا ہمارا نبی ہے کہ جسکی خدا کو بھی یک لولگی ہے
دو عالم کی بستی اسی سے بسی ہے وہ اعجاز سے داد قدرت کی دی ہے
یہ درجہ کو دیکھو یہ رتبت کو دیکھو

زمیں پر وہ شاہ فلک پا یہ آیا یہ غل تھا کہ فخر عرب آیا آیا
وہ اللہ کا سایہ بے سایہ آیا شفاعت کا رحمت کا سرمایہ آیا
ظہور مہ برج وحدت کو دیکھو

اگرچہ وہ خود مظہر ماسوا ہے مگر ماسوا سے وہ نقشہ سوا ہے
مقام محمد وراء الوریٰ ہے خدا نور ہے اور وہ نور خدا ہے
خدا اور محمد کی نسبت کو دیکھو

۵ ۔ وحدت الوصول:

شاعر تسلیم کی یہ ایک مختصر مثنوی ہے جو مثنوی گلزار نسیم کی بحر میں

ہی گئی ہے اس میں مقام وراء الوری کا بیان ہے اور مرتبہ وحدت اور وحدت
جود کی شان نہایت خوبی سے لکھی گئی ہے . اس کے جملہ (۳٤) اشعار ہیں
ونتاً چند اشعار دئے جا رہے ہیں .

حمد اس کو جو لا شریک ہے وہ   ملوک[1] ہیں سب ملیک[2] ہے وہ
خالق ہے مکین اور مکان کا   باعث ہے زمین و آسماں کا
بے ضد وہی لیس ند وہی ہے   لم یولد ولم یلد وہی ہے
بیچوں وہی اور بیچگوں وہی ہے   نے چند وہی ہے اور نہ چوں وہی ہے
کل میں ہے مگر ہے کل سے باہر   جوں بوی گل اور گل سے باہر

٦ ـ مرثیہ تسلیم :

یہ مرثیہ (٥٦) بند پر مشتمل ہے جو نہایت غم و الم اور رنج کی حالت میں
ہا گیا ہے

۲ ـ فارسی تصنیفات :

فارسی زبان میں بھی شاعر تسلیم کافی ماہر تھا . اوپر اس کے فارسی دیوان
ذکر آچکا ہے . اس دیوان کے علاوہ بھی فارسی ادب میں اس کی تصنیفات
پتہ چلتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے . (۱) رباعیات تسلیم . (۲) رموز تسلیم .
) رقعات تسلیم . (٤) حضورستان تسلیم . (٥) شربت دیدار . (٦) ولولۂ تسلیم .
) دستہ گلریز .

۱ ـ رباعیات تسلیم : (نمونہ)

، چہ رخصت میشوم جان رخصت از من میشود   تن ز جانم الوداع و جانم از تن میشود
دہد یک بوسہ جانان ہر دو جانب لذتے   ہر کہ محسن می شود البتہ محسن میشود

۲ ـ رموز تسلیم :

یہ ایک مختصر مثنوی ہے جو سنہ ۱۲۹۷ ھ میں لکھی گئی تھی اس کا طرز بیان
اختصار قابل تعریف ہے اس میں تصوف و عرفان کی باتیں اور ان کے رموز پوشیدہ
. نمونہ حسب ذیل ہے .

بعد حمد خدا و نعت نبی   میکنم عرض حال بو العجبی

---

[1] بمعنی بادشاہ   [2] بمعنی مالک

دوش عرفان اعظم[1] بیدل توشۂ جادۂ[2] منازل دل
جسد شرع پاک و جان طریق ہادئ راہ سالکان طریق

۳ ۔ رقعات تسلیم :

اس مختصر گلدستہ میں (۵۲) فارسی رقعات ہیں ۔ اس کو ترتیب دینے کی تسلیم کو کیوں ضرورت پیش آئی ۔ اس سلسلہ میں اس نے اس کے دیباچہ میں جو مقصد ظاہر کیا ہے اس کو بجنسہ نقل کیا جارہا ہے تاکہ یہ مقصد سب پر عیاں ہوجائے ۔

« وفور خواہش جوہر شناس نکات رنگین ۔ لذت گر سخنان نمکین ۔ دقیقہ رس ۔ نیز نفس جودت را شکر ۔ فطرت را فلک سوم تعلقدار تعلقہ میدک دام اقبالہ مخاطب گردید کہ چند رقعات مختصر العبارت قریب الفصاحت ۔ با محاورہ زبان مجاز ۔ بہ قانون ایجاز کہ تشویشے نیارد و جگرے نخارد بر زبان قلم آرد ۔ ناچار در سن (۱۲۸۸ ھ) ایکہزار دو صد و ہشتاد و ہشت مستعد تحریر گشت ۔ تا مصنف را از دعا مائدہ[3] قاری را از بہر فائدہ باشد ۔ و سامع نیز قلم شوق برترا شد » ۔

مندرجہ بالا اقتباس سے اس کی ترتیب کا سنہ ۱۲۸۸ ھ برآمد ہوتا ہے ۔ اس کے بعد نمونتاً ایک رقعہ بھی نقل کیا جارہا ہے تاکہ اس شاعر کی فارسی انشاء پردازی اور اس فن میں اس کی مہارت کا اندازہ ہوسکے ۔

« معدن کرم مخزن ہمم ۔ سلمہ اللہ الاکرم ۔ بتادی[4] رسیم مسنون کاشف مضمون ام ۔ مزاج داعی الخیر بخیر و مرور نامہ نامی مسرت بخش خاطر پابند انتظار دوامی گردید ۔ مصفا ترین راہے کہ کدورت بکاہے ندارد ، حسن اخلاق است کہ سبب بہبودی مخلوق و خوش نودی خلاق[5] ۔

٤ ۔ حضورستان تسلیم :

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں تصوف کے وہ سب باریک باریک نکتے درج ہیں جن کے گہرے مطالعے سے تصوف کا پیچیدہ مسئلہ قاری کے لئے سہل ہوجاتا ہے ۔

۵ ۔ شربت دیدار :

یہ بھی ایک مثنوی ہے جس میں شیریں کلامی اور سلاست پائی جاتی ہے ،

---

۱ ۔ مرزا بیدل رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب کا نام ۔ ۲ ۔ بمعنی راستہ ۔ ۳ ۔ بمعنی خوان نعمت ۔
٤ ۔ بمعنی ادا کرنا ۔ ۵ ۔ بمعنی حق تعالی ۔

مد و نعت اور مناجات کا کچھ انتخاب درج ہے۔

حمد

حمد خداوند زمین و زمان — شکر فرازندۂ نہ آسمان
بسملۂ صفحۂ اشعار ماست — فاتحۂ شربت دیدار ماست
مطلع دیوان دل و جان ماست — مقطع ارایش ایمان ماست

نعت

ریزم ازآن در دہن خود گلاب — تا بکنم نعت رسالت مآب
مرتسم نقش خفی و جلی — مفتخـــر جملہ نبی و ولی
مطرح ایجاد وجود ہمــــہ — مبنیٔ اسباب شہود ہمــــہ

مناجات

پردۂ غفلت ز دلم دور کن — سینہ ام از نور تو معمور کن
معرفت خویش عطا کن مرا — از خودی خویش رہا کن مرا
از کرمت جفت مرا طاق کن — قیــــد مرا محو باطلاق کن

۶ ـ ولولہ تسلیم :

شاعر تسلیم نے اس وقت کی مشہور فارسی تصنیف « چہار عنصر » سے متاثر ہو کر
س کو کہ اسنے حفظ بھی کرلیا تھا، اسی طرز پر یہ کتاب « ولولۂ تسلیم » کے نام
ے لکھی تھی جبکہ اس کی عمر صرف بیس برس کی تھی، اس تصنیف کے دو تین
ی نسخے لکھے گئے تھے جنہیں اس نے « مدرسہ حبیبہ » کے زمانے میں اپنے
اگردوں میں تقسیم کردیا تھا جو بعد میں خرد برد ہوکر ناپید ہوگئے ہیں۔

۷ ـ دستہ گلریز :

یہ ایک مختصر سا رسالہ تھا۔ جو بہاریہ نظم و نثر پر مشتمل تھا۔ یہ اٹھارہ سال
ی عمر میں ترتیب دیا گیا تھا۔ باور یہ کیا جاتا ہے کہ اس کو دیمک لگ جانے
ی وجہ سے اس کا کوئی حصہ بھی موجود نہیں ہے۔

۳ ـ وصیت التسلیم :

ان فارسی اردو تصانیف کے علاوہ ایک اور تذکرہ عربی و فارسی کا ملا جلا
تا ہے۔ جو « وصیت التسلیم » کے نام سے موسوم ہے۔

یہ ایک وصیت نامہ ہے جو وفات سے دو تین سال قبل لکھا گیا ہے۔ اس کا

پہلا حصہ عربی ہے اور دوسرا حصہ فارسی ہے۔ عربی حصہ میں پند و نصائح ہیں جس میں آل و اولاد، مرید و طالب، عزیز و اقارب اور شاگرد و احباب کو مخاطب کیا ہے۔

فارسی حصہ حالت نزع و تجہیز و تدفین وغیرہ کی نصیحت سے پُر ہے۔ غرض یہ وصیت نامہ اور نصیحت نامہ ہے۔

٤ ۔ اردو فارسی تاریخات:

شاعر تسلیم کو تاریخ گوئی میں بڑا ملکہ تھا۔ اس شاعر کے نکالے ہوئے بعض مادہ ہائے تاریخ اور قطعات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تاریخیں کبھی شادی و غم اور کبھی عمارتوں کی تعمیر اور سیر و شکار پر نکالی گئی ہیں۔

اردو کے دو نمونے درج ذیل کئے جارہے ہیں۔

(١) تعمیر مکان:

اسد اللہ حسینی نے مکان کیا فرحت سے خوش اسلوب بنا
کہی تسلیم نے تاریخ اسکی ہے یہ ذی شان مکان اعلا
١٣٠٤ھ

(٢) شکار شیر:

رئیس ملک دکن آصف سلیمان جاہ نظام افضل و فخر سکندر و دارا
بلند بخت و جوان ہمت و جوان دولت جوان مزاج و جوان سال و مملکت آرا
طفیل حضرت محبوب شاہ جیلانی قیام دولت و حشمت ہو تا بروز جزا
مثال ابر بہاری سواری شاہی جب آئی گلشن میدک ہوا تر و تازا
دعا یہ کرتے ہیں تسلیم ساکنان دکن کہ خیر خواہ عزیز، اور ذلیل ہوں اعدا
کیا جو عزم شکار اسد بصد ہیبت ہے جس کی ہمت عالی کے روبرو رؤبا
نگاہ شاہ تھی برق اجل کہ ضیغم دشت لیا نہ دم کہ ہوا قید زندگی سے رہا
بقطع فرق اسد خوش مادہ تاریخ شکار شیر مبارک ہوا، یہ دل نے کہا
١٣٠٥ ــ ١ = ١٣٠٦ھ

تبصرے

متاع کلیم از کلیم احمد آبادی کاغذ و طباعت اچھی، کتابت اوسط درجہ
ی۔ صفحات ۱۷۶

ملنے کا پتا: کلیم بک ڈپو، خاص بازار، احمد آباد. قیمت چار روپے

متاع کلیم، کلیم احمد آبادی کی غزلوں کا ایک مختصر سا مجموعہ ہے جس
ں ان کے آخری دور زندگی کا کلام ہے. ان کا ابتدائی کلام بدقسمتی سے تلف
گیا. مجموعۂ کلام کی ابتدا میں شاعر کے ایک دوست جناب حبیب الرحمٰن
احب غزنوی نے پیش لفظ کے تحت ان کے مختصر حالات لکھے ہیں جن کے
ھنے سے شاعر کی افتاد طبع اور کلام کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے. ہمارے
سٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر جناب سید نجیب اشرف صاحب ندوی نے تقریب کے عنوان سے
و صفحے لکھے ہیں جنہیں پڑھ کر کلیم کی پاکیزہ شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے.
اعر (بمبئ) کے اڈیٹر جناب اعجاز صاحب صدیقی نے دیباچہ نگاری کا فرض
ام دیا ہے اور شاعر کے کلام کے محاسن عمدگی سے بتائے ہیں.

جناب کلیم کے کلام کی بنیاد واردات حسن و عشق پر ہے. انہوں نے سلوک
ے مراحل بھی طے کئے ہیں. اس لئے ان کے یہاں کیفیات عشق کی اچھی مصوری
ی ہے. ان کے جذبات میں خلوص اور الفاظ میں تاثیر ہے. انہیں اسلوب بیان
قدرت حاصل ہے. اس قدرت نے ان کے کلام میں روانی و چستی پیدا کردی
. ان کی زبان صحیح اور بامحاورہ اور انداز بیان شگفتہ و دل کش ہے. انداز
، میں وہ اقبال سے متاثر ہیں. آہ نیم شبی. خیال تنگی داماں وغیرہ جیسی ترکیبیں اقبال
کے یہاں سے آئی ہیں. ان کی تشبیہیں لطیف اور استعارے دل کش ہیں. ان کے
م میں کیفیات عشق کی مصوری کے علاوہ حیات و کائنات کا مطالعہ بھی ملتا
. انہوں نے زندگی کی حقیقت کو سمجھنے اور اسے سراہنے کی کوشش کی ہے.
زندگی کی تلخیوں سے گھبرائے نہیں بلکہ انہیں شیرینی میں بدلنے کا حوصلہ
تے ہیں. وہ گل کو شگفتہ رکھنے کے لئے خار کا وجود ضروری

سمجھتے ہیں۔ انہیں جبر کے ساتھ اختیار بھی نظر آتا ہے۔ وہ خاک نشینوں کو اپنے وقت کا پروردگار سمجھتے ہیں۔ غرض کلیم اگلے وقتوں کے ہونے کے باوجود صحیح معنوں میں ترقی پسند کہلانے کے مستحق ہیں۔ وہ طرز کہن کے دلدادہ ہونے کے باوجود آئین نو سے ڈرتے نہیں۔ ان کے کلام کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انہوں نے زمانے کے بدلتے ہوئے رجحانات کا اثر قبول کیا ہے۔

یہاں چند اشعار نقل کر دینا نامناسب نہ ہوگا تاکہ شاعر کے کلام کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

محبت ہے کہ تسکین دل و جاں ہوتی جاتی ہے جسے میں کفر سمجھا تھا وہ ایماں ہوتی جاتی ہے

اتنا تو ہو کہ ذوق طلب خود پکار اٹھے دست دعا اٹھائے وا ہے در قبول

آخر آخر خشک آنکھوں پر کلیم ایک تارا جگمگایا تو سہی

انگڑائیوں کے ساتھ چمن میں تھیں بجلیاں شاید وہ آپ بھول گئے بانکپن کی موج

رگ رگ میں اک سرور ٹپکتا ہے اے کلیم یہ دل کی موج ہے کہ شراب کہن کی موج

برق کی سرگرمیاں تسلیم، پھر بھی اے کلیم بجلیاں گرتی رہیں اور آشیاں بنتا گیا

ہر لحظہ اک سکوں تھا، ہر لمحہ اک تسلی کیا آپ بولتے تھے دل کی شکستگی میں

یہ حادثہ بھی نہیں مرگ ناگہاں سے کم جو دو دلوں کی محبت کا راز کھل جائے

مقام جبر سے آگے نکل کے دیکھ ذرا تو اپنی زیست میں پائے گا اختیار بہت

لالہ و گل تو حسیں سے بھی حسیں تر ہیں مگر دیکھنا یہ ہے کوئی خار حسیں ہے کہ نہیں

زرِ گل: از کوثر نیازی صفحات ۱۶۰، کاغذ، کتابت و طباعت اچھی۔
ناشر: مکتبۂ تعمیر انسانیت، لاہور، قیمت دو روپے بارہ آنے۔

زرِ گل کوثر نیازی کے کلام کا مجموعہ ہے۔ ابتدا میں مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کے قلم سے شاعر کا مختصر مگر دلچسپ تعارف ہے۔ کتاب تین حصوں میں منقسم ہے۔ (۱) نغمۂ زنداں (غزلیات) (۲) کربِ احساس (نظمیں) (۳) صدائے جرس (غزلیات)

کوثر کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے۔ سنہ ۱۹۵۳ ع میں پاکستان میں جماعت اسلامی کے بہت سے ارکان گرفتار ہوئے تھے۔ نوجوان شاعر کوثر نیازی بھی گرفتاروں میں تھے، چنانچہ نغمۂ زنداں کی کئی غزلیں اسی دور قید و محن کی یادگار ہیں۔ ان کی غزلیں حسرت موہانی و محمد علی جوہر کی یاد دلاتی ہیں۔ انہی دونوں بزرگوں کی طرح کوثر کا کلام بھی سادگی کا حامل اور درد و تاثیر میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ کوثر کے دل میں اسلامی شعار سے محبت، اسلامی تہذیب سے شیفتگی اور اسلامی آئین پر جینے اور مرنے کا حوصلہ ہے۔

شکوہ ہائے ستم یار ہوئے نذر کرم یاد کچھ بھی نہیں اب ان کی عنایت کے سوا
خانۂ تعزیر ہو گیا عشق میں اس مجرم کی دل میں کچھ غم ہیں ابھی تیری محبت کے سوا
ک ذرا دیکھ کے اے جراءت ایماں کہ یہاں قابل عفو ہے ہر جرم صداقت کے سوا

جیتے ہیں اسی آس پہ ناکام محبت اک روز وہ مائل بہ کرم ہو کے رہیگا
زندانیو، گھبراؤ نہ اس جور و جفا سے سر جبر کا اکڑا ہوا خم ہو کے رہیگا
پاہر سنگ گراں اور بھی کچھ راہ میں ڈالو یہ قافلہ اب تیز قدم ہو کے رہیگا

کوثر کا تعلق جیسا کہ اوپر بتایا گیا جماعت اسلامی سے ہے اور جماعت اسلامی اور پاکستانی حکومت میں جو اختلاف اور کشمکش رہی ہے وہ ظاہر ہے۔ چنانچہ اوپر کے بعض اشعار میں اسی کشمکش کی طرف اشارہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے کلام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے گل و بلبل کے پردہ میں اپنے سیاسی مسلک کا اظہار بڑی خوبصورتی سے کیا ہے۔

گلشن پہ بوم و زاغ کا قبضہ ہے ان دنوں بلبل کا آشیاں ہے شراروں کی گود میں

گلشن دہر کی مسموم بہاریں توبہ! دل ہر برگ سے اٹھتا ہے دھواں اے ساقی

یہ بات کیا ہے کہ فصل بہار کے ہوتے مجھے چمن پہ گمان قفس بھی ہوتا ہے

کلی کلی سے شراروں کے پھول جھڑتے ہیں بہار ہے کہ خزاں ہم بتا نہیں سکتے

ہم آبلہ پایان رہ شوق، وفا کی ہر وادیٔ پُرخار کو گلفام کریں گے

کوثر کا کلام واردات قلبی اور کیفیات عشق کی عکاسی سے بھی خالی نہیں۔

یہ تری ذرہ نوازی ہے کہ برباد کیا
ورنہ کب تھا میں ترے لطف کے قابل اے دوست

بڑھ گئی اور بھی مہجوریٔ قلب مضطر
خوب ہے تیری توجہ کا یہ حاصل اے دوست

میں جسے منفعت کون و جہاں سمجھا ہوں
اہل دنیا اسے کہتے ہیں زیاں اے ساقی

ذوق سجدہ میں کسی عنواں کمی آتی نہیں اے جبین شوق ان کا سنگ در ہوجائے

پھر اسے جام کی حاجت نہ ضرورت مے کی تیری نظروں سے جو ایک بار بہک جاتا ہے

نظموں میں «اے مری رفیق حیات» اسی جذبہ و اسلوب کی حامل ہے جو کوثر کے کلام کی نمایاں خصوصیت ہے۔ بعض دوسری نظمیں بھی اچھی کہی جاسکتی ہیں۔ نظموں اور غزلوں میں کہیں کہیں ادبی و فنی غلطیاں پائی جاتی ہیں جو امید ہے کہ آگے چل کر دور ہوجائیں گی۔ مجموعی حیثیت سے زر گل کو ایک اچھا مجموعۂ شعری کہا جاسکتا ہے، لطیف و پاکیزہ کلام کا مجموعہ۔

آویزے: از نثار احمد جالندھری، صفحات ۱۷۴ کاغذ، کتابت، طباعت اوسط درجہ کی۔ ملنے کا پتا: قریشی پبلشرز، محمد اسٹریٹ، مزنگ، لاہور (مغربی پاکستان) قیمت تین روپے۔

آویزے نثار احمد جالندھری کی غزلوں اور نظموں کا مجموعہ ہے ۔ کتاب کے
چہ میں مصنف نے ایک بڑا دلچسپ مگر عبرتناک انکشاف کیا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ
ں کتاب پر ایک سے زیادہ دیباچے مشہور ادبا کی طرف سے (جملہ بھی قابل داد
) لکھے گئے اور وہ میرے پاس محفوظ ہیں ۔ میں نہیں چاہتا کہ اپنی تعریف سے
کتاب کے حسن کو زائل اور آپ کے وقت کو ضائع کروں ۔ »

اگر یہ دیباچے یا مقدمے کتاب میں شریک نہیں کرتے تھے تو پھر انہیں
انے کی ضرورت کیوں پڑی ؟ اگر برنارڈشا کی تقلید میں اپنا ڈھول خود پیٹنا
ر تھا تو « مشہور ادبا » کو خواہ مخواہ زحمت دینے اور ان کا وقت ضائع کرنے سے
فائدہ ہوا ؟ ایک سوال یہ بھی ہے کہ « مشہور ادبا » کے دیباچوں اور مقدموں
کتاب کا حسن (اگر واقعی حسن ہے) زائل کس طرح ہوتا بلکہ ممکن ہے کہ
طگی سے حسن میں کچھ اضافہ ہوجاتا ۔

مختصر دیباچہ یا اعلان کے بعد مصنف نے ‹ کچھ اپنے متعلق › کی سرخی
کر اپنے مختصر حالات لکھے ہیں اور اپنے نظریۂ شاعری کی وضاحت کی ہے ۔
کے بیان کے مطابق وہ دل شاہجہاں پوری کے شاگرد ہیں ۔ لیکن کسی بڑے استاد
ناگرد ہونا اچھے شاعر ہونے کی قطعی دلیل نہیں ہوسکتی ۔

کتاب چار عنوانات پر تقسیم ہے (۱) تغزل ۔ عنوان ہی سے ظاہر ہے ۔ اس میں
ں ہیں ۔ (۲) کف گلفروش میں زیادہ تر قطعات ہیں ۔ (۳) جمال ہم نشیں میں رومانی
ن ہیں (٤) روداد جہاں میں وقتی یا سیاسی نظمیں ہیں ۔

نذر خیام: از راجا مکھن لال صفحات ۱٦۲ (مع مقدمہ) کاغذ ، کتابت ، طباعت
اوسط درجہ کی ۔ ملنے کا پتا: اعجاز پرنٹنگ پریس ، چھتہ بازار ۔ حیدرآباد
(اندھرا پردیس) قیمت دو روپے آٹھ آنے ۔

خیام کی شہرت اور رباعیات خیام کی مقبولیت مسلم ہے ۔ اس کی مقبولیت
ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں ۔
تبصرہ کتاب بھی خیام کی رباعیوں کا ترجمہ ہے جو ۱۸٤۲ء میں راجا مکھن
(حیدرآباد) نے کیا تھا اور اب محمد تقی الدین احمد صاحب کی کوشش اور اہتمام
شائع ہوا ہے ۔ ترجمہ سے پہلے تقی الدین صاحب کے قلم سے ایک طویل
مہ ہے جس میں انہوں نے خیام کے اجمالی حالات ، رباعیات خیام کے قلمی و

مطبوعہ نسخے اور تراجم، راجا مکھن لال کے مختصر حالات، رباعی کی ایجاد، اردو میں رباعی وغیرہ عنوانات کے تحت خاصی محنت سے لکھا ہے۔ ان سب کے بعد ترجمہ کو سامنے رکھ کر رباعیات پر تبصرہ کیا ہے اور خیام کی شاعری کی ممتاز خصوصیت بتائی ہیں۔

ترجمہ صاف، رواں اور شگفتہ ہے۔ زبان میں کہیں کہیں قدامت کی جھلک پائی جاتی ہے جو بالکل فطری بات ہے۔ بحیثیت مجموعی ترجمہ اچھا اور دلچسپی سے پڑھنے کے لائق ہے۔

(غ۔ ر۔ ق)

ضمیمہ

ت

مقالہ نما

مرتبین

ڈاکٹر عالی جعفری

عبدالقوی دسنوی عبدالستار دلوی علاؤالدین جینابڑے

فہرست عنوانات

مذہبیات

۱۔ ابوالقاسم دلاوری

مسیلمہ کذّاب

(تعمیر انسانیت، لاہور، اکتوبر، نومبر ۵۹)

مسیلمہ کذاب اور اس کے قتل کے حالات، تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں

۲۔ ابوالقاسم دلاوری

سجاح بنت حارث تمیمیہ

(تعمیر انسانیت، لاہور، دسمبر ۵۹)

سجاح نے نبوت کا دعویٰ کیا، مسیلمہ کذاب سے بیاہ کیا اور قبول اسلام کے بعد مر گئی۔

۳۔ ابوالاعلیٰ مودودی

رسائل و مسائل

(ترجمان القرآن لاہور، اکتوبر نومبر، دسمبر ۵۹ ع)

ان مسائل پر قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث کی ہے۔ غیبت، بد دیانتی، شیطان، آدم، تقدیر، ختم نبوت اور حیات النبی۔

۴۔ ابوالاعلیٰ مودودی

رسول کی حیثیت شخصی اور حیثیت نبوی

(ترجمان القرآن لاہور دسمبر ۵۹ء)

اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ کی دینی اور شخصی حیثیتیں ایک دوسرے سے الگ ہونے کے باوجود کس طرح ایک دوسرے سے منسلک ہیں

۵۔ امینی، محمد تقی

فقہی احکام میں تخفیف و سہولت کے چند اسباب

(برہان نومبر ۲۹۶ ۵۹ ع)

چند ان اسباب کا ذکر جن سے احکام فقہ میں تخفیف و سہولت کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور نت نئے حالات و مسائل کے تلاش کرنے میں بھی جن سے بڑی حد تک مدد ملتی ہے۔

۶۔ امینی، محمد تقی

فقہ اسلامی کے مآخذ

(معارف ۵۹ ع اکتوبر ۲۴۵-۲۶۰)

۲۔ اس قسط میں ماقبل کی شریعت پر گفتگو کی ہے (باقی)

۷۔ امینی، محمد تقی

فقہ اسلامی کے مآخذ

(معارف ۵۹ نومبر ۳۰۹-۴۶۵)

۳۔ فقہ اسلامی کے بارہویں ماخذ «ملکی قانون» سے بحث کی ہے۔

۸۔ امینی، محمد تقی

فقہ اسلامی کے مآخذ

(معارف ۵۹ دسمبر ۴۰۵-۴۱۲)

۴۔ اس قسط میں فقہ اسلامی کے ماخذ

کے سلسلے میں ملکی قانون کی بحث کو جاری رکھا ہے۔ (باقی)

۹۔ جعفر شاہ

اسمائے حسنی

(ثقافت ۵۹ نومبر دسمبر)

اللہ کے ناموں کے سلسلے کی گفتگو کی پہلی اور دوسری قسط

۱۰۔ حمید اللہ، ڈاکٹر

قرآن مجید کے فرانسیسی ترجمے

(معارف ۵۹ ۳۶۰۔۴۶۸)

فرانسیسی میں پائے جانے والے تراجم قرآن کا مختصر ذکر ہے۔

۱۱۔ رشید احمد

قرآنی نظریہ مملکت

(ثقافت ۵۹ دسمبر ۷۔۳۶)

امور مملکت و سلطنت سے متعلق قرآن کے نظریات بیان کئے ہیں جس کی یہ پہلی قسط ہے (باقی)

۱۲۔ سلیم شمسی

کلمات

(مقام رسالت کراچی نومبر، دسمبر ۵۹)

حدیث کی حیثیت محض تاریخی نہیں بلکہ اس کی تشریعی حیثیت صحابۂ کرام کے نزدیک بھی مسلم تھی۔

۱۳۔ صدرالدین اصلاحی

ملی انتشار اور اس کے دینی تقاضے

(زندگی رامپور ۵۹ نومبر دسمبر)

صدرالدین صاحب کی زیر تصنیف کتاب "اسلام اور اجتماعیت" کا ایک باب اس میں جماعتی تنظیم سے متعلق اسلامی نظریات کو پیش کیا گیا ہے۔

۱۴۔ ضیاء الدین اصلاحی

امام نسائی اور ان کی سنن

(معارف ۵۹ اکتوبر نومبر دسمبر)

حافظ ابو عبدالرحمٰن نسائی حدیث و سیر کے سلسلے میں بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں۔ ان کے حالات اور ان کی سنن سے متعلق معلومات فراہم کی ہیں (قسط ۱۔۲۔۳)

۱۵۔ ظفیر الدین

اسلام کا نظام امن و امان ۔ قتل خطا اور اس کی روک تھام

(برہان ۵۹ اکتوبر ۱۹۷۔۲۱۲)

یہ دوسری قسط ہے جس میں عوض مالی کا تفصیلی تذکرہ اور اسلامی قانون و برطانوی قانون کا تقابل پیش کیا ہے۔

۱۶۔ عبدالحمید

خشت اول

(تعمیر انسانیت لاہور؛ اکتوبر؛ نومبر)

اسلام اور جمہوریت میں بنیادی فرق اور اسلامی نظام حکومت پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۷۔ علی احمد خان

قوم مدین اور حضرت شعیب علیہ السلام

(تعمیر انسانیت لاہور، اکتوبر؛ نومبر ۵۹)

قرآن کی روشنی میں قوم مدین اور حضرت شعیب کے حالات بیان کئے ہیں۔

۱۔ فاروق اعظمی

سلام کے معتقدات اور قرآن مجید کا طرز استدلال

(زندگی رامپور ۵۹ اکتوبر نومبر دسمبر)

اسلام کے بنیادی تصورات کی توضیح رآن نے کس طرح کی ہے۔ اس پر رآنی آیات کی روشنی میں ایک تفصیلی بحث

۱۔ فضل الرحمٰن صواتی

مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کا انتساب

(برہان ۵۹ دسمبر ۳۶۱-۳۶۹)

مولانا محمد یوسف کوکنی کے نام مولانا فضل الرحمٰن کا ایک خط ہے جس یں ابن تیمیہ سے متعلق ان کی کتاب ر تبصرہ اور ترجمان القرآن کا انتساب انے والے مولانا دین محمد قندھاری کا ذکر ہے۔

۲۔ قاسمی، مجاہد الاسلام

خلافت معاویہ ویزید - ایک جائزہ

(برہان ۵۹ دسمبر ۳۴۴ ۳۶۰)

صاحب «خلافت معاویہ و یزید» نے رف ابن خلدون کی تعریف کی ہے۔ مقالہ نگار نے اس کی روشنی میں کتاب جائزہ لیا اور اس کی غلط روش اور لط بیانی پر تبصرہ کیا ہے۔

۲۔ محمد عثمان

ظام مملکت کے متعلق قرآن کی حکیمانہ روش

(ثقافت ۵۹ نومبر ۵-۱۳)

قرآن نے ضد اور کٹر پن نہیں بلکہ وسعت و فراخی کی روش سکھائی ہے۔

۲۲۔ محمود الحق ظفر

تدوین حدیث عہد نبوی میں

(عارف؛ لاہور دسمبر ۵۹)

منکرین حدیث کے اس دعوی کی تردید کرتے ہوئے کہ حدیث حضور کے زمانے سے ۱۵۰ سال بعد حیطۂ کتابت میں آئی بتایا ہے کہ حضور نے اپنی حیات ہی میں اس کو مختلف کتابوں۔ صحیفوں اورخطوں میں جمع کروا دیا تھا۔

۲۳۔ مصطفی سباعی

اسلامی تہذیب میں انسانیت کا مقام

(الفرقان لکھنو ۵۹ نومبر)

اسلامی تہذیب کی بنیادی خصوصیات پر بحث کرنے کے بعد صحابہ کرام کی مثالیں دیکر بتایا ہے کہ اسلام کا انسان کس قدر بلند کردار کا مالک ہے۔

۲۴۔ منظور نعمانی

حقیقت ایمان

(الفرقان لکھنو ۵۹ دسمبر)

ایمان کی تشریح قرآنی آیات اور سیر صحابہ کی مدد سے

۲۵۔ نصرت نوشاہی

بارش۔ قرآن حکیم کی روشنی میں

(عارف، لاہور نومبر ۵۹)

مذکورہ موضوع پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

۲۶ - نعیم صدیقی

اطاعت رسول

(تعمیر انسانیت لاہور؛ اکتوبر؛ نومبر؛ دسمبر ۵۹)

قرآنی دلائل و براہین کی روشنی میں بتایا ہے کہ منصب رسالت اور رسول کی شخصیت، اطاعت، احترام اور محبت کے مقتضی ہوتے ہیں۔ (باقی)

۲۷ - نعیم صدیقی

محسن انسانیت

(ترجمان القرآن لاہور ۵۹؛ اکتوبر؛ نومبر؛ دسمبر)

سیرت نبوی سے متعلق ایک بسیط مقالہ کی تین قسطیں، ان میں ان عوامل پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی جن سے اسلام کو سر بلندی حاصل ہوئی۔

۲۸ - نیاز فتحپوری

خلافت معاویہ و یزید

(نگار ۵۹ اکتوبر ۲۸-۴۳)

مولانا محمود عباسی کی تصنیف «خلافت معاویہ و یزید» پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

۲۹ - وحید الدین خاں

خدا کی کتاب

(زندگی رامپور ۵۹، نومبر؛ دسمبر)

قرآن کا مطالعہ کس طرح کیا جائے اور اس کے لوازمات کیا ہیں۔ ان کی وضاحت۔

تذکرہ و سیرت نگاری

۳۰ - ثناء اللہ

کاکا محمد اسماعیل مرحوم مدراسی

(معارف ۵۹ اکتوبر ۳۱۴-۳۴۹)

مدراس کے مشہور ثروت مند اور مخیر کاکا محمد اسماعیل مدراسی کا مختصر تذکرہ اور تعلیم وغیرہ سے متعلق ان کے کارنامے بیان کئے ہیں۔

۳۱ - حبیب انصاری

امام غزالی

(صبح نو پٹنہ دسمبر ۵۹ء)

امام غزالی اسلامی مفکرین و مصلحین میں امتیازی خصوصیت کے مالک ہیں وہ بیک وقت فقیہ، مدرس، متکلم، شاعر اور مصلح تھے۔ مضمون نگار نے ان کی زندگی اور کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔

۳۲ - سعید احمد رفیق

ابن رشد

(ثقافت ۵۹ اکتوبر ۳۴-۴۴)

مشہور مسلم مفکر ابن رشد اور ان کے افکار کا مختصر تعارف درج کیا ہے۔

۳۳ - سعیدی

علامہ ابن جوزی

(تعمیر انسانیت لاہور؛ اکتوبر؛ نومبر؛ دسمبر ۵۹)

مذکورہ مضمون کی دوسری تیسری اور چوتھی قسط [illegible]

۳۴ - صلاح الدین [illegible]

۔ تذکرہ بزرگان اسلام
(عارف لاہور، نومبر ۵۹)
حضرت سید عبد القادر جیلانی رض کے
لات زندگی، علم، بزرگی اور کرامات
ذکر ہے۔

۔ عابد علی عابد
سید اور مسلمانوں کا ملی اور ثقافتی احیاء
(قومی زبان یکم اکتوبر ۵۹)
سر سید نے مسلمانوں کے ملی اور
فتی احیاء میں جو حصہ لیا ہے اس پر
حاصل روشنی ڈالی ہے۔

۔ عبد الرحمان، شوق
تذکرۂ بزرگان اسلام
(عارف لاہور، دسمبر ۵۹)
حضرت سید محمد اشرف جہانگیر
سانی رحہ کا تذکرہ۔

۔ عبدالرؤف
خ الاسلام قطب عالم حضرت مخدوم شیخ
شرف الدین احمد یحیٰی منیری بہاری
اور علم و ادب
(معارف ۵۹ دسمبر ۴۲۳۔۴۳۵)
حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ
ی کے خطوط کی مدد سے انکے مرتبۂ
وف اور علم و ادب کا تذکرہ کیا ہے۔

۔ عتیقی، رفیع الدین
لانا آزاد ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے
(نگار لکھنؤ ۵۹ ضمیمہ ۲۔۴۰)
مولانا آزاد کی حیثیت بطور ایک ماہر
تعلیم کے متعین کرنے کی کوشش کی
ہے۔

۳۹۔ قریشی. عبد الرزاق
منشی دیا نرائن نگم
(آجکل، ۵۹ دسمبر ۱۶۔۲۲)
منشی دیا نرائن نگم کے حالات زندگی
پیش کئے ہیں۔

۴۰۔ م۔

علمائے امرتسر۔مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری
(فیض الاسلام ۵۹ نومبر ۲۱۔۲۵)
مولانا ثناء اللہ امرتسری کے مختصر
حالات درج ہیں،

۴۱۔ محمد موسیٰ
علمائے امرتسر۔ مولانا مفتی عبد الرحمان
(فیض الاسلام ۵۹ اکتوبر ۲۳۔۲۸)
(مسلسل) مولانا عبد الرحمان امرتسری
کے تذکرہ کی آخری قسط ہے جس میں
ان کے اقوال و ملفوظات، تلامذہ، اولاد
اور تصانیف وغیرہ کا بیان ہے۔ مولانا نے
۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو انتقال فرمایا۔

۴۲۔ ندوی، نجم الہدیٰ
سید صاحب کی یاد میں
(معارف ۵۹ نومبر ۲۷۵۔۳۰۰)
مقالہ نگار سید سلیمان ندوی مرحوم
کے سگے ماموں زاد بھائی ہیں۔ انہوں
نے مولانا کے ابتدائی حالات تحریر کیے
ہیں۔

۴۳۔ نصیر الدین ہاشمی

زندگی کی گرانباریاں
(العلم کراچی، جولائی ستمبر ۵۹)
نصیر الدین ہاشمی صاحب کی خود نوشت سوانح عمری (گذشتہ سے پیوستہ)

تاریخ و سیاسیات

۴۴ ـ حبیبی، عبد الحی
ملتان کا لودھی شاہی خاندان
(اورینٹل کالج میگزین لاہور ۵۹ اگست ۵۵-۷۳)
ملتان کے لودھی خاندان اور اس خاندان کے قرمطی ہونے کی تردید نصر بن شیخ حمید کی زبانی بیان کی ہے، یہ مضمون اس سلسلہ کی دوسری قسط ہے۔

۴۵ ـ عبدالحق، مولوی
پند پیر دانا
(ماہ نو کراچی ۵۹ دسمبر ۱۰-۱۴)
بنیادی جمہوریتوں کو کامیاب بنانے کے لئے پاکستانی عوام سے پرزور اپیل کی ہے اور پند و نصائح پیش کئے ہیں۔

۴۶ ـ فارق، خورشید احمد
تاریخ الردۃ
(برہان ۵۹ اکتوبر، دسمبر)
مسیلمہ کی نبوت اور اس سے متعلق واقعات پر روشنی ڈالی ہے (قسط ۷، ۸)

۴۷ ـ محمد ثروت
عہد غزنوی کی علمی اور ادبی سرگرمیاں
(ثقافت ۵۹ اکتوبر ۴۵-۵۷)
عہد غزنوی کی علمی اور ادبی سرگرمیوں اور شعرا کی بابت گفتگو کی ہے (باقی)

۴۸ ـ محمد ثروت
عہد غزنوی کی علمی و ادبی سرگرمیاں
(ثقافت ۵۹ نومبر ۴۳-۵۴)
اس قسط میں نثرنگاروں کے بارے میں گفتگو کی ہے۔

۴۹ ـ محمد رفیق
کردستان
(چراغ راہ ۵۹ نومبر ۱۰ ۱۹)
مسلم ریاستوں کے تعارف کے سلسلے میں کردستان سے متعلق تفصیلات بیان کی ہیں۔

تنقید، ادب، لسانیات

۵۰ ـ احقر، کاشی پوری
ماجد ادیب بریلوی اور ان کے کلام پر ایک نظر
(ہندستانی ادب، حیدرآباد ۵۹ دسمبر)
ماجد بریلوی کی شاعرانہ خصوصیات کا تجزیہ۔

۵۱ ـ اختر حسن
فراق سے فراق تک

(صبا؛ حیدرآباد ۵۹ نومبر؛ دسمبر)
فراق نے اردو غزل کو نیا روپ، سنگھار، نئی چمک اور ایک دلنواز ...مالیاتی رچاؤ بخشا. لیکن اب ان کی ...اعری میں فحش نگاری جگہ پا رہی ہے.

۵ ـ ادارہ
انجمن ترقی اردو کا نیا دور
(قومی زبان ۵۹ اکتوبر)
پاکستان میں انجمن کو جن دشواریوں ...سامنا کرنا پڑا تھا اس کی مختصر تاریخ ...ن کرتے ہوئے ان اصلاحات کا ذکر کیا ...، جو جنرل ایوب خان کی مرہون منت ...

۵ ـ ادیب، ایس. ایف.
کشف الخلاصہ ـ فقیر کی فقہی مثنوی
(نوای ادب بمبئی، اکتوبر ۵۹)
شجاع الدین فقیر کے حالات اور انکی ...ک اردو فقہی تصنیف کشف الخلاصہ کا ...صیلی ذکر ہے.

۔ ـ اعظمی آبو علی
...لامہ شبلی کے نام مولانا ابو الکلام کے
چند خطوط
(نگار ۵۹ اکتوبر ۲۳ ۲۷)
آزاد نے شبلی کے نام چند خطوط کو ...ن کرتے ہوئے، ان دونوں کے باہمی ...لقات پر روشنی ڈالی ہے.

۔ ـ اکبر الدین صدیقی
[illegible] مرثیہ

(سب رس، حیدرآباد، اکتوبر ۵۹)
عادل شاہی اور قطب شاہی دور کے مرثیوں کا سرسری جائزہ لیا ہے.

۵٦ ـ امجد نجمی
آغا حشر کاشمیری پر ایک نظر
(شاعر بمبئی، نومبر ۵۹)
آغا حشر کی فنکارانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے بعض ڈراموں سے اقتباسات پیش کئے ہیں.

۵۷ ـ امداد صابری
تلامذۂ ذوق (٤)
(شاہراہ دہلی: اکتوبر ۵۹)
اس میں عارف، عالی، عبرت، غلطان، فراغ، فوق، قابل، کاہش، گرام، لطف، محو، مخیر اور مذاق کا تعارف کرایا گیا ہے.

۵۸ ـ امداد صابری
تلامذۂ ذوق (۵)
(شاہراہ دہلی، نومبر ۵۹)
اس میں انداز، تحسین، سلیم، صمد فقیر، مظفر، معروف کا تعارف کرایا گیا ہے.

۵۹ ـ امداد صابری
تلامذہ ذوق (٦)
(شاہراہ دہلی: دسمبر ۵۹)
مومن، وحشت واقف، ویران، ہاشمی یاس کا تعارف کرایا گیا ہے.

٦۰ ـ انجم فاطمی

مجاز — ایک مطالعہ
(شاعر بمبئی: نومبر ۵۹)

مجاز کی شخصیت اور اس کے کلام کا ایک سرسری مطالعہ ہے۔

۶۱۔ تمکین کاظمی

بحر لکھنوی
(نیا دور لکھنو اکتوبر ۵۹)

شیخ امداد علی بحر، امام بخش ناسخ کے شاگرد تھے۔ ان کا دیوان ان کی زندگی ہی میں مرتب ہو گیا تھا۔ جسے سید محمد خان رند شاگرد، آتش نے سنہ ۱۲۸۵ ھ میں شائع کیا۔ مضمون میں ان کی شاعری کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

۶۲۔ تمکین کاظمی

گرامی
(آج کل اکتوبر ۵۹ ۱۱۔۱۰)

مولانا غلام قادر گرامی مرحوم کی شاعری پر اظہار خیال کیا ہے۔

۶۳۔ جرمانس۔ عبدالکریم

جدید عربی ادب کے چند پہلو
(معارف ۵۹ اکتوبر)

جدید عربی ادب سے متعلق یہ دوسری اور آخری قسط ہے۔

۶٤۔ جمیل نقوی

میرا جی
(مہر نیمروز ۵۹ نومبر)

میرا جی کی شاعری پر اظہار خیال کیا ہے۔

۶۵۔ جعفر طاہر

محمد دین فوق
(قومی زبان یکم ۲ اکتوبر ۵۹ ۔۱۸۔۱۹)

محمد دین فوق کی ادبی خدمات بیان کی ہیں۔

۶۶۔ جمیلہ خاتون

سودا اور ان کا ادبی ماحول
(نیا دور اکتوبر ۵۹)

میر نے بدلتے ہوئے زمانہ سے یہ اثر لیا کہ ان کی شاعری آپ بیتی بن گئی لیکن سودا نے بدلتے ہوئے زمانہ پر علم طور سے ہجویں لکھیں۔ سودا اور میر کی شاعری میں لب و لہجہ کا بھی فرق ہے۔ سودا کی یہی خصوصیات تھی جس نے انہیں قصیدوں کا شاعر بنا دیا۔

۶۷۔ حسن امام

نور اللہ شاہ وحشت
(آج کل اکتوبر ۵۹ ۱۹۔۲۲)

نور اللہ شاہ وحشت کے مختصراً حالات زندگی اور کلام پر تبصرہ کیا ہے۔

۶۸۔ حسن عباس فطرت

آلہا
(ہندستانی ادب حیدرآباد ۵۹ اکتوبر)

ایک ہندوستانی رزمیہ "آلہا" کا تعارف پس منظر کے ساتھ

۶۹۔ حفیظ سید

غالب کی شاعری میں [illegible]

(نیا دور لکھنؤ نومبر ۵۹ء)

غالب کی شاعری ان کی آئینہ داری کرتی
ہے۔ ان کے اشعار کے حوالوں سے ان
کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی
ڈالی گئی ہے۔

۷ حمید عظیم آبادی

شاد کا رنگ تغزل

(مہر نیمروز نومبر ۵۹ ۱۵-۳۰)

شاد کے رنگ تغزل کو پیش کرتے
ہوئے انکے تغزل کی زیادہ سے زیادہ
تبلیغ کی ضرورت کا احساس پیدا کرنے
کی کوشش کی ہے۔

۷- خورشید رضا

میر کی شاعری کے مختلف پہلو

(فروغ اردو لکھنو، دسمبر ۵۹)

غم و یاس، سادہ زبان، سادہ انداز
بیان، سادہ خیال اور ترنم میر کی شاعری
کی خصوصیات ہیں۔

۷۱- راج بہادر گوڑ

احمد آباد کے مزدور شاعر

(صبا حیدرآباد دکن ستمبر اکتوبر ۵۹)

اس مضمون میں احمد آباد کے مزدور
شعراء، پزور حسین احمر، وحید بنارسی
شیر احمد خان عبرت، عبد الرحمٰن تبسم
جوزف انور، مولا بخش بیکل، اقبال احمد
نسیم، محمد عظیم خان کامل، عبداللطیف راز
قمر الدین قمر، اشفاق احمد عادل، محبوب
[illegible] محمد علی شاہین منور پرتابگڈھی

رحمت اللہ خاں، محمد ذکریا کامل کا مختصراً
تعارف کرایا گیا ہے۔

۷۳- راز یزدانی

مطبوعہ طلسم ہوشربا

(نگار لکھنو ۵۹ نومبر ۶-۹۲)

مطبوعہ طلسم ہوش ربا سے بحث کرتے
ہوئے چند داستان گویوں کا ذکر کیا ہے۔

۷۴- راز یزدانی

مرزا رحیم الدین حیا دہلوی

(نیا دور لکھنو نومبر ۵۹)

حیا سنہ ۱۲۱۲ ھ میں پیدا ہوئے اور
۹۴ سال کی عمر میں رامپور میں وفات پائی
حالات زندگی اور شاعری پر روشنی ڈالی
گئی ہے۔

۷۵- رانا. م. ن. احسان الہی

جمہرۃ النسب لابن الکلبی

(اورینٹل کالج میگزین لاہور ۵۹ اگست)

مشہور عربی ادیب ابن کلبی کی مشہور
تصنیف جمہرۃ النسب کے اس نسخہ
کا تعارف پیش کیا ہے جو برٹش میوزیم
لندن میں محفوظ ہے۔

۷۶- رحمت علی

اکبر الہ بادی کی قدامت پرستی

(عارف لاہور، اکتوبر ۵۹)

اکبر الہ بادی کے طنز و مزاح کی آڑ
میں مغرب پرستی کے نقصان دہ اثرات کے
خلاف احتجاج کیا ہے۔

۷۷- رشید احمد [illegible]

اقبال کے سیاسی افکار
(ثقافت ۵۹ اکتوبر نومبر)

اقبال کے سیاسی افکار از ابتدا تا انتہا ارتقائی مراحل سے گذرتے ہوئے نظر آتے ہیں تناقض اسی کا نتیجہ ہے۔ تاہم ان افکار کا ضروری عنصر اسلامی تعلیمات ہیں (قسط ۱، ۲)

۷۸۔ رضا، کالی داس گپتا

سعود بن سعید المعمیری
(اج کل دسمبر ۵۹ ، ۴۰۔۴۲)

سواحلی زبان کے مشہور شاعر سعود بن سعید المعمیری کے مختصراً حالات زندگی بتاتے ہوئے اس کی شاعری پر اظہار خیال کیا ہے۔

۷۹۔ رضیہ بیگم

حافظ میری نظر میں
(صبا حیدرآباد دکن؛ ستمبر؛ اکتوبر ۵۹)

حافظ کی شاعری اور زمانہ کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ حافظ کے لب و لہجہ میں بڑھاپے کی افسردگی نہیں بلکہ وہ جوش حیات سے ساغر و مینا اٹھائے نظر آتے ہیں۔ یہ ان ہی کا حوصلہ تھا کہ ایسے دور میں بھی اپنی بلند نگاہی کو محدود ہونے سے بچالیا۔

۸۰۔ زین العابدین

جمیل مظہری کی شاعری
(شاعر بمبئی ۵۹ نومبر)

جمیل کے فکری رجحانات کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ فکری شاعری میں غالب و اقبال کے بعد جمیل ہی کا نام لیا جائے گا۔

۸۱۔ سجاد حارث

اردو ادب اور جذبۂ حریت
(عارف لاہور ۵۹ اکتوبر)

اردو ادب میں سیاسی شعور کا سرسری تاریخی جائزہ لیا ہے۔

۸۲۔ سحر، ابو محمد

آزادی کے بعد اردو شاعری
(نگار لکھنؤ ۵۹ نومبر ۲۴۔۲۶)

ہندوستان کی آزادی کے بعد اردو شاعری کے بدلتے ہوئے رجحانات کا ذکر کیا ہے۔

۸۳۔ سحر، ابو محمد

دبستان لکھنؤ کا سماجی پس منظر
(نگار ۵۹ دسمبر ۲۹ ۳۶)

اردو شاعری کے دبستان لکھنؤ کا سماجی پس منظر مختصر طور پر پیش کیا ہے۔

۸۴۔ سریش چکرورتی

دیہی بنگال کے گیت
(ہندستانی ادب حیدرآباد ۵۹ نومبر)

بنگال لوک گیتوں کی مختلف اصناف کا تعارف۔

۸۵۔ سید حسن

محمد آلف خان حباب
([illegible])

ایک گمنام ڈرامہ نگار محمد الف خان حباب کا تعارف کرایا گیا ہے ۔

۸۴ ـ سید حسن

«بے» اور «م» کا تبادلہ

(معاصر پٹنہ ۵۹ نومبر)

«ب» اور «م» قریب المخرج اصوات ہیں یعنی باہم نزدیک ہونے والے اعضائے گفتار کے ذریعے ادا ہوتے ہیں. اس لئے ان کا آپس میں تبادلہ ہوجاتا ہے ۔ مضمون نگار نے ایسے الفاظ کی ایک مختصر سی فہرست دی ہے جن میں یہ دو حروف ایک دوسرے سے بدل جاتے ہیں

۸۵ ـ سید حسن

اضافہ بر مقالہ نذیر احمد

(معاصر پٹنہ ۵۹ نومبر)

نذیر احمد کے مقالے « خواجہ محمد بدار فانی شیرازی» پر اضافہ ہے ۔

۸۶ ـ سید حسن

بہار کا پہلا اردو ڈرامہ

(اشارہ پٹنہ ۵۹ اکتوبر؛ نومبر)

بہار کے پہلے ڈرامہ نگار کیشو رام اور ان کی دو تصانیف « سجاد سنبل» اور «شمشاد سوسن» پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ دونوں کتابیں دیوناگری رسم الخط میں [illegible] گئی ہیں لیکن مضمون نگار نے [illegible] کیا ہے کہ یہ کتابیں در اصل اردو [illegible]

[illegible]

فانی ــ حریف مئے مرگ

(صبا حیدرآباد ۵۹ نومبر، دسمبر)

الم پرستی کو صحت مند رجحان نہیں کہا جاسکتا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فانی نے غم اور قنوطیت کو ایک نیا مزاج بخشا ۔ ان کی شاعری انکی زندگی سے ہم آہنگ ہے ۔ زندگی کی تلخیوں سے گھبرا کر وہ موت کے دامن میں پناہ ڈھونڈتے ہیں ۔

۹۰ ـ شبیہ الحسن، نو نہروی

بچوں کا ادب

(نیا دور لکھنؤ ۵۹ نومبر)

بچوں کا ادب کیسا ہونا چاہئے اسکے چند پہلوؤں پر اشارے ملتے ہیں ۔

۹۱ ـ شعیب شمس

ضبط عشق

(صبح نو پٹنہ ۵۹ دسمبر)

یہ واسوخت منشی مراد علی رعنا کی تصنیف ہے جنہیں غالب سے شرف تلمذ بھی حاصل تھا ۔ اس مضمون میں مختصرا مراد علی رعنا اور «ضبط عشق» کا تعارف کرایا گیا ہے ۔

۹۲ ـ شکیل الرحمان

جدید شاعری کے نئے رجحانات

(شاہراہ دہلی ۵۹ اکتوبر؛ نومبر، دسمبر)

اس مضمون میں جدید شعراء ساحر لدھیانوی، اختر پیامی، مظہر کاشمیری، خلیل الرحمان اعظمی، مختار صدیقی، قتیل

شفـــائی، ابنِ انشاء، شاذ تمکنت، تیغ الہ آبادی، نریش کمار شاد، جگن ناتھ آزاد ناصر کاظمی، احمد ریاض کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

۹۳ ـ شہرت بخاری

نئے ادبی دور کا آغاز (مذاکرہ)

(ماہ نو ۵۹ اکتوبر ۱۸-۲۱)

«تقسیم کے بعد پاکستان میں نئے ادبی دور کا آغاز ہوا ہے یا نہیں»، اس موضوع پر مختلف لوگوں کے خیالات کو ترتیب دیا ہے۔

۹۴ ـ صابر، شاہ آبادی

غزل کا نفسیاتی تجزیہ

(نگار ۵۹ دسمبر ۳۶-۳۸)

مختصر طور پر مضمون نگار نے تغزل کی تعریف و تجزیہ پیش کیا ہے۔

۹۵ ـ صفدر آہ

اردو ہجا کی اصلاح کا ایک منصوبہ

(نوای ادب، بمبئی ۵۹ اکتوبر)

مذکورہ مضمون کی دوسری قسط۔

۹۶ ـ ظہیر احمد صدیقی

بدایوں کی ادبی شخصیتیں

(فروغ اردو، لکھنؤ ۵۹ اکتوبر، نومبر)

یہ مضمون گذشتہ سے پیوستہ ہے۔ اس میں مولانا عبد الماجـــد قادری کی شخصیت بیان کی ہے۔

۹۷ ـ عابد رضا، بیدار

آزاد ـــ ایک عظیم صحافی

(برہان ۵۹ اکتوبر ۲۱۱-۲۴۸)

مولانا آزاد کی تحریرات منقول از الہلال وغیرہ کی مدد سے ان کے صحافتی نظریہ کی وضاحت اور بحیثیت صحافی انکا درجہ متعین کیا ہے،

۹۸ ـ عبادت بریلوی

میرزا مظہر جانجاناں

(اورینٹل کالج میگزین لاہور ۵۹ اگست ۲۹-۵۴)

مظہر جانجاناں کی حیات اور شاعری پر سیر حاصل مقالہ۔

۹۹ ـ عبد الغفار شکیل

غم بنگلوری

(نوای ادب بمبئی ۵۹ اکتوبر)

بنگلور کے ایک مایۂ ناز شاعر کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔

۱۰۰ ـ عبد الغنی

شبلی و حالی

(دانش رامپور ۵۹ نومبر ۴-۹)

شبلی اور حالی کی شخصیتوں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔

۱۰۱ ـ عبد المغنی

علامہ سید سلیمان ندوی کا اسلوب

(شاعر بمبئی ۵۹ اکتوبر)

سید سلیمان ندوی کا اپنا کوئی اسلوب نہیں، لیکن شبلی ہی کے اسلوب میں انہوں نے اپنے کچھ پہلو بھی نکالے ہیں جن کی وجہ سے ان کی طرز نگارش میں ایک دل کش تنوع پیدا ہو [illegible]

۱۰۔ علیم خالق

سید قاسم محمود

[صبا حیدر آباد دکن ستمبر ۵۹]

سید قاسم محمود نیا افسانہ نگار ہے جس
ی زندگی اور فسانہ نگاری کا مختصر
ارف کرایا گیا ہے۔

۱۰۔ فاروقی، نثار احمد

ذکر مصحفی

[برہان ۵۹ اکتوبر ۲۴۹۔۲۵۲]

اس قسط میں مصحفی کی شاگردی
ی و امانی سے بحث کی ہے اور بتایا
، کہ امانی نہیں بلکہ مانی ہونا چاہئے
سرے یہ کہ مانی کی شاگردی بھی بحث
ب بلکہ غلط ہے۔ (باقی)

۱۔ فاروقی، نثار احمد

ذکر مصحفی

[برہان ۵۹ نومبر ۳۰۶۔۳۱۲]

اس قسط میں مانی و امانی سے مصحفی
شاگردی کی بحث کا آخری حصہ،
ص کا ذکر اور ترک وطن کی تفصیل
ان سے متعلق غلطیوں کا ازالہ کیا
(باقی)

۱۔ فاروقی، نثار احمد

ذکر مصحفی

[برہان ۵۹ دسمبر ۳۷۰۔۳۷۷]

آنولہ اور کٹھر کے قیام کا ذکر
(باقی)

۔ فضل الرحمٰن

لکھنو اور دہلی

[فروغ اردو، لکھنو۔ اکتوبر ۵۹]

لکھنو اور دہلی کی شاعری کی مشترکہ
خصوصیات کا سرسری جائزہ لیا ہے

۱۰۷۔ فیض الرحمٰن

فانی میری نظر میں

[آج کل دسمبر ۵۹ ۔ ۴۔۸]

فانی کی شاعری پر اپنے خیالات کو
پیش کیا ہے۔

۱۰۸۔ قاضی عبدالودود

عبدالحق بحیثیت محقق

[مہر نیمروز کراچی ۵۹ ستمبر ۱۹۔۲۲]

مسلسل مقالے کی تیسری قسط ہے۔
جس میں مقدمہ ذکرمیر پر تنقید کی
گئی ہے۔

۱۰۹۔ قاضی عبدالودود

بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا

[نوائے ادب، بمبئی اکتوبر]

اختر اورینوی کی کتاب «بہار میں
اردو زبان و ادب کا ارتقا» پر تبصرہ کی
پانچویں قسط

۱۱۰۔ قاضی عبدالودود

سلطان القصص مصنفہ مہجور بنارسی

(آج کل اکتوبر ۵۹ ۔ ۹)

مہجور بنارسی کی سلطان القصص پر
محققانہ تبصرہ کیا ہے۔

۱۱۱۔ قاضی عبدالودود

...پرچہ پرگنہ سنہ ۱۸۵۵ء و سنہ ۱۸۵۶ء

(معاصر، پٹنہ ۵۹ نومبر)

صوبہ بہار کے ایک قدیم ترین اخبار "پٹنہ پرکارہ" کے سولہ شماروں کا تعارف کرایا ہے۔

۱۱۲۔ قاضی عبدالودود

داستان عشاق

(سب رس، حیدرآباد نومبر، دسمبر ۵۹)

امان علی خاں غالب کی داستان عشاق کے ایک خطی نسخہ کا تعارف کرایا ہے جو مدرسۂ سلیمانیہ (گذری شہر پٹنہ) کے کتب خانے میں ہے۔

۱۱۳۔ قرۃ العین حیدر

اردو ناول کا مستقبل

[اشارہ نومبر ۵۹]

اردو ناول کا مختصراً تعارف کراتے ہوئے پاکستان میں موجودہ ناول نگاری پر روشنی ڈالی ہے۔ اور بتایا ہے کہ وہاں آج جو جمود کا دور ہے وہ جلدختم ہوجائیگا۔

۱۱۴۔ قمر رئیس

ناول کی تاریخ اور تنقید میں پریم چند

(سب رس، حیدرآباد نومبر، دسمبر ۵۹)

علی عباس حسینی کی تصنیف "ناول کی تاریخ و تنقید" میں پریم چند سے متعلق مصنف کی بعض لغزشوں اور تحقیقی کم نگاہیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱۱۵۔ کلیم الدین احمد

جغرافیہ وُجود ۔ جاپان

(معاصر، پٹنہ نومبر ۵۹)

چاپانی ادب کا مطالعہ (بسلسلہ گذشتہ)

۱۱۶۔ کلیم الدین احمد

قطعہ

(مہر نیمروز نومبر ۵۹ ، ۶-۱۴)

اساتذہ اردو کے قطعوں پر تنقید کی ہے۔

۱۱۷۔ گوپال متل

مثنوی فریاد داغ

(ہندستانی ادب، حیدر آباد ۵۹ نومبر)

فریاد داغ کا تعارف اور اس کی خوبیوں کا بیان۔

۱۱۸۔ گوپی چند نارنگ

مثنوی کامروپ اور کلا کام

(صبا حیدر آباد دکن ستمبر اکتوبر ۵۹)

یہ مثنوی ہندوستان کی قدیم مثنوی ہے جو بہت مقبول ہوئی۔ گارساں دتاسی کی نظر سے فارسی اور اردو کے بہت سے نسخے گذرے ہیں لیکن اس نے تحسین الدین کی دکھنی مثنوی کو بہترین قرار دیا فارسی اردو کے نسخہ کی فہرست پیش کرتے ہوئے مضمون نگار نے تحسین کی مثنوی کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

۱۱۹۔ گوپی چند نارنگ

مثنوی کامروپ اور کلا کام

(ہندستانی ادب حیدرآباد ۵۹ دسمبر)

مثنوی کامروپ و کلاکام کا تعارف اور فارسی و اردو میں اس کے مختلف ترجموں کا تذکرہ۔

۱۔ محسن انصاری

لطف شعر

(داش رامپور ۵۹ اکتوبر ۷-۹)

لطف شعر کی ماہیت و حقیقت اور ں کے مختلف فوائد پر اظہار خیال کیا ے۔

۱۲۔ محمد احمد صدیقی

اقبال کے سیاسی افکار

ربِ کلیم اور بال جبریل کی روشنی میں

(جام نو کراچی انقلاب نمبر ۵۹)

اقبال نے مغرب اور بلاد اسلامیہ ے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے ، پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا ہے کہ ال دین اور سیاست کی ہم آہنگی میں نیا کی ترقی کا راستہ تلاش کرتے ہیں۔

۱۲۔ محمد صادق

نذیر احمد ۔ ایک جائزہ

(صبح نو پٹنہ اکتوبر ۵۹)

نذیر احمد اردو کے پہلے ناول نگار ہیں وں نے اس فن کو اردو سے روشناس یا۔ مضمون نگار نے ان کے ناولوں کا جائزہ ے ہوئے بتایا ہے کہ وہ مقصدی ہیں۔

۱۲۔ محمود واجد

مجروح ــــ ایک منفرد غزل گو

(شاعر بمبئی ۵۹ اکتوبر)

مجروح کے کلام کا سرسری جائزہ کر وہ بتایا ہے کہ مجروح بنیادی طور غزل کا شاعر ہے۔

۱۲۴ ۔ محی الدین قادری، زورؔ

محمد رضا

(سب رس، حیدرآباد ۵۹ اکتوبر)

محمد رضا شطاری، گجرات کے ایک قدیم غیر معروف فارسی اور اردو کے شاعر کا تعارف کرایا ہے۔

۱۲۵ ۔ محی الدین قادری، زور

دو قدیم اردو خط

(سب رس، حیدرآباد ۵۹ نومبر؛ دسمبر)

سنہ ۱۱۶۴ھ سے قبل کے لکھے ہوئے دو منظوم اردو خطوں کا تعارف کرایا ہے مضمون نگار کا خیال ہے کہ اتنے قدیم اردو خطوط اب تک کسی جگہ دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔ یہ خطوط ادارۂ ادبیات اردو میں موجود ہیں۔

۱۲۶ ۔ مفتون کوٹوی

مرزا دبیر ــــ استاد کی حیثیت سے

(شاعر بمبئی ۵۹ اکتوبر)

مرزا دبیر اپنے استاذ کے سامنے ہی استاد مان لئے گئے تھے۔ مرزا دبیر کی استادی اور ان کے متعدد شاگردوں کی نیازمندی کا تفصیلی ذکر ہے۔

۱۲۷ ۔ منظر حسن دسنوی

اڑیا زبان میں عربی اور فارسی کے الفاظ

(شاعر بمبئی ۵۹ اکتوبر)

اڑیا زبان میں عربی اور فارسی الفاظ کے داخلے کی تاریخ اور اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۲۸ - نادم سیتا پوری
انیسویں صدی میں لکھنؤ کی اردو صحافت
(نیا دور لکھنو ۵۹ دسمبر)
انیسویں صدی کے لکھنو کے اخبارات اور رسائل کا تعارف کراتے ہوئے اسکی مختصر فہرست دی گئی ہے اور چند اخبارات ورسائل کے اقباسات بھی پیش کئے گئے ہیں ۔
۱۲۹ - ناظر انصاری
مجاز لکھنوی
(نگار ۵۹ دسمبر ۱۷-۲۲)
اس میں مجاز کی شاعرانہ صلاحیتوں کو اجاگر کیا ہے ۔
۱۳۰ - نثار احمد فاروقی
قائم چاند پوری
(نیا دور لکھنو ۵۹ دسمبر)
قائم چاندپوری عہد میر اور مرزا کے بڑے پختہ گو، مشاق، اور ماہر فن شاعر تھے ۔ نغز گوئی اور شیوہ بیانی میں وہ کسی طرح میر اور میرزا سے کم نہیں تھے ۔ حالات زندگی اور شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔
۱۳۱ - نذیر احمد
کلیم کی ہندوستان میں آمد
(اورینٹل کالج میگزین ۵۹ اگست ۱۱-۳۰)
مشہور فارسی شاعر کلیم کے ہندوستان کے پہلے سفر کی ایک گذارش بیان کی ہے ۔
۱۳۲ - نذیر احمد
خواجہ محمد دہدار فانی شیرازی
(معاصر پٹنہ ۵۹ نومبر)
علی عادل شاہی عہد کے ایک فاضل و عالم شاعر دہدار فانی پر ایک مفصل تحقیقی مقالہ ہے ۔
۱۳۳ - نصیر الدین ہاشمی
دکھنی مرثیوں کا ایک نایاب مجموعہ
(نوای ادب بمبئی ۵۹ اکتوبر)
عبد الجلیل المتخلص بہ جلیل. غالباً قطب شاہی دور کا شاعر تھا۔ اس کے مرثیوں کا مجموعہ نواب سالار جنگ کے کتب خانہ میں موجود ہے ۔ مضمون نگار نے اسی مجموعہ کا تعارف کرایا ہے ۔
۱۳٤ - نصیر الدین ہاشمی
حیدر آباد کے چند قدیم علمی و ادبی رسالے
(نیا دور لکھنو ۵۹ اکتوبر)
سنہ ۱۹۰۰ء سے قبل کے چھ معیاری رسالوں کا تعارف کرایا گیا ہے جن کے نام یہ ہیں ۔ مخزن الفوائد ۔ فنون ۔ مذاق سخن، رسالہ ادیب، رسالہ حسن، علم اللسان۔
۱۳۵ - نفیس فاطمہ
شائق پر ایک نظر
(صبح نو پٹنہ ۵۹ اکتوبر)
شائق محمد علی شاد کے شاگردوں میں سے تھے ۔ گوشہ نشینی اور عزلت پسندی کی وجہ سے بہت کم لوگ انہیں جانتے ہیں ۔ ان کی زندگی اور شاعری کا مختصراً

ارف کرایا گیا ہے۔

۱۳ ۔ نیاز فتحپوری

ادب کے نئے تقاضے

(نگار ۵۹ اکتوبر ۱۶-۱۸)

ادب کے نئے تقاضوں اور لازوال ادب
ی تخلیق سے متعلق اپنے خیالات پیش
ئے ہیں،

۱۳ ۔ وزیر آغا۔ ڈاکٹر

ناولٹ کا مسئلہ

(ادب لطیف ۵۹، ناولٹ نمبر ۵-۸)

ناول اور افسانے کے درمیان حد فاصل
ئم کرتے ہوئے ناولٹ کی حدود متعین
ی ہیں۔

۱۳ ۔ وفا راشدی

حشت کی شاعری میں جدید رجحانات

(جام نو کراچی ۵۹ اکتوبر)

وحشت نے قدیم روایات سے تعلق
رکھتے ہوئے جدید رجحانات کو بھی اپنی
شاعری میں جگہ دی۔ ان کی شاعری کے
ان پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۳۹ ۔ وقار خلیل

دکن میں اردو غزل ــــ ولی اورنگ آبادی

(سب رس: حیدر آباد ۵۹ اکتوبر)

ولی اورنگ آبادی کے مختصر حالات
کلام پر سرسری تبصرہ اور کلام کا نمونہ
دیا ہے۔

۱۴۰ ۔ وقار خلیل

دکن میں اردو غزل ــــ سراج اورنگ آبادی

(سب رس، حیدرآباد ۵۹ نومبر، دسمبر)

سراج اورنگ آبادی کے مختصر حالات
کلام پر سرسری تبصرہ اور کلام کا نمونہ
دیا ہے۔

نفسیات

۱۴ ۔ جلال الدین عمری

عورت اور جدید نظریات

(زندگی رامپور ۵۹ اکتوبر)

آزادی نسواں سے متعلق جدید مغربی
مکرین کے نقطہ نظر کی وضاحت۔

۱۴۲ ۔ میر ولی الدین

حقیقت نفس

[برہان ۵۹ نومبر ۲۶۱-۲۷۲]

حقیقت نفس پر تفصیلی و توضیحی
گفتگو کی ہے۔

فلسفہ

۱۔ سلیم

تصوف نظریہ اور عمل

(چراغ راہ نومبر ۵۹ ۲۰)

تصوف کی مختصر تاریخ بیان کرتے
ہوئے اس کے نظریاتی اور عملی پہلوؤں
پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۴۴ ۔ خلیفہ عبدالحکیم

تشکیک

(ثقافت ۵۹ اکتوبر ۵-۱۴)
تشکیک پر نوعی گفتگو کی ہے۔

۱۴۵ ـ ڈار۔ بشیر احمد

عیسائی تصوف

(ثقافت ۵۹ نومبر دسمبر)
عیسائی تصوف کی تفصیلات قسط ۱، ۲

۱۴۶ ـ غوری، شبیر احمد

علم ریاضی میں مسلمانوں کے کارنامے

(ثقافت ۵۹ دسمبر ۴۲-۵۹)
اس مضمون میں بنو موسیٰ کے کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۴۷ ـ غوری، شبیر احمد

مسلمانوں کے ہندسی ادب کی ثروت

(معارف ۵۹ اکتوبر نومبر دسمبر)
مسلمانوں میں تعلم و تعلیم کی دلچسپی کے ذکر کے ساتھ علم ہندسہ سے ان کے شغف پر روشنی ڈالی ہے۔ (قسط ۱، ۲، ۳)

۱۴۸ ـ غوری، شبیر احمد

یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ

شامی عیسائیوں کی وساطت کا مفروضہ

(برہان ۵۹ نومبر ۲۷۴-۲۹۵)
تاریخ کی روشنی میں فان کریمر نکلسن اور ان کے متبعین کے اس مفروضہ کو غلط بتایا ہے کہ یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ شاہی عیسائیوں کی وساطت سے ہوا ہے۔

۱۴۹ ـ غوری، شبیر احمد

یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ

اموی خلافت

(برہان ۵۹ دسمبر)
مسلمانوں میں یونانی علوم کے سلسلے میں شاہی عیسائیوں کی وساطت کی تغلیط کی ہے۔

۱۵۰ ـ صفوی، محمد عباس طالب

فلاسفہ کا تصور الہ

(نگار ۵۹ اکتوبر نومبر دسمبر)
مسلمان فلاسفہ کا تصور الہ پیش کیا ہے (تین قسطوں میں)

وفیات

۱۵۱ ـ احراز نقوی

«دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا»

(فروغ اردو لکھنو ۵۹ دسمبر)
مولانا عبد المجید سالک مرحوم کے علمی، ادبی و صحافیانہ کارناموں کا اعتراف۔

۱۵۲ ـ ادارہ

عبد المجید سالک

(ثقافت ۵۹ نومبر ۴)
عبد المجید سالک کے انتقال پر اظہار غم کیا اور ان کی خوبیاں بتائی ہیں۔

۱۵۳ ـ سعید

ان سید عنایت حسین، چودھری محمد
ردولوی اور عبد المجید سالک مرحوم
(برہان ۵۹ اکتوبر ۱۹۰-۱۹۶)

دیوان سید عنایت حسین (اجمیر)۔
دھری محمد علی ردولوی اور عبد المجید
ک کی وفات پر اظہار غم کرتے ہوئے
کے شخصی و علمی اور ادبی اوصاف
کمالات کا حسب موقع ذکر کیا اور
رت کی دعائیں کی ہیں۔

۱ ـ سعید احمد

د ملتانی و حافظ احمد سعید دہلوی
(برہان ۵۹ دسمبر ۳۲۴)

اردو کے مشہور شاعر اسد ملتانی اور
نا احمد سعید دہلوی کے انتقال پر
ر غم کیا اور ان کی خوبیاں بتائی ہیں۔

۱ ـ شفیع عقیل

مولانا عبد المجید سالک
(ماہ نو ۹۵ نومبر ۱۷-۱۰)

مولانا عبد المجید سالک سے متعلق
یادوں کا تذکرہ کیا ہے۔

۱ ـ عبد القوی دریا بادی

مولوی عبد المجید سالک مرحوم
(فروغ اردو، لکھنو ۵۹ نومبر)

مولوی عبد المجید سالک کی ادبی و
صحافیانہ زندگی کا سرسری جائزہ لیا ہے۔

۱۵۷ ـ مائل ملیح آبادی

مولانا ملیح آبادی (مرحوم) ایک صحافی
(فروغ اردو لکھنؤ، ۵۹ اکتوبر)

مولانا عبد الرزاق خان ملیح آبادی کی
صحافیانہ زندگی کی مختصر تاریخ ہے۔

۱۵۸ ـ ماہر القادری

عبد المجید سالک مرحوم
(فاران ۵۹ نومبر ۵۴-۴۵)

عبد المجید سالک کا مختصر تذکرہ درج
ہے۔

۱۵۹ ـ ممتاز حسین

قاضی اختر جوناگڈھی مرحوم کی یاد میں!
(العلم کراچی ۵۹ جولائی تا ستمبر)

قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی پر
یہ مضمون ریڈیو پاکستان سے منتشر ہوچکا
ہے۔ اس کے ذیل میں قاضی صاحب کی
زندگی اور، ان کے کارناموں کے متعلق
جناب پیر حسام الدین راشدی صاحب کے
تفصیلی نوٹس بھی درج ہیں۔

پبلشر حامد اللہ ندوی نے ادبی پرنٹنگ پریس، ۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸ میں چھپواکر
من اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱ سے شائع کیا۔

فارم IV

دیکھو رول نمبر ۸

نوائے ادب، بمبئی

مقام اشاعت	:	انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ دادا بھائی نوروجی روڈ، بمبئی ۱
نوعیت اشاعت	:	سہ ماہی
نام پرنٹر	:	حامد اللہ ندوی
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	۲ ، مسینا بلڈنگ، کلیر روڈ، بمبئی ۸
نام پبلشر قومیت پتہ		ایضاً
نام ایڈیٹر	:	نجیب اشرف ندوی
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	اندھیری، بمبئی ۴۱
نام، پتہ مالک رسالہ	:	انجمن اسلام ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ، بمبئی ۱

میں حامد اللہ ندوی تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم میں صحیح ہیں۔

نوائے ادب بمبئی

جلد ۱۱ — جولائی ۱۹۶۰ء — شمارہ ۲

شذرات

یہ کس قدر افسوسناک حقیقت ہے کہ ہماری ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں قلمی و مطبوعہ کتابیں اور دوسری اہم دستاویزیں جن کو ہمارے بزرگوں نے اپنی دولت اور عمر صرف کرکے جمع کیا تھا ہماری غفلت کی وجہ سے برباد ہوگئی ہیں اور جو باقی ہیں ان کے لئے بھی خطرہ ہے کہ اگر ان کی حفاظت کا معقول انتظام نہیں کیا گیا تو وہ بھی بہت جلد تلف ہوجائیں گی۔ یہ ہمارا وہ علمی، ادبی اور ثقافتی نقصان ہوگا جس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ ہماری موجودہ تعلیم اور مصروف زندگی نے ہم کو بڑی حد تک اپنی دینی اور ثقافتی زبانوں سے بے پروا کردیا ہے اور ہم نے ان زبانوں کی کتابوں سے دلچسپی لینا ہی نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ ان کی حفاظت کی طرف سے بھی بے پروا ہوگئے ہیں۔ اس لئے ہماری یہ پرزور درخواست ہے کہ جن کے پاس ایسے کتب خانے ہوں جن سے ان کو دلچسپی باقی نہ رہی ہو تو اسے کسی ادارہ کے حوالے کردیں۔ اس طرح ایک طرف تو کتابیں محفوظ ہوجائیں گی اور دوسری طرف جو لوگ ان کتابوں سے مستفید ہونا چاہیں گے، آسانی کے ساتھ مستفید ہوسکیں گے۔ صوبہ بہار کے بہت سے خاندانوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے اور پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ مین اتنی کتابیں جمع ہوگئی ہیں کہ ان کے لئے جگہ نکالنا مشکل ہوگیا ہے۔ پھر ان ذاتی کتب خانوں میں بعض ایسی کتابیں ہیں جن کی خاص ادبی اہمیت ہے:

اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ قومی یا علمی کتب خانے صرف پیسے کے زور پر مکمل نہیں ہوتے بلکہ ان کا بڑا حصہ عطیات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہمارا تحقیقی ادارہ بھی اپنا کتب خانہ مکمل کرنے کی کوشش کر رہا ہے اس سلسلہ میں جب ہم نے اپنے بعض احباب سے تذکرہ کیا تو انہوں نے بڑی خوشی سے اس بات پر نہ صرف اپنی آمادگی ظاہر کی بلکہ اپنا خاندانی کتب خانہ بھی ادارہ کو دے دیا اس کتب خانے میں بعض اہم کتابوں کے علاوہ بعض پرانے رسالوں اور [illegible] کا [illegible] سے امید رکھتے کہ وہ ایک

تحقیقاتی ادارہ کو حتی الامکان مکمل بنانے میں ہماری مدد کریں گے۔

تقسیم ملک کے بعد اردو کی جو حیثیت ہوگئی ہے اس کی روشنی میں اس کی حفاظت و ترقی کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ ہمارا تعلیمی نصاب اس طرح مرتب کیا جائے کہ اردو کی تعلیم بھی آخری حد تک باقی رہے اور علاقائی زبان پر بھی طلبہ کو اتنا قابو حاصل ہو کہ وہ کالجوں کی تعلیم میں جو علاقائی زبانوں میں ہو رہی ہے اور جہاں نہیں ہے مستقبل قریب میں ہوگی، کسی قسم کی بے بسی اور بے کسی محسوس نہ کریں۔

ملک کی حکومت نے مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دینے کا صرف ابتدائی درجوں تک وعدہ کیا ہے اور جہاں کہیں بھی ایک زبان کے بولنے والے بچوں کی ایک تعداد مہیا ہوجاتی ہے ایسا مدرسہ قائم کیا جاسکتا ہے، بہت ممکن ہے کہ ساتویں درجہ تک کا بھی کہیں کہیں انتظام ہوسکے لیکن اس کے بعد کیا ہمارے پاس ایسے تعلیمی ادارے کافی تعداد میں موجود ہیں جو ساتویں درجہ کے آگے ہماری تعلیم کی ہمارے اقتصادی حالات کی روشنی میں ضرورت پوری کرسکیں پھر کالجوں میں کیا ہوگا، اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ریاست کا سارا کام خواہ وہ تجارتی ہو یا سرکاری علاقہ کی زبان میں ہوگا، اس مقابلہ کے عہد میں ہم کو اس حقیقت کو نہیں بھولنا چاہئے، انہی حالات کی روشنی میں ریاست بمبئی کی تقسیم سے پہلے گجرات مہاراشٹر اور کرناٹک کے مدارس میں ابتدائی جماعت سے ساتویں جماعت تک عام تعلیم تو اردو میں ہوتی تھی لیکن اس کے ساتھ علاقائی زبان بھی پڑھائی جاتی تھی۔ اب حالات بدل گئے ہیں، انگریزی کی جگہ علاقائی زبانوں نے لے لیا ہے، ایسی حالت میں ہم کو یہ سوچنا چاہئے کہ ہمارا طریقۂ تعلیم ایسا ہوکہ جس سے اردو کی اہمیت کو نقصان بھی نہ پہونچے اوراعلےٰ تعلیم اور ملازمت، وکالت اور دوسرے پیشوں میں بھی یہ اردو خواں علاقائی زبان والوں سے کسی حالت میں پیچھے نہ رہیں۔ اس مسئلہ پر برسوں سے غور کیا جارہا تھا۔ اردو ہائی اسکولوں کے ارباب حل و عقد کی کانفرنسیں بھی ہوئیں۔ تبادلہ خیال بھی ہوا اور یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ اس کا بہترین حل یہ ہے کہ ساتویں درجہ تک ساری تعلیم اردو میں ہو لیکن اس کے ساتھ ہی علاقائی زبان کی تعلیم

لازمی قرار دی جائے اور جب لڑکے آٹھویں جماعت میں پہنچیں تو وہ اردو زبان کومادری زبان کی حیثیت سے اختیار کریں اور باقی تمام مضامین علاقائی زبان میں پڑھیں۔ ایسا کرنے سے اعلے تعلیم حاصل کرنے میں ان کو کوئی دقت نہ ہوگی۔ کالجوں میں ان کو اختیار ہوگا کہ اردو لیں اور اس طرح چاہیں تو ایم۔ اے۔ تک اردو پڑھیں مرہٹواڑہ میں اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کی جارہی ہے ہم کو امید رکھنا چاہئے کہ یہ تجربہ ہمارے لئے مفید ثابت ہوگا اور ہماری ایک بڑی الجھن دور ہو جائیگی۔

گذشتہ کسی شمارہ میں ہم نے بتایا تھا کہ کس طرح سے مرہٹی کے بعض ادیب اردو ادب، نظم و نثر و افسانہ وغیرہ سے مرہٹی بولنے والوں کو روشناس کرارہے ہیں، مرہٹواڑہ کے الحاق نے اس ریاست کو نہ صرف بڑا کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ایک آدھ ایسے حکام بھی آ گئے ہیں جو اردو فارسی ادب و تاریخ کا بڑا اچھا ذوق رکھتے ہیں، ان میں شری مادھو راو سوتے پاگڑی کو خاص امتیاز حاصل ہے۔کوئی عشرہ ایسا نہیں گذرتا کہ ان کا کوئی نہ کوئی مضمون اردو شاعر، ادیب یا افسانہ نگار کے متعلق کسی نہ کسی مرہٹی اخبار یا رسالہ میں نہ نکلتا ہو۔ اسی طرح جناب آر۔ بی۔ جوشی نے اردو کی افسانہ نگار خواتین کے افسانوں کا مجموعہ «انولکھی والا» کے نام سے شائع کیا ہے ہم کو اس سلسلہ میں صرف اتنی مسرت حاصل ہے کہ ان تمام مضامین و تصانیف کے لئے مواد ادارہ نے مہیا کیا ہے۔ کیا ہم اپنے مرہٹی داں اردو لکھنے والوں سے ایک مرتبہ پھر درخواست کریں کہ وہ بھی اس طرف متوجہ ہوں کہ اس طرح ایک دوسرے کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

اپریل کے نوائے ادب میں ایک مضمون بہار کا ایک گمنام شاعر کے عنوان سے شائع ہوا ہے یہ مضمون غلطی سے جناب شاہ غلام حسنین کے نام سے چھپ گیا ہے۔ اس کے اصلی مضمون نگار شاہ حسین الدین عمادی ہیں۔ قارئین تصحیح فرمالیں۔

پروفیسر عبد القادر سروری، حیدرآباد

شاہ سراج کا «منتخب دیوانہا»

«منتخب دیوانہا» شعرائے فارسی کے کلام کا وہ انتخاب ہے جو شاہ سراج اورنگ آبادی نے مرتب کیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مرشد کے حکم سے وہ ترک دنیا کرکے گوشہ نشین ہوگئے تھے اور شعر کہنا بھی ترک کردیا تھا تاہم اپنے ذوق شعر کی تشفی کے لئے انہوں نے یہ انتخاب مرتب کرنا شروع کیا تھا۔ اس منتخب کی تکمیل سنہ ۱۱۶۹ھ میں ہوئی۔ «منتخب دیوانہا» سنہ ترتیب کا مادہ بھی ہے۔ اس طرح اس مجموعہ اشعار کی ایک خاص اہمیت یہ ہے کہ یہ اردو کے ایک بڑے شاعر کے نام سے وابستگی رکھتا ہے حالانکہ فارسی شعرا کے انتخاب کی کچھ کمی نہیں ہے۔ اس سے زیادہ اہمیت اس کی اس وجہ سے بھی ہے کہ اس کے دیباچے میں سراج نے اپنے کچھ حالات بھی لکھے ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک یہ دیباچہ ہماری دست رس میں نہیں تھا۔ «منتخب دیوانہا» کا ایک نامکمل مخطوطہ جو کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ ہے اس میں دیباچہ موجود نہیں ہے، سراج کے حالات زندگی کا سب سے زیادہ مستند ماخذ یہی ہے۔ اس دیباچے کا علم ہم کو سب سے پہلے «چمنستان شعرا» کی اشاعت کے بعد ہوا۔ شفیق نے اس کا ایک اقتباس «چمنستان شعرا» میں سراج کے حالات کے سلسلے میں دیا ہے اور یہی اقتباس انہوں نے اپنے شعرائے فارسی کے تذکرہ «گل رعنا» میں بھی نقل کیا تھا۔ «چمنستان شعرا» کی اشاعت کے بعد سے شاہ سراج کے بارے میں لکھنے والوں کا ماخذ شفیق کا یہی اقتباس بنا رہا۔

میں نے سنہ ۱۹۴۰ء میں جب سراج کا کلیات مرتب کیا تھا تو سراج کے حالات زندگی کے سلسلے میں، اور ماخذوں کے علاوہ «چمنستان شعرا» کے محولہ بالا اقتباس سے مدد لی تھی۔

«کلیات سراج» کی اشاعت کے گیارہ سال بعد حیدرآباد کے ایک نوعمر ادیب جناب تحسین سروری صاحب کو سراج کے شاگرد اور معتقد، شاہ ضیاء الدین

پروانہ کے مرتب کئے ہوئے کلیات سراج کے اجزا دستیاب ہوگئے یہ کلیات « انوار السراج » کے نام سے موسوم ہے۔ تحسین صاحب کے بیان کے مطابق « منتخب دیوانہا » اور اس کا دیباچہ بھی اس کلیات میں شامل ہے۔ اس نئے مواد کی روشنی میں انہوں نے « سراج اور پروانہ » کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا، جو رسالہ اردو، کراچی بابت اپریل سنہ ١٩٥١ء میں شائع ہوا ہے، اس مضمون کی اشاعت کی وجہ سے پروانہ کے بہت سے حالات اور سراج کی زندگی کی کچھ تفصیلات بھی روشنی میں آگئیں۔ تحسین صاحب نے مخطوطہ « انوار السراج » کی جو تفصیل لکھی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پروانہ نے سراج کے جو حالات « انوار السراج » کے دیباچہ میں لکھے ہیں، ان میں بھی سراج کی خود نوشت کا وہ اقتباس شامل ہے جو شفیق نے اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے۔ یہ عجیب قسم کا توارد معلوم ہوتا ہے اگر اسے توارد کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ پروانہ کے سامنے سراج کا پورا دیباچہ تھا، اس میں سے صرف اتنے ہی حصے کا انتخاب کرنا جو « چمنستان » میں شامل ہے، حیرت کا موجب ہے۔ تحسین صاحب اس توارد کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ کہہ کر مطمئن ہوجاتے ہیں کہ منتخب کے دیباچہ کا یہ جاندار حصہ ہے اور سوائے اس حصہ کے دیباچہ میں کوئی کام کی بات نہیں ہے۔ میرے خیال میں دیباچہ کا یہ حصہ اگر اس وجہ سے اہم سمجھا جاتا ہے کہ وہ سوانحی ہے تو تحسین صاحب کی یقین آفرینی سے مطمئن ہونا مشکل ہے کیونکہ یہ دیباچہ اس وقت میرے پیش نظر ہے اور اس کے علاوہ بھی اس میں کئی سوانحی اشارے ملتے ہیں، جیسا کہ آگے کی صراحتوں سے اندازہ ہوگا۔

« منتخب دیوانہا » کے ایک مکمل مخطوطہ کا ابھی حال میں پتہ چلا ہے۔ یہ مخطوطہ کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ ہے لیکن اب تک وہ منظر عام پر نہ آسکا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس فارسی کارنامے کے آغاز میں فیض حیدر آبادی کا اردو کلام درج ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ اردو کلام فارسی کے مقابلہ میں تھوڑا ہے پھر بھی جیسا کہ عام طور پر فہرست نگاروں کی عادت ہے اس کے ابتدائی اردو حصے کو دیکھ کر اسے اردو مخطوطات میں شامل کر دیا گیا۔ کتب خانہ سالار جنگ کے اردو مخطوطات کی وضاحتی فہرست طبع ہوچکی ہے لیکن مرتب فہرست نے [illegible] اس مخطوطہ میں « منتخب دیوانہا » کا پتہ نہیں چلایا۔ کلام فیض کی

تفصیل تو انہوں نے دیدی ہے لیکن اس کے آگے کیا ہے، یہ دیکھنا غالباً انہوں نے ضروری نہیں سمجھا۔ جس کا اندازہ فہرست کے حسب ذیل جملہ سے ہوتا ہے۔

«اس کے ساتھ فارسی کتابیں مجلد ہیں۔ ان کتابوں کا حجم زیادہ ہے» ان جملوں سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مرتب نے ان «فارسی کتابوں» کو نہیں پڑھا اور محض سرسری انداز میں لکھ دیا کہ اس کے ساتھ فارسی کتابیں مجلد ہیں لیکن اگر انہوں نے «فارسی کتابیں» پڑھی ہیں تو حیرت ہے کہ وہ اس کا پتہ کیوں نہ چلاسکے کہ یہ سراج کا وہ «منتخب دیوانہا» ہے جس کی علمی دنیا کو عرصے سے تلاش تھی۔ وجہ جو کچھ بھی ہو، یہ نادر کارنامہ وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ کی اشاعت کے بعد بھی پردۂ اخفا میں رہا۔

چند دن پہلے فیض کے کلام کے مطالعے کے سلسلے میں جب میں نے کتب خانہ سالار جنگ میں شعبہ اردو کے مخطوطہ ۱۲۲ (جدید) کا مطالعہ کیا تو کلام فیض کے اختتام کے بعد تذکرہ شعرا کے عنوان کے تحت اس نادرمخطوطے کا پتہ چلا۔ «منتخب دیوانہا» کے دیباچے کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ اس میں مذکورہ بالا اقتباس کے علاوہ وہ حصہ بھی اہمیت رکھتا ہے جس میں سراج نے «منتخب دیوانہا» کی ترتیب اور اس سلسلے میں جو جذبہ وجہ تحریک بنا، اس کا ذکر کیا ہے۔ اسکے علاوہ «منتخب» میں خود اپنا کلام شامل نہ کرنے کے بارے میں سراج نے جو معذرت پیش کی ہے وہ بہ یک وقت ان کی منکسر مزاجی اور ان کی عظمت دونوں کی دلیل ہے۔ اس سے سراج کی فطرت کے ایک اہم گوشہ پر روشنی پڑتی ہے۔

«منتخب دیوانہا» کا یہ مخطوطہ نہایت خوش خط ستعلیق میں لکھا ہوا ہے اور ۱۰-۱۵ انچ کی تقطیع کے (۳٤) صفحات پر حاوی ہے۔ اس میں کوئی ترقیمہ (Colophon) موجود نہیں ہے، اس کی کتابت کے سنہ کا پتہ چلانا مشکل ہے کیونکہ کوئی قرینہ بھی ایسا موجود نہیں ہے جس سے یہ اندازہ ہوسکے کہ یہ کس سنہ کے لگ بھگ لکھا گیا تھا۔ کلام فیض کے بعد جہاں سے منتخب دیوانہا شروع ہوتا ہے اس کے سرنامہ پر «مجموعہ دیوانہا» درج ہے۔ اس کے بعد «فہرست اسما شعرا کہ درین مجموعۂ داخل است» کے عنوان کے تحت ان شعرا کی فہرست دی گئی ہے جن کا انتخاب اس میں شامل ہے لیکن متن اور فہرست میں ترتیب کی مطابقت

نہیں ہے، یعنی جس ترتیب سے شعرا کے تخلص فہرست میں درج ہیں، اس میں وہی ترتیب ہر جگہ ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے، بلکہ ان میں کچھ تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے۔ شعرا کے کلام کا انتخاب، تخلص کے لحاظ سے ابجد کی ترتیب میں درج ہے۔ «منتخب» میں کل (٦٤٧) شعرا کا انتخاب شامل ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس طرح کے انتخابات کے مرتبین یا تذکرہ نگاروں کے مقابلے میں جو اپنے حالات اور اپنا کلام، انتخاب یا تذکرہ میں شامل کرنے میں ہرج نہیں سمجھتے بلکہ بعض وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف اپنے حالات اور کلام کو پیش کرنے کے لئے تذکرہ یا انتخاب کا ڈول ڈالا گیا ہے، سراج ایک با عزت استثنا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جہاں تک اپنے فارسی کلام کا تعلق ہے، اس کی طرف انہوں نے نہایت فروتنی کے ساتھ اشارہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ اس فقیر نے سابق میں جو اشعار موزوں کئے تھے اور دوسرے شعرا کے گوہر ہائے آبدار کے مقابلے میں خزف پاروں کی حیثیت رکھتے ہیں اس انتخاب میں شامل کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ تاہم محض اس خیال سے کہ اس«منتخب» کے پڑھنے والے اس کے مرتب کے بارے میں یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ طبع موزوں سے عاری تھا کچھ کلام دیباچہ میں شامل کردیا ہے۔

«منتخب» کے دیباچہ ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ سراج کا فارسی کلام محفوظ کیا جاتا تو پانچ ہزار ابیات پر مشتمل ہوتا۔ لیکن «کلیات سراج» کی تدوین کے سلسلے میں ان کا جو فارسی کلام تلاش اور جستجو سے مجھے دستیاب ہوا تھا۔ میں نے کلیات کے آخرمیں شامل کردیا ہے۔ اس کے جملہ ابیات پانچ سو سے زیادہ نہیں ہوتے۔

«منتخب دیوانہا» کے دیباچہ میں سراج نے اپنی غزلوں کے (۲۷) اشعار اور (۳) رباعیاں درج کی ہیں۔ تینوں رباعیات میرے مرتب «کلیات سراج» میں شامل ہیں۔ لیکن غزلوں کے اشعار میں حسب ذیل تین شعر ایسے ہیں جو کلیات میں موجود نہیں ہیں:

انہیں میں یہاں درج کرتا ہوں

جلوۂ دوست سر از پردہ کشیدم، دیدم　　　انچہ از غمزۂ مشتاق شنیدم، دیدم

گل بے رنگ حقیقت کہ بدامانم بود　　　ہم چو اشک از مژۂ خویش چکیدم، دیدم

دانه ساں ریسته سرسبزی من در من بود خاک گردیدم و از خاک دمیدم، دیدم
بعض اشعار جو کلیات اور دیباچه منتخب میں موجود ہیں ان میں سے چند میں نسخ کے جزئی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک شعر ہے:

ہر صید دیده ام که زصیاد رم کند صیاد ما زصید بطرز رم آشناست

دیباچه میں اس شعر کا پہلا مصرعه اس طرح درج ہے "ہر صید دیده ایم زصیاد رم کند"

جیسا که ظاہر ہے "منتخب دیوانہا" کا دیباچه، اس کا سب سے اہم حصه ہے، کیونکه اس سے سراج کے بارے میں مستند حالات ہماری دست رس میں آجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے کچھ بیانات سے ان کی سیرت اور طبیعت کے بعض اہم گوشوں پر روشنی پڑتی ہے، اس لئے سراج کا دیباچه ذیل میں نقل کیا جاتا ہے لیکن اس میں وہ حصه حذف کر دیا جاتا ہے جو چمنستان میں شامل ہے۔ اس طرح پورا دیباچه دلچسپی رکھنے والے علما کی دسترس میں آجائے گا۔ زیر نظر دیباچه میں شفیق کے دئے ہوئے اقتباس کے مقابلے میں جو اختلافات ہیں، انہیں بھی ظاہر کر دیا گیا ہے۔ ان اختلافات پر نظر ڈالنے سے یه اندازہ ہو جائیگا که "چمنستان شعرا" کے اقتباس میں کئی غلطیاں رہ گئی ہیں، جن کا علم ہم کو نہیں ہو سکتا تھا اگر یه نسخه دستیاب نه ہو گیا ہوتا:

دیباچه "منتخب دیوانہا" ذیل میں درج ہے:

یا فتاح

بسم الله الرحمن الرحیم

دیباچه کتاب شرح و بیان حمد سخن آفرین است که فہرست جمیع اسماء صفاتی راجع بذات او است و مطلع قصیده کام و زبان در نعت صاحب دینی است که رباعی اخیار موزوں از حمايد صفات او خصوصاً فرد منتخب غزل کائنات که حدیث لحمک لحمی وکلام انا وعلی من نور واحد بذات او شامل است و مثنوی رنگین آل طٰسه ویٰسین که آیه کریمه انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اہل البیت در شان او است ورد جان معنی آشنایان اسرار رحمانی است و وظیفه زبان سخن سنجان فیض سبحانی چنانچه این کج زبان دبستان تحقیق سراج الدین حسینی اورنگ آبادی متخلص بسراج زبان حال را باین مقال مترنم دارد۔ لمولفه: زدیوان قضا دارم دو بیت منتخب از بر

محمد مطلع است و حسن مطلع خیلے صفدر. لیکن زبان درین مقدمات معترف بعجز و قصور است و طوالت کلام درین امور نزدیک مختصر پسندان نامنظور، لهذا بتجویز ما وجب روانی قلم میدہد کہ این فقیر......»

آگے «چمنستان شعرا» کا اقتباس ہے. اس کے اختتام کے بعد، حسب ذیل عبارت شروع ہوتی ہے.

«لیکن چون لذت سخن سرشت ازلی بود اکثر بسیر گلزار اشعار استادان عندلیب طبع خود را مسرور می ساخت و ہر جا کہ دیوان استادی می شنید اگر بقیمت میسر می آید غنیمت می شمرد و الا عاریتاً بوعدہ تمام سیر می گرفت. لمولفہ: می شناسد ہرکہ شد دل دادۂ زلف سخن. بیت رنگین را بجائے بیت ابروے بتان. آخر بخیال گذشت کہ این دود از سر بدر نمی رود و اگر اتفاق سفر افتاد برداشتن این بارگران صورت نمی بندد. لا علاج اکثر از دیوانہاے شعرا قدیم و جدید و بعضے از تذکرہا من اولہ الی آخرہ سیر نمودہ چیزے کہ مرغوب طبع صاف پسند افتاد آنرا بر صفحہ قرطاس ثبت نمودہ بہ ترتیب تہجی اسما شعرا و رعایت ردیف دیوانے علاحدہ ترتیب داد، نامش «دیوان منتخب» نہاد تا ہرگاہ خار خار شوق رگ جان بخراشد سیر این مجموعہ رنگین تسلی میتواند بخشید و بعد فناے ترکیب عنصری ہر قدردان سخن کہ بہ گلگشت این گلشن بیخزان میل نمودہ بحلاوت طبع خورسند گردد، بفاتحہ خیر روح مولف را شاد نماید چون تالیفش در سنـــہ تسعہ و ستین مایۃ و الف صورت بست رباعی تاریخ بدینگونہ بر صدر صفحہ مربع نشست:

این نسخہ کہ دارد ز سخن دیوانہا . یک قطعہ زمین است درو بستانہا
چون منتخب کلام ہر دیوان است تاریخ شـــدہ منتخب دیوانہا

چون خذف (خزف) پارہاے موزونات سابق این فقیر لیاقت آن ندارد کہ در سلک گوہر ہاے آبدار اشعار سخن سنجان کامل عیار منسلک شوند ازین جہت مشتی نمونہ از خروارے بیتی چند بطریق یادگار درینجا نگارش میرود تا سخن فہمان رنگین فطرت دستی بتحسین برآرند و بدانند کہ مولف آین دیوان منتخب طبع موزونیست و آن اینست، لمؤلفہ.

اس کے بعد فارسی اشعار درج ہیں، جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے.

«چمنستان شعرا» کے اقتباس کے مقابلے میں، مخطوطہ میں کچھ اختلافات ہیں، جن کی تفصیل ذیل میں درج ہے. اکثر جگہ مخطوطہ کا نسخہ قرین صحت

ہے :

چمنستان	ص ۳۹۹	سطر ۳	بتکلیف	مخطوطہ	بے تکلیف
»	»	» ٦	بزبان فارسی	»	بر زبان فارسی
»	»	» ۹-۱۰	بعرصہ زبان می آمد	»	بعرصہ زبان می آورد
»	»	» ۱۱	بقصور می آمد		بتصور می آمد
»	»	» ۱۲	موزنات حالی		موزونات حالی
»	»	» ۱۹	مستعد ارادت		مستمعد ارادت
»	ص ۴۰۰	» ۲	حصہ مشتاقان خاص گردید		حصہ مشتاقان کردند

شعرا کی کل تعداد جن کا انتخاب اس مجموعہ میں شامل ہے، اوپر بتائی جا چکی ہے۔ انتخابات دیوان کی طرح ردیف وار درج ہیں۔ ہر ردیف میں جتنے شعرا کا کلام مندرج ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

الف ۹۷ ب ٢٦ پ ٢ ت ٢٦ ث ۳ ج ۱۰ ح ٢٦ د ۷
ذ ۳ ر ٢٤ ز ۹ س ٤٤ ش ۳۰ ص ۲۱ ض ٥ ط ۱۸ ظ ۳
ع ٤٦ غ ۱۰ ف ۲۹ ق ۲۳ ک ۲٥ گ ۳ ل ۳ م ٦۲ ن ٤۸
و ۳۲ ھ ۱۰ ی ۱۲ ۔

مذکورہ بالا تفصیل سے سراج کے مطالعہ کی وسعت پر روشنی پڑتی ہے۔

ڈاکٹر عبدالعلیم نامی، بمبئی

بمبئی میں اردو

لیتھو پریس اور مطبوعات، سنہ ۱۸٦۵ء تک

ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے بعد برطانوی دور حکومت میں ہندوستان کے مفاد کو جس قدر نقصان پہنچا اس سے کم و بیش ہر شخص واقف ہے لیکن تاریخ اور ادب کے طالب علم یہ بھی جانتے ہیں کہ ڈائرکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے مراسلات میں بار بار اس بات پر زور دیا کہ ہندوستانی ادب سے بےتعلقی نہ برتی جائے اور جو مطبوعات دستیاب ہوسکیں وہ انگلستان روانہ کر دی جائیں لیکن عہدہداران کمپنی جو لوٹ مار اور ذاتی تجارت میں مصروف تھے کب ان کے احکامات کو خیال میں لاتے تھے۔

ڈائرکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی چونکہ خود دیانت دار بین تھے اور ہر ممکن ذرائع سے دولت جمع کر رہے تھے اس لئے وہ بھی اس طرف سے لاپروا تھے کہ ان کے احکامات کی پیروی ہوتی ہے یا نہیں۔ اس لیت و لعل میں جس قدر زمانہ گذرتا گیا اسی قدر ہندوستانی ادب کا سرمایا زمانہ کے دست برد کی نذر ہوتا گیا جو باقی بچا وہ انگلستان پہنچ گیا یا غیر ملکیوں کے قبضہ میں چلا گیا سوال یہ ہے کہ شاہان دہلی۔ نوابین اودھ۔ سلاطین میسور اور ہزاروں نوابوں، راجاؤں، رئیسوں اور جاگیرداروں کے کتب خانے کہاں گئے؟ اس کا جواب تاریخ کے وہ صفحات دیں گے جو قتل و غارتگری کی داستانوں سے سیاہ ہیں۔

سطور ذیل میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ صوبہ بمبئی کے لیتھو پریس اور اردو مطبوعات کا جائزہ لیا جائے اور اس کوشش کو صرف سنہ ۱۸٦۵ء تک محدود رکھا جائے۔

جس وقت سے لارڈ ولزلی نے فورٹ ولیم کالج کی بنیاد ڈالی ڈائرکٹران کمپنی اپنے ملازمین کی توجہ بار بار اس طرف مبذول کراتے رہے کہ ہندوستان کی

تصنیفات و تالیفات کا ریکارڈ رکھا جائے لیکن سنہ ۱۸۶۳ء[1] تک اس کی طرف مطلق توجہ نہیں دی گئی۔ سنہ ۱۸۶۳ء میں جب صدر رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن اینڈ آئرلینڈ نے سکریٹری آف اسٹیٹ (فار انڈیا) کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور درخواست کی کہ اگر ہندوستان کی مطبوعات ـــ کتابیں، رسائل اور اخبارات ـــ یکجا نہیں ہو سکتے تو ان کے عنوانات ہی کی ایک فہرست مرتب کرلی جائے تاکہ یورپ کے محققین کو ان کے علمی و ادبی اور تحقیقی کاموں میں مدد مل سکے[1]

سکریٹری آف اسٹیٹ (فار انڈیا) نے گورنر بہ اجلاس کونسل کی توجہ اس طرف مبذول کراتے ہوئے درخواست کی کہ صدر رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے معقول مطالبہ کی طرف اولین توجہ دی جائے[2] چنانچہ سکریٹری حکومت ہند[3] نے ۱۴ نومبر سنہ ۱۸۶۳ء کو سکریٹری حکومت بمبئی کے نام ایک حکمنامہ جاری کیا۔ خیال تھا کہ یہ مفید کام جلد سے جلد شروع ہو جائےگا لیکن «برٹش ریڈٹیپ» نے کئی سال لگا دئیے۔

طویل خط و کتابت[4] کے بعد ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن بمبئی نے اپنے مراسلہ نمبر ۲۰۳۱ مورخہ ۱۹ مارچ سنہ ۱۸۶۶ء کے ذریعے سکریٹری ٹو گورنمنٹ

---

1. **May 1863.**
2. **Public Department, letter No 55, India office, London, 24th July, 1863.**
3. **E. C. Bayley, Esq.**

۴۔ ملاحظہ ہو: حکومت ہند کا مراسلہ نمبر ۵۷ مورخہ ۲۴ جنوری سنہ ۱۸۶۴ء
۲ ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن کا مراسلہ نمبر ۲۹۷ مورخہ ۲۷ جون سنہ ۱۸۶۴ء
۳ گورنمنٹ رزولیوشن ـــ نمبر ۶۹۸ مورخہ ۶ اگست سنہ ۱۸۶۴ء
۴ گورنمنٹ رزولیوشن ـــ نمبر ۸۷۲ مورخہ ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۸۶۴ء
۵ گورنمنٹ میمورنڈم ـــ نمبر ۴۸۱ مورخہ ۲۶ جون سنہ ۱۸۶۴ء
۶ مراسلہ ریویو کمیٹی نمبر ۱۸۵۰ مورخہ ۱۴ جون سنہ ۱۸۶۵ء
۶ ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن کا مراسلہ نمبر ۴۰۴ مورخہ ۸ جولائی سنہ ۱۸۶۵ء
۷ گورنمنٹ انڈورسمنٹ نمبر ۶۱۶ مورخہ ۶ ستمبر سنہ ۱۸۶۵ء
۸ گورنمنٹ انڈورسمنٹ نمبر ۶۱۹ مورخہ ۱۶ اکتوبر سنہ ۱۸۶۵ء
۹ گورنمنٹ میمورنڈم نمبر [illegible] مورخہ [illegible] نومبر سنہ ۱۸۶۵ء
۱۰ ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن کا مراسلہ نمبر ۲۶۶ مورخہ ۲۲ نومبر سنہ ۱۸۶۵ء

ایجوکیشنل ڈپارٹمنٹ بمبئی کو مطلع کیا کہ مراسلہ نمبر ۲۹۷ مورخہ ۱۷ جون سنہ ۱۸۶۴ء کے ذریعے کلکٹر اور مجسٹریٹ صاحبان ضلع کو مطلع کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ضلع کے جملہ مطابع اور ان کی مطبوعات سے جو ۳۱ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ء تک شائع ہوئی ہیں مطلع فرمائیں۔

عہدہ داران سرکاری نے ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن کی خدمت میں جو تفصیلات روانہ کیں وہ ہر اعتبار سے ناقص تھیں اس لئے ڈائرکٹر (سر۔ اے گرانٹ بیرونٹ) نے اپنے محکمہ کے ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹرس کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ ازسر نو معلومات حاصل کریں اور صوبہ کے تعلیم یافتہ اور متعلقہ حضرات کی خدمت میں بھیج کر اس کی تصحیح کرائیں اور دفتر کو اطلاع دیں [1] لیکن یہ مفید سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ نہ حکومت نے مطالبہ کیا اور نہ ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن نے اس کی طرف مزید توجہ دی۔

اردو کی بیشتر کتابیں ان ابتدائی چند کتابوں کے علاوہ جو ٹائپ میں چھپی ہیں لیتھو گرافک پریس کی ممنون احسان ہیں اس لئے اگر ان کی جائے اشاعت معلوم ہوجائے تو یہ معلوم کرنا بعد کے محققین کا کام ہوگا کہ اردو کی کون سی کتابیں ان مطابع سے شائع ہوئیں۔

ہندوستان میں اگرچہ لیتھو گرافک پریس کی ابتدا کلکتہ سے ہوئی لیکن بمبئی میں اس کاآغاز ماونٹ اسٹورٹ الفنسٹن کے عہد سے ہوا (سنہ ۱۸۲۴ء) [2] اور اس نے یہاں جو قبول عام حاصل کیا وہ اسے کہیں اور نصیب نہ ہو سکا۔

لیتھو گرافک پریس کا خالق الوس سینی فلڈر [3] بویریا جرمنی کا باشندہ تھا اور متعدد پیشوں میں نا کامیاب ہونے کے بعد اس نے مصنف اور ناشر بننے کا ارادہ کیا تھا لیکن سرمایہ کی قلت نے اس کو تجربات کی دنیا سے آگے بڑھنے نہیں دیا یہ محض اتفاق تھا کہ بغیر محنت کے اس کو لیتھو گرافک پریس اور اس کی روشنائی بنانے کا فارمولا مل گیا۔ ایک دن جب کہ وہ اپنی تجربہ گاہ میں بیٹھا ہوا تھا اس کی ماں نے اس سے دہوبی کا حساب لکھنے کے لئے کہا اس نے غیرارادی طور پر ایک کیمکل

---

1. Catalogue of native publications in the Bombay presidency, Bombay. second edition, 1867.
2. Bombay Courier, April 10, 1830, p 204.
3. Alois Senefelder, 1772-1834.

روشنائی سے ایک چکنے پتھر پر حساب لکھ لیا کہ بعد میں کھرچ کر صاف کر دے گا لیکن اسے یہ دیکھ کر اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا کہ منضبط الفاظ بہ آسانی کاغذ پر تبدیل ہو سکتے ہیں۔ الوس نے اس ایجاد کو ضروری تبدیلیوں کے بعد پیٹنٹ کرا لیا اور اس سے عزت وشہرت کے علاوہ کثیر دولت پیدا کی [1]۔

لیتھو گرافک پریس نے یورپ میں بہت جلد قبولیت عام حاصل کرلی لیکن انگلستان میں وہ سنہ ۱۸۰۰ء کے قریب پہنچا اور سنہ ۱۸۱۷ء میں مقبول ہوا اس کے متعلق چارلس روزنر لکھتا ہے [2]

«لیتھو گرافک پریس کے بانی الوس سینی فلڈر نے انگلستان پہنچ کر اپنی ایجاد کا مظاہرہ کیا لیکن اس کو ہر دلعزیز نہ بنا سکا۔ اس کو مقبول عام بنانے کا سہرا روڈلف آکر مین [3] کے سر ہے جس نے انگلستـــان کے کونے کونے اور برطانوی مقبوضات تک اس کو پہنچایا»۔

اس وقت ہندوستان میں پیشوا کی مرکزیت ختم ہوچکی تھی۔ انگریز مغربی ہندوستان پر مکمل اختیار حاصل کرچکے تھے۔ عیسائی مبلغین اپنی تبلیغی کوششوں میں سرگرم تھے سنہ ۱۸۱۵ء سے ایک سوسائٹی اس سلسلہ میں کافی دلچسپی لے رہی تھی جو ضرورتاً ان بچوں کی تعلیم کے لئے قائم کی گئی تھی جو یورپین سولجروں اور ملاحوں اور ہندوستانی عورتوں کی پیداوار تھے۔ اس کا نام «دی سوسائٹی فار پروموٹنگ دی ایجوکیشن آف دی پور ود ان دی گورنمنٹ آف بمبئی بیٹر نون ایزدی بمبئی ایجوکیشن سوسائٹی» [4]

لارڈ ماونٹ اسٹورٹ الفنسٹن گورنر بمبئی اس کے صدر تھے اور یہ انہیں کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ سنہ ۱۸۲۰ء میں نیٹیوز کے لئے مدارس کھولنے اور درسی نصاب تیار کرنے کے لئے ایک ادارہ عالم وجود میں آیا [5] تاکہ پارسی ہندو اور مسلمان

1. Lithography in India, W. Abraham, Bombay, 1864, p. 1.
2. Printer's Progress, Charles Rosner, London, 1851.
3. Rudolf Ackermann.
4. The Society for Promoting the Education of the Poor within the Government of Bombay, better known as the Bombay Education society.
5. The National School and School Book Committee.

بچے انگریزی تعلیم حاصل کرسکیں لیکن اس اصول میں بہت جلد تبدیلی کرنی پڑی اور نیٹیوز کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کریں [1] مرہٹی گجراتی اور ہندوستانی (اردو) میں کتابیں بھی شائع کی گئیں۔

چونکہ درسی کتابوں کی اشاعت میں کافی تاخیر ہوتی تھی اس لئے سوسائٹی کے سکریٹری مسٹر جارج جروس [2] نے حکومت سے درخواست کی کہ ان کو ایک لیتھو گرافک پریس در آمد کرنے کی اجازت دی جائے۔ خداوندان حکومت نے درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے اپنے مراسلہ مجریہ ۱۰ مارچ سنہ ۱۸۲٤ء سے مطلع کیا کہ ڈائرکٹران کمپنی نے متعدد پریس در آمد کرنے کی اجازت دیدی ہے۔ اس میں سے ایک سوسائٹی کو پہنچا دیا جائیگا۔

ڈائرکٹران کمپنی نے چھ لیتھوگرافک پریس روانہ کئے تین بڑے اور تین چھوٹے حکومت بمبئی نے یہ طے کیا کہ ہر شعبہ کو ایک پریس دیا جائے تاکہ وہ خود اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ مندرجہ ذیل میمورنڈم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تجویز پر عمل در آمد نہیں ہوا۔

«لیتھوگرافک پریس کا آرڈر دیتے وقت ارادہ یہ تھا کہ حکومت بمبئی کے ہرشعبہ کو ایک ایک پریس دیا جائے تاکہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں لیکن تجربہ نے یہ ثابت کر دیا کہ حکومت کا ہر شعبہ پریس نہیں چلا سکتا۔ انفرادی طور پر اخراجات زیادہ ہوں گے۔ کفایت کم ہوگی۔ اس کے علاوہ لیتھو گرافک پریس چلانے کے لئے ہر جگہ ماہرین بھی دستیاب نہ ہو سکیں گے اس لئے یہی مناسب سمجھا گیا کہ جملہ پریس یک وقت چلائے جائیں۔

«یہ بھی طے پایا کہ کوریر اور دوسرے پریس کو جو سرکاری کام دیا جاتا ہے وہ اس پریس سے لے لیا جائے تاکہ کام بھی وقت پر ہو اور کفایت سے بھی ہو۔ یہ بھی طے پایا کہ نیٹیو اسکول اور اسکول بک سوسائٹی کا کام مفت کیا جائے۔ سپی لیتھو گرافسٹ کا یہ فرض ہوگا کہ وہ عوام کو بھی ضروری معلومات بہم پہنچائے۔ اس کی تنخواہ ساڑھے تین سو روپیہ ماہوار ہو اس عہدہ پر ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو اس

---

1. Selection from the educational records (Bombay) part II (1815—1840). R. V. Parulekar and C. L. Bakshi, Bombay, 1955, p. 27.
2. George Jervis.

کا اہل ہو اور سکریٹریز اس کی سفارش کریں۔ مسٹر میگڈول[1] سینیر لیتھو گرافسٹ مقرر کئے گئے[2] ۲۶ جنوری سنہ ۱۸۲٤ء کو حکومت نے اس کی منظوری دی اور مطبع کے لئے مندرجہ ذیل اسٹاف کا تقرر عمل میں آیا

بڑے پریس کے لئے	ایک ہیڈ پریس مین	۱۲ روپیہ ماہوار
"	دو پریس مین	٦ روپیہ "
چھوٹے پریس کے لئے	ایک ہیڈ پریس مین	۸ روپیہ "
"	دو پریس مین	٦ روپیہ "

اور مندرجہ ذیل تاریخوں میں ان کی تقرری کے پروانے اجراء کئے گئے۔

نام	عہدہ	تاریخ تقرری
مادھو باپو[3]	ہیڈ پریس مین	۱۵ جولائی سنہ ۱۸۲٤ء
ایانا ماجی[4]	"	" "
راما راگو[5]	پریس مین	۲۸ جولائی سنہ ۱۸۲٤ء
شیخ علی	"	یکم اگست سنہ ۱۸۲٤ء

حکومت بمبئی نے اپنے سرکلر مجریہ ۲٦ اگست سنہ ۱۸۲٤ء[6] کے ذریعے افسران اعلیٰ کو مطلع کیا کہ وہ اپنے دفتر کی ضروریات سے گورنمنٹ لیتھوگرافک پریس کو مطلع کریں۔ اس گشتی مراسلہ میں تحریر تھا۔

«اطلاعاً عرض ہے کہ کورٹ آف ڈائرکٹرز نے چند لیتھو گرافک پریس روانہ کئے ہیں تاکہ انگریزی اور دیسی زبانوں کے اشتہارات، گشتی مراسلات دعوت نامے اور دوسرے مراسلات جو آپ کے دفتر سے اجرا ہوتے اور حکومت کے خرچ پر چھپتے ہیں آیندہ سے بغرض اشاعت سرکاری لیتھو گرافک پریس میں بھیجے جائیں اگر آپ چاہتے ہیں کہ دعوت نامے۔ رقعے اور دستاویزیں مخصوص تحریر میں طبع ہوں تو فرمائش کے ہمراہ محرر کو بھی بھیجا جائے۔»

---

1. Macdowall.
2. The Bombay Secretariat Records, G. D. Vol. 14/70, of 1824, pp. 57-59.
3. Madoo Bappoo.
4. Abia Nammajee.
5. Rama Ragu.
6. The Bombay Secretariat Records, G. D. Vol. 14/70 of 1824, p. 187.

بمبئی نیٹیو بک اور اسکول سوسائٹی کی دوسری سالانہ رپورٹ متعلقہ سنہ ۲۵-۱۸۲۴ء سے پتہ چلتا ہے کہ سوسائٹی نے لیتھو گرافک پریس کے ذریعے کس قدر کتابیں شائع کیں۔

« سوسائٹی کے ذرائع طباعت چونکہ لیتھوگرافک پریس تک محدود تھے اسلئے جملہ تیاریوں کے باوجود کتابیں شائع نہ ہوسکیں جس سے درس تدریس پر اثر پڑا لیکن حکومت نے ٹائپ کے دو فاونٹ دیکراشک شوئی کردی. انکے علاوہ حکومت نے سوسائٹی کے پرنٹنگ پریس کے لئے انگریزی اور بال بودھی زبان کے ٹائپ بھی دئے،

اس سے سوسائٹی کے کام میں سہولت ہوگئی البتہ سوسائٹی کو لیتھو کا کام مزدوروں کو سکھلانا پڑا. اسی دوران میں سوسائٹی کا نام « بمبئی نیٹیو ایجوکیشن سوسائٹی » رکھ دیا گیا سنہ ۲۶-۱۸۲۵ء کی رپورٹ[1] سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سال مذکورہ میں مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہوئیں۔

مرہٹی	ایسف کی حکایات[2]
	جامیٹری کے ابتدائی اصول[3]
گجراتی	جامیٹری کے ابتدائی اصول
فارسی	دیوان حافظ
	انوار سہیلی

ان کے علاوہ چھ کتابیں اور بھی تیار تھیں لیکن شائع نہ ہوسکیں. ان حالات میں جبکہ لیتھو گرافک پرنٹنگ پریس درآمد کرنا ایک امر دشوار تھا اور ان کو چلانا اس سے بھی زیادہ دشوار. اس لئے حکومت نے یہ مناسب سمجھا کہ تین لیتھو گرافک پریس مقامی طور پر تیار کرائے جائیں. متعلقہ شعبوں کو حکم دیا کہ ایسا پتھر تلاش کیا جائے جو لیتھو گرافی کے کام آسکے. مقصد یہ تھا لیتھو پریس عوام تک پہچایا جائے. سرکاری پریس کو بھی اجازت دی گئی کہ وہ عوام کی ضرورت کا خیال رکھے.

اس درمیان میں لیتھو گرافک پریس انک بننے لگی تھی لیکن پریس پھر بھی

1. The Third Report of the Proceedings of the Bombay Native School Book and School Society, Bombay, 1824-5, pp. 10-13.
2. Aesop's Fables.
3. Elements of Geometry.

یورپ سے منگوائے جاتے تھے۔ بعد از تلاش بسیار صوبہ مدراس کے ضلع بلاری کے ایک مقام کرنول میں ایسا پتھر مل گیا جو ہر اعتبار سے یورپین پتھر سے بہتر اور سستا تھا۔ فورٹ سینٹ جارج کے چیف انجنیر مسٹر ڈبلیو۔ گراڈ[1] نے اپنے گورنر کو ان الفاظ میں لیتھو گرافک اسٹون ملنے کی خوش خبری سنائی اور حاصل شدہ پتھر پر چھاپ کر مندرجہ ذیل عریضہ ارسال کیا۔

«میں حضور والا کی خدمت میں کرنول سے حاصل شدہ لیتھو اسٹون پر طبع شدہ نمونہ ارسال کرنے کی عزت حاصل کررہا ہوں۔ حضور والا کو یاد ہوگا کہ احقر نے اپنے مراسلہ مجریہ ۱۵ نومبر سنہ ۱۸۲۶ء کو یہ اطلاع دی تھی کہ کرنول میں ایک ایسا پتھر دستیاب ہوگیا ہے جو لیتھو کی ضروریات کو پورا کرے راقم کو یہ لکھتے ہوئے بیحد مسرت محسوس ہوتی ہے کہ مذکورہ پتھر بڑی مقدار میں دستیاب ہوسکتا ہے۔ اس کے ذرات یورپین لیتھو اسٹون سے زیادہ باریک ہیں۔ مسودات اور دوسرے نازک کاموں کی طباعت کے لئے زیادہ مفید ثابت ہوسکتے ہیں»

سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ لیتھو گرافک پریس مسٹر ایچ ویلس[2] نے ۲۴ فروری سنہ ۱۸۳۰ء کو بمبئی گورنمنٹ کے سکریٹری مسٹر ولولی[3] کو جو مراسلہ بھیجا اس سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت نے جو لیتھو گرافک اسٹون کرنول سے منگوائے تھے وہ آگئے ہیں۔ مراسلہ نگار لکھتا ہے:

سرجینٹ جیب[4] متعلقہ اورینٹل لیتھو ڈپارٹمنٹ جن کو پتھر لانے کے لئے کرنول بھیجا گیا تھا ایک سو پتھروں کے ہمراہ پونہ پہنچ گئے ہیں۔ ان میں سے چالیس پتھر بمبئی کو تفویض کئے گئے ہیں۔ التماس ہے کہ کیپٹن جارج جروس کو پونہ روانہ کردیا جائے تاکہ وہ سرکاری پتھروں کا چارج لے سکیں»[5]

گورنمنٹ لیتھو گرافک پریس نے دنیائے طباعت میں جو شہرت حاصل کی اس سے تاجر پیشہ اصحاب کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی اس سے استفادہ کریں۔ انگریزوں اور دیسی زبانوں کے لئے لیتھو پریس قائم کئے جائیں چنانچہ متعدد تاجروں نے لیتھو کے آرڈر دئے[6]

---

1. W. Garrad.
2. H. Willis. 3. Willoughby
4. Serjeant Jebb.
5. The Bombay Secretariat Records, G. D. Vol. 207 of 1830, p. 314.
6. Ib G. D. Vol. 10/118 of 1826. p. 553.

چونکہ اب بمبئی میں کافی لیتھو پریس ہوگئے تھے اس لئے مسٹر وارڈن[1] نے حکومت سے درخواست کی کہ سرکاری لیتھو گرافک پریس سوسائٹی کو دیدئیے جائیں تاکہ نصابی کتب کے سلسلہ میں جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس سے نجات ملے لیکن گورنر بمبئی نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ سوسائٹی ابھی اس قابل نہیں ہے کہ پریس کے اخراجات برداشت کرسکے۔[2]

سر جان مالکم، گورنر بمبئی نے سوسائٹی کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۸ مارچ سنہ ۱۸۲۸ء کی صدارت فرماتے ہوئے لیتھو گرافک پریس کی بیحد تعریف کی اور تمثیلاً انوار سہیلی پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے یہ دیکھ کر بیحد خوشی ہوتی ہے کہ یہ کتاب پچیس روپیہ میں بھی سستی سمجھی جاتی ہے حالانکہ اگر ایران میں فروخت کی جائے تو یہ بہ آسانی دو سو روپے میں بک سکتی ہے[3]۔

لیتھو گرافک پرنٹنگ پریس کے منیجر مسٹر میکڈول کے انتقال کے بعد مسٹر فرانسسکو ڈی رامس[4] کا تقرر عمل میں آیا۔ اس کے بعد غالباً یہ عہدہ کیپٹن جروس[5] کو تفویض کیا گیا کیونکہ وہ اپنے ایک مراسلہ میں لکھتا ہے کہ سنہ ۱۸۲۹ء میں وہ گورنمنٹ لیتھو گرافک ڈپارٹمنٹ کا انچارج مقرر کیا گیا تھا[6] لیکن سنہ ۱۸۳۰ء میں انجینیرنگ کالج پونہ میں تبدیل ہوگیا اور اس کے ساتھ کیپٹن کو بھی جانا پڑا۔ جانے سے قبل اہل بمبئی نے اس کو ایک ایڈریس پیش کیا جس میں ان خدمات کو سراہا گیا جو اس نے لیتھو گرافک پریس کے سلسلے میں انجام دی تھیں۔[7] جروس اپنے ہمراہ ایک لیتھو پریس بھی پونہ لے گیا تاکہ سوسائٹی کا کام رکنے نہ پائے۔

غالباً یہ پونہ کا سب سے پہلا پریس تھا۔ سنہ ۱۸۳۱ء میں جب جروس انگلستان گیا تو پریس کو مجبوراً بند کرنا پڑا اور بعدہ یہ طے پایا کہ حسب سابق جملہ کام گورنمنٹ پریس میں کرایا جائے سوسائٹی کے اپنے پریس میں اگرچہ

1. Warden.
2. The Bombay Secretariat Records, G. D. Vol. 10/143 of 1827, pp, 81-85.
3. The fourth Report of the Proceedings of the Bombay Native Education Society for 1827, Bombay 1828, p. 6.
4. Francisco de Ramos. 5. Captain Jervis.
6. Life of Colonel T. B. Jervis, W. P. Jervis, London, 1898, p. 33.
7. The Bombay Secretariat Records, G. D. Vol. 6 of 1830, pp. 328-330.

ترجیح لیتھو گرافک پریس کو دی جاتی تھی کیونکہ وہ کم خرچ بالانشین تھا پھر بھی سوسائٹی کے پریس میں ہر قسم کی ٹائپوگرافیکل طباعت کے انتظامات تھے۔

ان سرکاری اور اجتماعی کوششوں کے ساتھ ساتھ انفرادی کوششیں بھی کارفرما تھیں۔ انہی میں ایک صاحب گنپت کرشن جی تھے جن کے متعلق گووند نرائن مڑگاونکر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں[1]۔

"امریکہ کے مسیحی مبلغین نے سنہ ۱۸۱۳ء میں ایک مطبع قائم کیا تھا اس میں تبلیغی کتابیں چھپتی تھیں۔ گنپت کرشن جی نے یہ دیکھ کر ارادہ کیا کہ وہ ہندو مذہب پر بھی ایسی ہی کتابیں شائع کرے گا، چونکہ اس وقت پریس کا ملنا دشوار تھا اس لئے اپنے طور پر ایک پریس بنوانے کے انتظامات کئے۔ متعدد پتھروں اور کمیکلز پر تجربات کئے اور بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ اس نے سنہ ۱۸۳۱ء میں ایک مرہٹی ہندو المنک شائع کیا اور اس کی قیمت آٹھ آنہ فی کاپی رکھی۔ اس زمانہ میں اگرچہ برہمن چھپی ہوئی کتاب ہاتھ میں لینا اور پڑھنا بالکل نامناسب سمجھتے تھے پھر بھی اس المنک کی خرید میں وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

گنپت نے اپنے پریس کی طباعت کے نمونے ڈاکٹر ولسن، فادر گیرٹ اور فادر ایلن کو دکھلائے[2]۔ انہوں نے اس کے کام کی تعریف کی اس کی کوششوں کو سراہا اور حسب ضرورت اس کو کام دیا جس سے اس کا پریس دور و نزدیک مشہور ہوگیا۔

اُس زمانے میں لیتھو گرافک اسٹون صرف کاربونیٹ آف لائم کا مجموعہ ہوتا تھا اور گرمی اور سردی ہر دو کو یکساں جذب کرلینے کی صلاحیت رکھتا تھا[3] مسٹر ویلیم فیلن[4] کم و بیش پانچ چھ ماہ تک اس پر تجربات کرتے رہے انہوں نے اس پر تصویریں اور نقشے بھی بنائے۔ ان کی پہلی کامیاب لیتھو تصویر "کیلے کا درخت" تھی۔ اس کے بعد لیتھو پر تصویریں چھپنے لگیں لیکن چونکہ لیتھو اسٹون بہت ہی نرم ہوتا تھا اس لئے بمشکل تین تصویریں چھپ سکتی تھیں۔

1. Mumbaicem Varnana, Govind Narayan Madgaonkar, Bombay. 1863. Ref: The Printing Press in India, A. K. Priolkar, Bombay, 1958- p. 102.
2. Dr. Wilson: Father Garrett, and Father Allen.
3. Bombay Courier, April 10, 1830- p. 204. 4. William Falion.

لیتھو گرافک پریس کے متعلق پہلا اعلان ۳ جنوری سنہ ۱۸۲۹ء کو انگریزی اخبارات میں شائع ہوا۔ عبارت حسب ذیل تھی۔

بمبے لیتھو گرافک پریس

عام و خواص کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ہم نے ایک لیتھو گرافک پریس قائم کیا ہے اور یکم جنوری سے کام بھی شروع کردیا ہے۔ ہر آرڈر کی تعمیل بعجلت تمام کی جاتی ہے اور ذاتی نگرانی میں کام لیا جاتا ہے۔ جملہ درخواستیں بنام بمبے گزٹ یا اڈیٹر بمبے پرائس کرنٹ معرفت گزٹ آفس نمبر ۱۰ ملٹری اسکوائر آنی چاہئیے۔ ۱۷ جنوری کو پریس مذکور بالا کی طرف سے مندرجہ ذیل اعلان شائع ہوا۔ اس میں تفصیلات درج تھیں۔ مختلف سائزوں کے سو کاغذوں کی چھپائی کے دام بھی تحریر تھے۔

	تھرڈ پیپر سائز	فلسکیپ سائز	لیٹر پیپر سائز
ایک طرف	۸ روپیہ	٦ روپیہ	٤ روپیہ
دو "	۱۱ "	۱۰ "	۷ "
تین "	۱۷ "	۱۳ "	۹ "
چار "	۲۰ "	۱۵ "	۱۰ "

سو وزیٹنگ کارڈ کی چھپائی چار روپئے اور ایک پیکٹ کی ڈھائی روپیہ مقرر تھی۔

کاغذ کی قیمت اس کے علاوہ تھی۔ پانچ سو کاغذات کی چھپائی پر دس فی صدی منہائی دی جاتی تھی۔

ملٹری فارم کی چھپائی حسب ذیل تھی۔

	۱۰۰ فارم	۵۰ فارم	۲۵ فارم	۱۲ فارم
پے سرٹیفکٹ	۷ روپیہ	٤ روپیہ	۲ـ۲ روپیہ	۲ـ۱ روپیہ
پریزنٹ اسٹیٹس	۷ "	٤ "	۲ـ۲ "	۲ـ۱ "
ڈسچارج فار نیٹیوز	۷ "	٤ "	۲ـ۲ "	۲ـ۱ "
" یورپین	۱۷ "	۱۱ "	۷ "	٤ "
مسٹر رولس	۱۷ "	۱۱ "	۷ "	٤ "
پے ایبسٹریکٹ	۱۷ "	۱۱ "	۷ "	٤ "

ایکوی ٹنس رولی	۱۷ »	۱۱ »	۷ »	۴ »	»
کواٹرولی رٹرنس	۳۱ »	۱۹ »	۱۴ »	۸ »
منتھلی رٹرنس	۲۴ »	۱۴ »	۹ »	۶ »

۷ فروری کو پستن جی مانک جی نے حسب ذیل اشتہار اخبارات میں شائع کرایا:

« شرفاء صوبہ اور بیرون صوبہ کے حضرات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حدود بلدہ میں بمبئی جام جمشید لیتھو گرافک پریس کے نام سے نمبر ۲ گن بو اسٹریٹ، متصل دوکان پالن جی نسروان جی ایک پریس قائم کیا ہے اور اس میں ہر قسم کی طباعت کا کام ہوتا ہے سو فارم کی طباعت کے دام حسب ذیل مقرر ہیں:

	تھرڈ پیپر سائز	فلسکیپ سائز	لیٹر پیپر سائز
ایک طرف	۶ روپیہ	۴ روپیہ	۲ روپیہ
دو »	۱۰ »	۶ و	۵ »
تین »	۱۳ »	۹ »	۷ »
چار »	۱۵ »	۱۱ »	۸ »

۳ مئی کو ایک اور لیتھو گرافک پریس کا اعلان ہوا اور اس میں بتلایا گیا کہ کوریر آفس میں جو لیتھو گرافک پریس ہے اس میں ہر قسم کی چھپائی کا کام ہوتا ہے اور سو فارم کی چھپائی حسب ذیل ہے۔

ایک طرف	۷ روپیہ	۵ روپیہ	۳-۸ روپیہ
دو »	۱۲ »	۹ »	۶ »
تین »	۱۵ »	۱۲ »	۸ »
چار »	۱۸ »	۱۴ »	۹ »

بمبئی میں لیتھو گرافک پریس بہت سرعت کے ساتھ بڑھتے گئے۔ چونکہ اس زمانہ میں پریس رجسٹریشن ایکٹ نہ تھا اس لئے یہ معلوم کرنا بہت دشوار ہے کہ پریس کس سائز اور قیمت کے تھے اور ان پر کس قدر سرمایہ لگایا گیا تھا۔ جب حکومت کے عہدہ داران سرکاری کے ذریعے سے یہ معلوم کرنا چاہا کہ پریس کب قائم ہوئے اور ابتک کس قدر کتابیں اور رسائل ان پر چھپ چکے ہیں تو غیر ضروری خدشات کے پیش نظر انہوں نے ضروری اطلاعات بہم پہنچانے سے انکار

کر دیا جس قدر معلومات دستیاب ہوسکیں اس کی فہرست حسب ذیل ہے۔

سنہ		نام	مقام
۱۸۴۳ء	۱	بابو سیٹھ دیولیکر پریس	بمبئی
۱۸۴۵ء	۱	باجی بھائی امی چند پریس	احمد آباد
	۲	پستک وردھی کرنار منڈلی پریس	احمد آباد
	۳	وتھل سکھا رام اگنی ہوتری پریس	پونہ
۱۸۵۱ء	۱	گجرات ورناکیولر سوسائٹی پریس	احمد آباد
۱۸۵۷ء	۱	چھگن لال مگن لال پریس	احمد آباد
	۲	للو بھائی کرم چند پریس	احمد آباد
	۳	کھٹ انتی پرکاش پریس	کیرا
۱۸۵۸ء	۱	امی چند برگووند پریس	احمد آباد
	۲	صبح سوچک پریس	ستارہ
۱۸۵۹ء	۱	بالکرشن رام چند ٹھاکر پریس	پونہ
	۲	منو دے پریس	سورت
۱۸۶۰ء	۱	للو بھائی امی چند پریس	احمد آباد
	۲	نارو اپا جی گڑبولے پریس	پونہ
	۳	دیسی متر پریس	سورت
	۴	قادری پریس	سورت
۱۸۶۱ء	۱	ورتمان پریس	بروچ
	۲	سوانور پریس	سوانور
۱۸۶۲ء	۱	لالہ سر چند پریس	احمد آباد
	۲	ورتا پرکاش پریس	پونہ
۱۸۶۳ء	۱	احمد آباد یونائٹڈ پریس	احمد آباد
	۲	سروپ چند ڈالی چند پریس	احمد آباد
	۳	دیان بودھک پریس	بمبئی
	۴	اپا جی بابو جی پورکر پریس	پونہ
۱۸۶۴ء	۱	ستاچار پریس	[illegible]

۱۸۶٤ء	۲	دیان بودھک پریس	دھارواڑ
	۳	دیان گرافک پریس	بلاڑ (کاٹھیاواڑ)
	٤	گنگا دھر گووند سپکر پریس	پونہ
۱۸۶۸ء	۱	نیتی درپن پریس	بروچ
	۲	ستیہ دوپن پرکاش پریس	بروچ
	۳	ودیا ساگر پریس	حیدرآباد (سندھ)
	٤	گورنمنٹ ایجوکیشنل پریس	کراچی
	۵	مفرح قلب پریس	کراچی
	۶	نیائے پرکاش پریس	سورت

ایسے لیتھو گرافک پریسوں کی تعداد بھی معقول تھی جن کے متعلق یہ نہ معلوم ہوسکا کہ وہ کس سنہ میں قائم ہوئے تھے اور کبتک قائم رہے۔ ان پریسوں کے نام بہ اعتبار شہر بحساب حروف تہجی یہاں درج کئے جاتے ہیں،

احمدآباد	۱	گورنمنٹ پریس (کلکٹر)
	۲	ہری لال تلسی رام پریس
	۳	ہمت بہادر پریس
	٤	جے شنکر مایا شنکر پریس
	۵	جیون لال امبا رام پریس
	۶	جورڈن پریس
	۷	مولجی امبارام پریس
	۸	نرائن ہری پریس
	۹	ورتمان پریس
	۱۰	ودیا بہادر پریس
بلگام	۱	دیش بندھو پریس
	۲	سبودھ پرکاش پریس
پونہ	۱	بودھ پرکاش پریس
دھارواڑ	۱	دیانو ساگر پریس

۲ ۔ سن مارگدرسک پریس

ساوانور ۱ دیان بودیک پریس

سورت ۱ نیتی درپن پریس

۲ سورت ورتمان پریس

ان پریسوں نے اردو زبان کی کس حد تک خدمت کی اس کا جواب ہمارے وہ محققین دیں گے جو آیندہ اس موضوع پر تحقیق کریں گے۔ اردو شروع ہی سے بمبئی کے عوام کی زبان رہی ہے وہ نہ صرف اکثریت کی زبان تھی بلکہ ادنیٰ طبقہ میں بھی یکساں مقبول تھی۔ گورنر بہ اجلاس کونسل کے جلو میں اردو انٹرپریٹر کے علاوہ انگلش اردو اور اردو انگلش کے مترجم بھی رہتے تھے۔

اردو کی عام مقبولیت کے پیش نظر یہ سمجھنا غلط نہ ہوگا کہ بمبئی کی ہر بڑی لائبریری میں اردو کتابیں ــ قلمی اور مطبوعہ موجود ہونگی، بمبئے سرکولٹنگ لائبریری میں اردو کتابوں کی تعداد کیا ہوگی جب کہ ۱۷ مئی سنہ ۱۸۰۰ء کو فہرست کتب کی قیمت دو روپیے تھی یہ لائبریری اس قدر بڑی تھی کہ ہر آنے والے جہاز سے اس کے لئے کتابیں بلاد یورپ سے آتی تھیں

اردو کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ لندن کے کتب فروش اردو کتابیں چھاپنے سے قبل ہندوستان کے انگریزی اخباروں میں اس کے اعلانات شائع کراتے تھے چنانچہ ۱۱ جولائی سنہ ۱۸۰۱ء کے اشتہار سے پتہ چلتا ہے کہ جے۔ ڈیبرٹ [1] نے جب (الف) اورینٹل کلکشن جلد سوم حصہ اول و دوم (ب) دی ایشیا ٹک اینول رجسٹر جس میں سنہ ۱۸۰۰ء کی ادبی سرگرمیوں کا ذکر ہے اور (ج) اورینٹل لنگوسٹ مصنفہ جان گلکرائسٹ (اور دیگر کتب عربی و فارسی جن کا ذکر اشتہار میں کیا گیا ہے) چھاپنے کا ارادہ کیا تو بمبئی کوریر میں ان کا اشتہار شائع کرایا

٤ دسمبر سنہ ۱۸۰۲ء کو «ہندوستانی لٹریچر فارسیل» کے عنوان سے ایک اشتہار شائع ہوا جو حسب ذیل تھا۔

---

1. J. Debrett, Opp. Burlington House, Picadilly, London.

ہندوستانی لٹریچر
برائے فروخت
کمیشن ویر ہاؤس ۳۔ میڈوز اسٹریٹ
تصانیف ڈاکٹر گلکرائسٹ

۱	ہندوستانی فلولوجی ہر سہ حصہ	قیمت سو روپیہ
۲	اسٹرینجرس گائڈ ٹو ہندوستانی	« دس »
۳	دی تھیوری آف پرشین وربس	« سات »
٤	ہند و عربک ٹیلس	« چار »
۵	دی اینٹی جار گنسٹ	« بارہ »
٦	اورینٹل لنگوسٹ	« پندرہ »

۱۲ نومبر سنہ ۱۸۰۳ء کو عربی فارسی اور اردو کتابوں کی ایک طویل فہرست شائع ہوئی اس میں جان گلکرائسٹ کی «ہندوستانی ڈکشنری اینڈ گرامر» کا بھی اشتہار تھا جو پہلی بار شائع ہوا۔ ۲۱ جون سنہ ۱۸۰٤ء کے ایک اعلان سے پتہ چلتا ہے کہ گلکرائسٹ کی فلولوجی کے ساتھ انگریزی و ہندوستانی ڈکشنری کی مشترکہ قیمت سو روپیہ تھی۔

انگلستان اور ہندوستان کے کتب فروشوں اور ناشروں کے علاوہ تعلیمی ادارے بھی وقتاً فوقتاً اپنی مطبوعات کے اشتہارات شائع کراتے رہتے تھے ۲۵ جون سنہ ۱۸۰٦ء کو اسی قسم کا ایک اشتہار مقامی اخبارات میں شائع ہوا جس کا عنوان تھا «زیر سرپرستی، کونسل آف دی کالج آف فورٹ ولیم اینڈ سوسائٹی»۔ اس اعلان میں کتابوں کی فہرست درج تھی۔

انیسویں صدی کے آغاز سے اردو کتابیں انگریزی میں ترجمہ ہونا شروع ہو گئی تھیں خاص کر وہ کتابیں جو فورٹ ولیم کالج کے نصاب میں داخل تھیں۔ غالباً پہلی کتاب جو اردو سے انگریزی میں ترجمہ ہوئی وہ میرامن کی چہار درویش تھی جسے ایل ہ فزڈی نیڈ اسمتھ نے بہ اجازت تمام دی رائٹ آنریبل گلبرٹ لارڈ منٹو گورنر جنرل ہند ترجمہ کیا اور اس کی قیمت ایک گولڈ مہر مقرر کی۔ اس کتاب کا اشتہار ۱۷ اپریل سنہ ۱۸۱۳ء کو شائع ہوا تھا۔

اردو کتابیں انگریز کتب فروشوں کے یہاں عام طور پر فروخت ہوتی تھیں۔ ۸جنوری سنہ ۱۸۱٤ء کے ایک اشتہار سے پتہ چلتا ہے کہ جان گلکرائسٹ کے انتقال کے بعد «انگلش اینڈ ہندوستانی ڈکشنری» پر ٹامس روبک نے نظر ثانی کی۔ اس کی قیمت ساٹھ روپیہ تھی۔ دیگر کتب کی قیمتیں حسب ذیل تھیں۔

برٹش انڈیا مانیٹر — ہر دو جلد	۳۳ روپیہ
اسٹریجرز گائڈ — نیوا ڈیشن	۸ روپیہ
طوطا کہانی	۱۲ روپیہ
نثر بینظیر	۱۰ روپیہ
شکنتلا ناٹک	٤ روپیہ

اس وقت بمبئی کے بڑے کتب فروشوں میں شاٹن سلڈر اینڈ کمپنی اور بیکسٹر فرار اینڈ کمپنی [1] کے نام عام طور پر لئے جاتے تھے لیکن ۲۳ نومبر سنہ ۱۸۱٦ء کے ایک اشتہار سے پتہ چلتا ہے کہ کتابیں بمبئے کوریر کے آفس میں بھی فروخت ہوتی تھیں۔

انفرادی کتب فروشوں میں مسٹر انڈرسن کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ وہ ہندوستانی مطبوعات خریدنے اور فروخت کرنے کے علاوہ یورپ سے براہ راست کتابیں بھی منگواتے تھے۔ ۱۰ اگست سنہ ۱۸۲۲ء کے ایک اعلان سے پتہ چلا کہ شیکسپیر کی ہندوستانی ڈکشنری اور گرامر ان کے یہاں برائے فروخت موجود ہے اور ۱٤ دسمبر کو مندرجہ ذیل کتابوں کا اعلان شائع کرایا۔

باغ اردو (گلستان کا ترجمہ)
گل بکاولی
نثر بینظیر
ہدایۃ الاسلام

۹ اگست سنہ ۱۸۲۳ء کو محمد ابراہیم مقبہ۔ منشی انٹر پریٹر ٹو دی آنریبل کورٹ آف ریکارڈز نے اعلان کیا کہ انہوں نے «تحفہ الفنشن» کے نام سے ایک اردو گرامر لکھی ہے۔ میجر کینڈی نے اس پر نظر ثانی کی ہے اور اس کی قیمت

1 Shotton, Colder & co; and, Baxter, Ferrar & co

دس روپیہ ہے۔

ابھی تک صرف انگریز کتب فروش اور انگریزوں کے تعلیمی ادارے اردو کتابیں فروخت کرتے تھے۔ بعد میں پارسی کتب فروش بھی کتابیں لندن سے منگوانے اور بذریعہ اشتہارات فروخت کرنے لگے ۲۵ اکتوبر سنہ ۱۸۲۳ء کے ایک اعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایدل جی کرسٹ جی اردو کتابوں کا بڑا بیوپار کرتے اور جان گلکرائسٹ کے علاوہ مسٹر ڈبلیو سی۔ اسمتھ آف دی رائل سویل سروس کی تصانیف بھی فروخت کرتے تھے۔ ان کے ایک اشتہار میں مندرجہ ذیل کتب کا اعلان درج تھا۔

ہنٹر کی ہندوستانی ڈکشنری

لطائف ہندی

شمع محبت

فارسی منشی

۲۲ اکتوبر سنہ ۱۸۲۵ء کو معلوم ہوا کہ « آمدن » کا ترجمہ ہندوستانی زبان میں ہو گیا ہے آمدن کے ترجمہ کا اشتہار اردو میں بھی شائع ہوا جو حسب ذیل تھا۔

« کتاب گردان فارسی کی ساتھ معنی ہندوستانی کے کہ نو آموز کو دونوں زبان کا مہاوی ہوگا کوریر آفس میں تیار ہے مول اس کا دو روپیہ، تاریخ ۲۲ ماہ اکتوبر سنہ ۱۸۲۵ء »

۳۱ دسمبر سنہ ۱۸۲۵ء کے ایک اعلان سے معلوم ہوا کہ محمدابراہیم مقبہ، منشی اور انٹرپریٹر سپریم کورٹ آف دی جوڈی کیچر نے ہندوستانی صرف و نحو پر ایک کتاب لکھی ہے اور اس کی قیمت دس روپیہ ہے۔ ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۸۲۷ء کو مندرجہ ذیل کتابوں کا اعلان شائع ہوا۔

شیکسپیر کی ہندوستانی ڈکشنری	۵۰ روپیہ
گلکرائسٹ کی ہندوستانی ڈکشنری	۵۰ »
ٹیلر کی ہندوستانی ڈکشنری	۲۰ »

اب تک اردو کتابوں کے سلسلے میں انفرادی کوششیں کار فرما تھیں لیکن بمبئے ایجوکیشن سوسائٹی کے قیام نے جس میں یورپین اور ہندوستانی حضرات برابر کے شریک تھے اس صورت حال میں تبدیلی کردی اور مرہٹی و گجراتی کے علاوہ

اردو کتابیں بھی شائع ہونے لگیں۔ بمبئے آکزلری سوسائٹی مشنری اسکول نے اپنے سالانہ جلسۂ منعقدہ ۱۵ جنوری سنہ ۱۸۲۸ء میں بتلایا کہ ان کے اسی اسکولوں میں ۳۰۵۹ طلبہ و طالبات تعلیم پارہے ہیں۔ ان میں ۲۸۵۲ لڑکے ہیں اور ۲۰۷ لڑکیاں۔ ان کے علاوہ چھ دوسرے اسکولوں میں ۱۰۶ طالبات تعلیم حاصل کررہی ہیں طلبہ کی مجموعی تعداد میں ۱۴۵۰ لڑکے اور لڑکیاں بخوبی لکھ پڑھ سکتی ہیں۔ رپورٹ میں یہ بھی بتلایا گیا کہ سوسائٹی کا لیتھو گرافک پریس سال بھر تک مسلسل کام کرتا رہا اور اس نے بائیس ہزار کتابیں شائع کیں۔ آج یہ بتلانا مشکل ہے کہ ان میں اردو کی کتنی کتابیں تھیں

۱۵ نومبر سنہ ۱۸۲۸ء کو نیو ایجوکیشن سوسائٹی کا جلسہ زیر صدارت گورنر صوبہ بمبئی انعقاد پذیر ہوا اس میں درسی کتابوں کی اشاعت پر زور دیاگیا فارسی اور اردو کتابوں کی تیاری کا بھی ذکر آیا۔ ۲۸ مارچ سنہ ۱۸۲۹ء کے ایک اعلان سے پتہ چلا کہ «تذکرہ دکنی شعراء» شائع ہوگیا ہے اور اس کی قیمت دس روپیہ ہے یہ تذکرہ کوئی ونکٹ رامیشواس (رام سوامی) سابق ہیڈ ٹرانسلیٹر اینڈ پنڈت ان دی لائبریری اینڈ اینٹی کوریم ڈپارٹمنٹ نے مرتب کیا ہے اور شوٹن سلڈر کمپنی سے دستیاب ہو سکتا ہے۔

۱۶ مئی سنہ ۱۹۲۹ء کو پتہ چلا کہ شیکسپیر کی نئی ہندوستانی ڈکشنری چھپ کر آگئی ہے اور بقیمت تیس روپیہ فرینٹھ بومن جی کے یہاں سے مل سکتی ہے ۲۹ دسمبر کو اطلاع ملی کہ انوار سہیلی کا نیا اڈیشن آگیا ہے اور قیمت پچیس روپیہ ہے۔

۳ اپریل سنہ ۱۸۳۰ء کو ایک طویل اشتہار شائع ہوا جس میں فارسی اور عربی کے علاوہ اردو کتابوں کا بھی ذکر تھا۔

جامع الحکایات	
ہندوستان کا نقشہ	۱۰ روپیہ
دنیا کا نقشہ	۱۰ »
روبکس پرو وربس	۱ »
اورینٹل لنگوسٹ ــ گلکرائسٹ	۲۰ »
گرامر	۸ »

ہنٹر کی ہندی ڈکشنری	۵۰ روپیہ
پریم ساگر واکو بولری	۸ "

ایک پرچگیز تاجر مسمیٰ آر. پریرا (متصل سینٹ ٹامس چرچ) نے یہ دیکھکر کہ اردو کتابیں سول اور ملٹری طبقہ میں یکساں مقبول ہیں ٤ جنوری سنہ ۱۸۳۲ء کو اشتہار دیا کہ اس کے یہاں «باغ و بہار» مجلد اور طوطا کہانی برائے فروخت موجود ہیں اور بالترتیب چار اور تین روپے میں دستیاب ہوسکتی ہیں .

۱۱ مارچ سنہ ۱۸۳۷ء کو اے. بی کولٹ اینڈ کمپنی[1] نے اعلان کیا کہ شیکسپیر کی ہندوستانی ڈکشنری برائے فروخت موجود ہے اور قیمت بیس روپیہ ہے ۱۷ مئی سنہ ۱۸۳۸ء کو اس نے اعلان کیا کہ اس کے یہاں مندرجہ ذیل کتب بھی فروخت کے لئے موجود ہیں.

شیکسپیر کی ڈکشنری — انگلش ہندوستانی — تھرڈ اڈیشن — مطبوعہ سنہ ۱۸۳٤ء

صفحات ۲۲۰۹	۵۰ روپیہ
ہندوستانی صرف نحو	۱۰ "
منتخبات ہندی (انتخابات معہ انگریزی ترجمہ)	
ہر دو جلد — نیا اڈیشن	۱۵ روپیہ

اشتہارات کے ان نمونوں سے اس امر پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ بمبئی میں اردو کتابیں انیسویں صدی کے نصف اول میں کافی مقبول تھیں.

انگلستان کے علاوہ ہندوستان کے بڑے بڑے انگریز بک سلرز پارسی اور پرچگیز کتب فروش اردو کتابیں فروخت کرتے اور انگریزی اخبارات میں ان کے اعلانات اور اشتہارات شائع کراتے تھے . یورپین بک سلرز کے علاوہ انگریزی کے تعلیمی ادارے بھی اپنی اردو مطبوعات عام و خاص تک پہنچانے کے لئے انگریزی اخبارات کا سہارا لیتے تھے.

سطور ذیل میں ان کتابوں کے نام درج کئے جاتے ہیں جن کا سال طبع معلوم ہو سکا . ان کتابوں کے نام آخر میں درج ہیں جن کے سال طباعت کا پتہ نہ چل سکا.

---

[1] A. B. Collett & Co., 8 Apollo street.

سنہ تصنیف		نام
۱۸۲۳ء		تحفہ الفنشن، مصنفہ محمد ابراہیم مقبہ
۱۸۲۴ء		جامع الحکایات
۱۸۲۵ء	۱	آمدن کا ہندوستانی ترجمہ، قیمت دو روپیہ
	۲	ہندوستانی صرف و نحو، مصنفہ محمد ابراہیم مقبہ، قیمت دس روپئے۔
۱۸۲۹ء		تذکرہ دکنی شعرا، مرتبہ کوی ونکٹ رام سوامی، قیمت دس روپئے۔
۱۸۳۴ء		راج نیتی، مصنفہ بھیروا پرشاد، موضوع راجہ کے فرائض، مطبوعہ گنپت کرشن جی پریس، صفحات ۳۱۵، قیمت ایک روپیہ دو آنے۔
۱۸۳۵ء		پریم ساگر، مصنفہ رستم جی، موضوع کرشن اور گوپی، مطبوعہ وتھل سکھا رام پریس، پونہ، قیمت ایک روپیہ۔
۱۸۴۴ء	۱	کتاب مجمع الفوائد، مصنفہ رتن جی کاؤس جی شراف، مطبوعہ گنپت راؤ پریس، بمبئی
۱۸۵۰ء	۱	الجبرا، مصنفہ بابو دیو شاستری ٹوکیکر، مطبوعہ گنپت کرشن جی پریس بمبئی
	۲	الجبرا، مصنفہ بابو شاستری پرانج پائے، صفحات ۳۳۱ قیمت تین روپئے مطبوعہ گنپت کرشن جی پریس، بمبئی
	۳	کالرا، مصنفہ لطف اللہ، محمدی پریس، بمبئی۔ صفحات ٦٤ قیمت ۸ آنے۔
۱۸۵۵ء	۱	دیوک ساگر، مصنفہ رام پرشاد و لکشمی لال، موضوع مختلف مضامین مطبوعہ جیون لال امبا لال پریس
۱۸۵۷ء	۱	مولود، مصنفہ اسمعیل بڈبے، مطبوعہ جگن متر پریس، رتناگیری، قیمت ایک روپیہ چار آنے۔
۱۸۵۹ء	۱	قواعد، مصنفہ رام چندر بی مانسی ویلوری، مطبوعہ جگن متر پریس رتناگیری، قیمت دو روپیہ۔
۱۸۶۰ء	۱	عجائب المائدہ، مصنفہ لطف اللہ، موضوع طب، مطبوعہ قادری

پریس، سورت، قیمت دو روپیہ۔

۲ پاکٹ بریگیڈ اکسرسائز، مصنفہ رام چندر بی مانسی ویلوری، موضوع ملٹری ڈریل، مطبوعہ جگن متر پریس، رتناگیری، قیمت ۲ آنے۔

۳ پاکٹ ڈریل مینویل، مصنفہ رام چندر بی مانسی ویلوری، موضوع ملٹری ڈریل، جگن متر پریس، رتناگیری، قیمت ۲ آنے۔

۱۸۶۳ء ۱ دربار راجہ اندر، مصنفہ دوسا بھائی سوراب جی منشی، دفتر آشکارا پریس، بمبئی، صفحات ۷۹، قیمت ۱۲ آنے۔

۱۸۶٤ء ۱ سندر سرنگار اور سواکرت پراسرنگار، مصنفہ کوی ہیراچند کہان جی موضوع شعر و شاعری، گنپت کرشن جی پریس، بمبئی، صفحات ۱۱۹

کتب سنہ طباعت نامعلوم، ترتیب بہ اعتبار حروف تہجی۔

۱ تحفہ الفنسٹن، مصنفہ منشی محمد ابراہیم مقبہ، موضوع صرف و نحو، صفحات ۲۳۰، قیمت تین روپیے۔

۲ چہار درویش، مصنفہ میرامن، گنپت کرشن جی پریس، بمبئی۔

۳ حکایات ایسپ، مترجم نامعلوم، گنپت کرشن جی پریس، بمبئی، موضوع قصص

٤ دیوان گویا، مصنفہ نواب فقیر محمد سونہار رنگ، مفرح قلب پریس، کراچی صفحات ۲۲٦، قیمت دو روپیہ۔

۵ طوطا کہانی، گنپت کرشن جی پریس، بمبئی۔

٦ قصہ حاتم طائی، مصنفہ حیدری، گنپت کرشن جی پریس، بمبئی۔

۷ گل بکاؤلی، مصنفہ نہال چند، گنپت کرشن جی پریس، بمبئی۔

۸ نسخہ پران، مصنفہ باپو پر ست دیولیکر، گنپت کرشن جی پریس، بمبئی موضوع حکایات، قیمت ۸ آنے۔

اردو فارسی مطبوعات

۱ غزلستان، مصنفہ نسروان جی، موضوع فارسی اور ہندوستانی شعر و شاعری۔

اردو مرہٹی مطبوعات

۱ سوایا، مصنفہ سندر داس، موضوع نظم، گنپت کرشن جی پریس، بمبئی، ۱۸٦۱ء

اردو گجراتی مطبوعات

۱ منوہر پرشاد حصہ اول و دوم، مصنفہ کوی منوہر، بھاؤنگری، موضوع مذہبی

اور اخلاقی نظمیں، ٹامس گراہم پریس، بمبئی، ۱۸٦۰، صفحات ۱۲۲
قیمت دو روپیہ۔

۲ راج نیتی، مصنفہ اتم رام پرشوتم، موضوع سیاست، چھگن لال مگن لال پریس
احمد آباد ۱۸۵۹، صفحات ۷٦، قیمت ۱۲ آنے۔

عابد رضا بیدار، رامپور

باغ و بہار، کا قدیم انگریزی ترجمہ

باغ و بہار، میرامن نے محمد علی کے قصہ چہار درویش کے اردو ترجمۂ نو طرزِ مرصع (میر محمد حسین عطا خاں تحسین) کو سامنے رکھ کر ٹھیٹھ ہندوستانی میں ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۱ء میں لکھنی شروع کی اور ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۳ء میں مکمل کر کے ارباب فورٹ ولیم کالج کے سامنے پیش کردی. پہلی بار یہ ۱۸_۱۲۱۷ھ مطابق ۴_۱۸۰۳ء میں کالج کے طرف سے شائع ہوئی. دس سال کے اندر ہی پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا اور ۱۳_۱۸۱۱ء میں کالج کے منشی غلام اکبر کے اہتمام سے یہ دوسری بار شائع ہوئی. مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۲۵۹ھ مطابق ۱۸۴۳ء میں اس کی اشاعت سے قبل کم سے کم ایک بار اور اس کی اشاعت کی نوبت آ چکی تھی. ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ء میں پانچویں (یا چھٹی بار) یہ محمد حسین کے مطبع سے چھپ کر شائع ہوئی. ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ء اور ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۰ء کے درمیانی زمانے میں کسی اور اشاعت کا مجھے علم نہیں. ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۰ء میں ڈنکن فاربس کی ترتیب و اہتمام کے ساتھ یہ لندن سے شائع ہوئی اور یہ کم سے کم اس کی چھٹی (یا ساتویں) اشاعت تھی. اسی سال آٹھویں (یا نویں بار) یہ مطبع [illegible] میرٹھ سے، امونجان کے اہتمام سے شائع ہوئی.

۱۹۳۱ء میں انجمن ترقی اردو ایڈیشن نکلا. اس دوران میں نولکشور اور پھر بعض بازاری مطبعوں سے اس کی متعدد اشاعتیں نکل چکی تھیں، انجمن ایڈیشن کے مرتب مولوی عبد[illegible] نے ۳۲ صفحے کا مقدمہ اور ۶ صفحے کا فرہنگ الفاظ اس میں شامل کیا. فرہنگ [illegible] ہے، لیکن مقدمہ ایک معمولی سی غلط فہمی کے سبب اب گئے گذرے زمانے کی چیز ہوگیا ہے. مولوی صاحب کو باغ و بہار کا کوئی قدیم ایڈیشن نہ مل سکا جس میں [illegible] یہ عبارت درج تھی:

"باغ و بہار، تالیف کیا ہوا [illegible] والے کا، ماخذ اس کا نو طرز

مرصع ... » گلکرائسٹ نے اپنے انگریزی دیباچے میں بھی اس بات کی تشریح کردی تھی۔ بعد کی کاروباری اشاعتوں میں بعض دوسری عبارتوں کے ساتھ یہ عبارت بھی غائب ہوگئی اور مولوی صاحب کی اس غلط فہمی کی بنیاد بنی جس کے سبب انہوں نے اپنے ۳۲ صفحے کے مقدمہ میں ۱۸ صفحے محض یہ ثابت کرنے کے لئے لکھے ہیں کہ: « باغ و بہار، ماخذ اس کا نو طرز مرصع » البتہ مقدمہ کے بقیہ حصے میں باغ و بہار کا اسلوب، اور کتاب کی اہمیت کے بارے میں بعض مفید مطالب بیان ہوگئے ہیں۔

۱۳ـ۱۸۱۱ء میں لیوس فرڈیننڈ اسمتھ نے « باغ و بہار » کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ میرے پیش نظر اس ترجمہ کا جو نسخہ ہے وہ ۲۳٤+۹+٤ صفحات پر مشتمل کلکتہ سے ۱۸٤۵ء میں شائع ہوا ہے۔ مترجم کا پیش لفظ، کتاب کا سرورق اور انتساب کی عبارت میں بعینہ درج کررہا ہوں، اور ان کے بعد میرامن کا وہ ابتدائیہ بھی جو بعد کے ایڈیشنوں سے نکال دیا گیا۔ اسی ابتدائیہ میں میرامن کی عرضداشت بھی شامل ہے جسے عبد الحق ایڈیشن میں برقرار رکھا گیا ہے۔

سر ورق کی عبارت:

THE TALE OF THE FOUR DARWESH
Translated from the Oordoo tongue
of
Meer Ummun of Dhailee
by Lewis Ferdinand Smith
late Secretary of His Majesty's Embassy to the Court of Persia.

With Notes by the translators, illustrative of the Manners,
Customs, and Ideas of the Natives of India

We act to please, and not for public fame
Our wish confess'd, we cannot miss our aim.
E.F. Smith's Fug Pieces

Calcutta.
Sold at the New China Bazar Library, No. 31,
1845.

انتساب کی عبارت :

To the High Honourable Gilbert Lord Minto, Govern
General etc. etc. etc.

This translation is most humbly and respectfully dedicat
with permission by your Lordship's most obedient and hum
servant, the translator.

Calcutta
The Ist Aug. 18

مترجم کا دیباچہ :

PREFACE

by the translator

I undertook this Translation to beguile the tediousness
time in India, which must weigh heavy on every active mind th
is not dedicated to official duties or literary pursuits. The wc
itself is the best and the most correct that has been composed
the Oordoo language which is both dulcet and elegant, and whi
was little known to Europeans until the zeal, labour and talen
of Mr. Gilchrist opened to us a perfect path to acquire
Moreover the *Bag O Buhar* is a classical work in the College
Fort William; it highly deserves it's distinguished fate, as it co
tains various modes of expression in correct language; it displa
a great variety of Eastern manners and modes of thinking, ar
it is an excellent introduction not only to the colloquial style
Hindoostan, but to a knowledge of it's various idioms. The T
itself is interesting, if we keep in our minds the previous ide
that no Asiatic writer of Romance of History was ever consi
tent, or free from fabulous credulity; the cautious march of u
deviating truth, and a careful regard to *vraisemblance* nev
enters into their plan; widness of imagination, fabulous machi
ery, and unnatural scenes ever pervade through the compo
tions of every Oriental Author: even their most serious works
History and Ethics are stained with these imperfections. But
the Arabian Night Tales, the grand prototype of all Asiat
Romances, have these imperfections, and are still read with u
diminished pleasure, I hope my friend Meer Ummun m
raise a smile, or exhilarate a languid hour. He will likewise in
truct those who wish to view the *outre* pictures of Eastern ma

ners; his Genii and Demons, his Fairies and his Angels, formed parts of his religious creed; he believed in their existence on the faith of the *Qoran*; and as Mahomedans are much more superstitiously attached to their Religion than we are to our's, we ought not to be surprised at their credulity.

I have rendered the Translation as literal as possible, consistent with the comprehension of the author's meaning; this may be considered by some a slavish, dull compliance; but in my humble opinion we ought to display the author's thoughts and ideas; all we are permitted to do is to change their dress. This mode has one superior advantage which may compensate for it's seeming dullness: we acquire an insight into the modes of thinking and action of the people, whose works we pursue through the medium of a literal translation, and great conclusions may be drawn from this insight. When an Asiatic moralist applauds untruth which has mercy for it's object, we perceive at once their imperfect ideas of morals; when he talks of the seven heavens we smile at his ignorance, and regret his superstition; for he says no more than his *Qoran* inculcates, and when he teaches prostration before kings and princes, as the criterion of *bienseance*, we lament the slavery under which Asia has groaned. But when he recommends the fifth of one's income to be appropriated to charity, as an indispensible and religious duty; when he reprobates the smallest interest on money, we must admire his principles, though we may not feel inclined to follow his precepts. Moreover, as I intended this Translation for the student, who wishes to acquire the Oordoo tongue with the help of Meer Ummun, I have made it nearly literal, and preserved the original construction as far as possible, to facilitate the attainment of that useful if not elegant language. I might have made the Tale a pleasing Romance, which even Ladies could read in their languid moments, but I have formed it for the mere student and sacrificed the *dulce* to the *utile*.

The memorable saying of the immortal Clive would be a bad precept in these days; he never knew the language of India; when asked why he never learnt it, he replied, "Why, if I had, I should not have conquered India; the black knaves would have led me astray by their cunning advice; but as I never understood

them, I was never misled by them." This might be true in sub
duing India; but India can never be retained, if the Civil and
Military servants of the Company do not understand *Hindoosta
nee*; a tongue which is understood from *Hudwar* to Cape Como
rin, and from *Lahore* to Chittagong. The ignorance of the
language, guided by rashness and folly may one day kindle
flame in India amongst the Native Troops; which the blood o
all the Europeans in the country would not extinguish. Look
the momentous period of the massacre at Vellore. The relig
ous rites and the peculiar customs of the *Hindoos* who compo
the vast majority in the population of our Eastern possessions
must be understood and tolerated, from their pertinacious ad
herence to them; they cannot be known without knowing the
language.

Some of the Notes will be superfluous to the Orient
Scholar who has been in India; but in this case I think it bette
to be redundant than risk the chance of being deficient. More
over as the book may be perused by the Curious in Europe
many of whom know nothing of India except having seen it i
the map of the world, these notes were absolutely necessary
understand the work. As I am no poet, I have translated th
pieces of poetry, which are interspersed in original, into humb
and modulated prose.

Calcutta, Ist September, 18.

POSTSCRIPT

Since writing the above, I am happy to find that all th
copies of the Chuhar Durwesh in the Oordoo language, tha
were printed, have been sold, and that *Ghulam Ukbur*, an inte
ligent *Moonshee*, attached to the College of Fort William, ha
given the Public a second Edition of that useful work, which
would recommend to all those who wish to acquire the pure an
correct *Hindoostanee*. I beg to conclude by offering my grate
ful thanks to Captain Thomas Roebuck, Sub Secretary and Exa
miner of *Hindoostanee*, in the College of Fort William, and
Ensign Graves Chamney Haughton, a student in the same C
lege, for the kind assistance they have offered me in th
Translation.

THE PROEM

In the name of God, most merciful

The *Bagh O Buhar*, compiled (for the use of the most excellent of Great Nobles, Privy Counsellor to the mighty King of England, the Marquis Wellesley, Governor General, may he ever be great in dignity, who is the Protector and Patron of the College of Fort William) by *Meer Ummun* of Dhailee from the *Nouturz Morussa,* which was translated by *Utah Houssain Khan,* from the Persian Tale of the Four Durwesh, at the desire of Mr. John Gilchrist, may he ever be great.

Verse by Sauda[1]

The water, with which I have purified my style,
Is dulcet, and superior in lustre to the water of the Pearl,
My pen says that sweetness of expression,
Is a quality, which flows spontaneous from my tongue.
Sauda now has done, and prays O pen,
That your friends may be happy, and your enemies confounded.

COPY OF THE PETITION WHICH WAS PRESERVED TO THE GENERAL MANAGERS OF THE COLLEGE OF FORT WILLIAM.

God preserve the gentlemen of great dignity, and the appreciators of respectable men. The exile from his country, on hearing the proclamation,[2] hath composed, with great labour and pain, the *Bagh O Buhar,* in *Oordoo Moulla* tongue,[3] from the Persian Tale of the Four Durwesh. By the grace of God it has revived from the presence[4] of the gentlemen of the College.

---

(1) Commonly called Meer Ruffee oos Sauda, the most celebrated poet of *Hindostan,* especially in the *Oordoo* language, that language which has been so correctly displayed to us by Mr. John Gilchrist; and which was scarcely known, and imperfectly studied, before he taught us to appreciate it's merits and acquire it's construction.

(2) The proclamation of Marquis Wellesley, after the formation of the College of Fort William; encouraging the pursuit of Oriental literature, translations, etc.

(3) Meer Ummun himself explains the derivation of these words, in his preface, and we cannot appeal to a better authority.

(4) Alluding to the name of this book, *Bagh O Buhar,* i.e. The garden and spring; which may be better called, the garden of spring, and it is the name I have adopted throughout the work instead of literal name which was only chosen that the Persian letters composing the words *Bagh O Buhar,* might by their numerical powers amount to 1217, the year of the Hegirah the book was finished.

I now hope I may reap some fruits from it; then the bud of m heart will expand like a flower, as *Hakim Firdosee*[1] has said c himself in the *Shahnama*.

"Many sorrows I have borne for thirty years:
"But I have revived Persia by this Persian History".

So I have likewise polished the *Oordoo* tongue. I ha metamorphosed *Bengal* into *Hindustan*,[2] You gentlemen ca judge. There is no occasion for me to say anything. O Goc may the star of their prosperity ever shine. The Petition c *Meer Ummun* of *Dhailee*.

جمے کی نوعیت کا اندازہ لگانے کے لئے میں وہ اصل اردو عرضداشت بھی یہاں
ل کیے دیتا ہوں:

عرضی میرامن دلی والے کی، جو مدرسے کے مختار کار
صاحبوں کے حضور میں دی گئی

صاحبان والا شان نجیبوں کے قدردان کو خدا سلامت رکھے۔ اس بے وطن
، حکم اشتہار کا سن کر چہار درویش کے قصے کو ہزار جد و کد سے اردوئے معلی
ں زبان میں باغ و بہار بنایا۔ فضل الٰہی سے سب صاحبوں کے سیر کرنے کے باعث
ر سبز ہوا۔ اب امیدوار ہوں کہ اس کا پھل بھی ملے، تو میرا غنچۂ دل مانند گل کھلے۔
ول حکیم فردوسی کے کہ شاہنامے میں کہا ہے،

بسے رنج بردم دریں سال سی　　　عجم زندہ کردم بہ این پارسی
سو اردو کی آراستہ کر زبان　　　کیا میں نے بنگالا ہندوستان

داوند آپ قدردان ہیں، حاجت عرض کرنیکی نہیں۔ الٰہی تارا اقبال کا چمکتا رہے۔

(عبد الحق ایڈیشن)

1 Hakim Firdosee, the celebrated poet of Persia, who wrote the History of Persia verse, the sublime Shahnama—he is justly called the Homer of Persia. See Herbelot, B Orien.

2 That is to say, he has introduced the elegance and correctness of the Oordoo language i Bengal. In fact very few of the best instructed Bengalees would be understood at Agra a Dhailee, if they spoke, even what they call, the Hindostanee; and those two cities the best cities to acquire the real Oordoo in perfection; there the inhabitants speak it only correctly but elegantly.

نصیر الدین ہاشمی، حیدرآباد

کتب خانہ نواب سالار جنگ کے اردو مطبوعات کا ایک جائزہ

نواب سالار جنگ کے کتب خانہ میں اردو مطبوعات کا بھی خاصا ذخیرہ ہے چنانچہ (٨٨٦٩) کتابیں ہیں ان کتابوں کو شعبہ وار اور فن وار کرکے مرتب کرایا گیا ہے اور فہرست بھی ترتیب پاچکی ہے۔ ترتیب فہرست میں اگرچہ ڈیوی کے اصول کی پابندی کی گئی ہے مگر کسی قدر تبدیلی بھی کردی گئی ہے۔ حسب ذیل دس شعبوں میں یہ کتابیں منقسم ہیں (١) اسلامیات (٢) مذاہب (٣) فلسفہ (٤) سائنس (٥) کارآمد فنون (٦) اجتماعیات (٧) لسانیات (٨) ادبیات (٩) تاریخ و سوانح (١٠) محولات۔

ان دس شعبوں کو پھر ذیلی ٨٠ فنون پر تقسیم کیا گیا ہے اولاً ایک تختہ پیش کیا جاتا ہے اس سے فنون کے اسماء کتابوں کی تعداد اور اس فن کی سب سے پہلی کتاب جو اس کتب خانہ میں موجود ہے کی وضاحت ہوگی۔

شمار	صراحت فن	تعداد کتب	اس فن کی پہلی کتاب جو اس کتبخانہ میں ہے	سنہ طباعت	مطبع
	اسلامیات				
١	تجوید و علوم قرآن	٢٦	مجموعة القراءات قاضی فتح محمد	١٢٩٢ھ	مطبع حیدری بمبئی
٢	تفسیر و ترجمہ قرآن	١٤٨	توضیح مجید سید علی نقوی ٧ جلد	١٢٥٣ھ	»
٣	حدیث	٣٣	احادیث الحبیب عنایت احمد	١٢٧٧ھ	نظامی کانپور
٤	فقہ و عقائد امامیہ	١١٧	اعتقادات حسینیہ محمد رضا	١٢٦٤ھ	مطبع جعفریہ دہلی

فقه و عقائد اہل سنت	۲۶۸	ہدایت الاسلام امانت اللہ	۱۲۴۰ھ	مطبع ہدایت اللہ
مناظرہ و کلام	۵۴۲	نصیحۃ المسلمین خرم علی	۱۲۶۰ھ	مطبع محمدی لکھنؤ
ادعیہ	۶۴	جامع الاثار سیف اللہ قادری	۱۳۰۸ھ	مطبع غوثیہ مدراس
تصوف	۱۲۲	پنچھی باجا وجہ الدین وجہی	۱۲۴۵ء	مطبع محمدی مدراس

مذاہب

	عیسائیت	۳۶	کتاب مقدس جلد اول	۱۸۴۲ء	بائبل پریس کلکتہ
۱	ہندو مذہب	۳	ویدوں کی ابتداء عبد الواحد	ما بعد ۱۹۰۰ء	انڈین پریس لاہور
۱	سکھ مذہب	۵	سکھ اور مسلمان شیخ محمد یوسف	۱۹۲۶ء	روز بازار پریس
۱	مذہب زردشت	۱	جاماسب نامہ محمد ابو احدی	۱۹۲۰ء	"

فلسفہ

۱	فلسفہ عمومی	۳۰	مراۃ العقل کلیان راے	۱۸۷۲ء	مطبع صاعی میرٹھ
۱	فلسفہ قدیم	۷۱	نسخہ عقل و شعور سید نظام الدین	۱۸۶۹ء	" رتن پرکاش
۱	فلسفہ جدید	۲۲	اخلاق انسانیہ سید عبد الغنی	۱۹۰۶ء	" شمسی آگرہ
۱	نفسیات	۳۰	اصول سودمندی مہدی حسن	۱۳۰۳ھ	" معین دکن حیدر آباد
۱	منطق	۱۶	مبادی الحکمت نذیر احمد	۱۸۷۱ء	" نظامی کانپور

۱۸	ادب و اخلاق	۱۶۰	پنجاب ہندی	۱۸۱۸ء	لندن
۱۹	رمل نجوم جفر وغیرہ	٤٤	تحفۃ العالمین تفضل علی	۱۲۷۵ھ	مطبع بری بالنکور بمبئی

سائینس

۲۰	طبعیات	۷۰	سنہ شمسیہ دار الترجمہ شمس الامراء	۱۲۵۶ھ	سنگی چھاپے خانہ شمس الامراء
۲۱	ریاض و انجینیرنگ	۵۳	اصول علم حساب شمس الامراء	۱۲۵۲ھ	«
۲۲	کیمیا	۲۱	رسالہ موتی چونکانے کا	۱۲۵۱ھ	«
۲۳	ہیئت	۲۱	رسالہ نجوم	۱۸۳۶ء	کلکتہ
۲٤	معدنیات	٤	طبقات الارض مرزا مہدی خان	۱۹۱۶ء	الناظر پریس لکھنؤ

کارآمد فنون

۲۵	قانون	۳۱۸	اصول قواعد اخلاق و قوانین از پنڈت رام کرشن	۱۸٤۳ء	اردو اخبار پریس دہلی
۲۶	طب ڈاکٹر و یونانی	۲٤۶	خلاصہ طب اور میٹریا مڈیکا مترجم منشی حسینی	۱۸۵۳ء	سکندرہ کے یتیموں کے چھاپے خانہ میں
۲۷	طب حیوانات	۳۱	فراست نامہ مع فرس نامہ. سعادت یار خان امین	۱۲۶۹ھ	سلطان المطابع لکھنؤ
۲۸	زراعت و فلاحت	۶۶	دولت ہند	۱۲۶۶ھ	مطبع مصطفائی دہلی
۲۹	مصوری آرٹ نقاشی	۶	گلدستہ مصوری راجیشور راؤ	۱۸۹۲ء	« سہلی دکن حیدر آباد
۳۰	دومستک سائنس	۳	مطبخ یوسفی محمد یعقوب علی	۱۳۵۲ھ	تاج پریس حیدر آباد
۳۱	شطرنج	۲	غنچہ نشاط بلاقی داس	۱۹۰۰ء	میور پریس لکھنو

٣٦	صنعت و حرفت	٢	کلید صنعت و حرفت حاکم الدین۔	١٨٩٩ء	خادم التعلیم پریس لاہور

اجتماعیات

٣٢	سیاست	١٤١	کانفرنس راول پنڈی احمد شفیع	١٨٨٨ء	—
٣٤	معاشیات	٤٣	اصول پولٹی کل اکونومی وزیر علی	١٨٤٢ء	دہلی اردو اخبار پریس
٣٤	عمرانیات	١١	رسالہ علم انتظام مدن محمد منصور شاہ خان ما بعد	١٩٠٠ء	مطبع مرتضوی دہلی
٣٠	موسیقی	٥	سنی واجد علی شاہ	١٢٦٥ھ	مطبع سلطان کلکتہ
٣١	معاشرت	١٦	مذمت فضول خرچی رسومات شادی ہندوں کے بابوابشری داس	١٨٦٤ء	مطبع صدیقی بریلی
٣٨	شکار	٤	سیر پرند ـ ملک قطب الدین	١٨٩٧ء	پنجاب پریس سیالکوٹ
٣٩	نسوانیات	٥٠	سراج الہدایت عقیل النسا بیگم	١٨٦٨ء	مطبع سلطانی لاہور

لسانیات

٤٠	لغت	١٠١	شمس البیان مرزا جان تپش	١٢٦٥ھ	مطبع آفتاب عالمتاب مرشدآباد
٤١	صرف و نحو	٧٦	رسالہ قواعد اردو	١٨٤٩ء	مطبع العلوم دہلی
٤١	عروس بلاغت	١٥٣	ارشادخاقانی حکیم اختر واجد علی شاہ	١٢٦٩ھ	مطبع سلطانی

موضوع	کتاب	سنہ و مطبع
٤٣ لسانیات	١١ سخن دان فارس محمد حسین آزاد	١٨٩٨ء مطبع رفاہ عام لاہور
٤٤ رسم الخط	١٧ ارژنگ چین دیبی پرشاد	١٨٧٥ء مطبع نظامی کانپور
ادبیات		
٤٥ کلیات	٧١٦ نگارستان عشق مہدی حسین خان	١٢٥٢ھ مطبع مرتضوی
٤٦ مجموعہ کلام	٩٣ منتخب الاشعار	١٢٧٣ھ بمبئی
٤٧ مذہبی قصے	٢١ ترجمہ طاہرہ عجائب الفیض محمد فخرالدین حسین	١٨٤٩ء مطبع سلطانی دہلی
٤٨ مصائب و مناقب اہل بیت	١٧٧ تقریر الشہادتین شاہ سلامت اللہ	١٢٦١ھ مطبع انصاری
٤٩ مراثی	٨٥ مرقع غم محمد رضا خان	١٨٥٥ء مطبع ثانی نولکشور
٥٠ منظوم افسانے	٨١ قصے یوسف زلیخا	١٢٤٧ھ مطبع حیدری بمبئی
٥١ نثری طویل افسانے	١٢٢ گل باصنوبر نیم چند	١٨٣٦ھ کلکتہ
٥٢ ناول	٤٥٧ بنات النعش نذیر احمد	١٨٨٥ء نول کشور پریس لکھنو
٥٣ مختصر افسانے	٧٦ قصص الاسلام یس۔ یم حمید	١٩٠٠ء حالی پریس پانی پت
٥٤ ادبی مقالات	٩٢ نگارستان عشق مہدی حسین خان	١٢٥٢ھ مطبع مرتضوی
٥٥ ڈرامہ	٥٢ شہید وفا محمد عبد الحلیم شرر	١٨٩٠ء دلگداز پریس لکھنؤ

٥٦	مزاح طنز	٣٢	اللطائف والظرائف	١٢٦٥ھ	مطبع مصطفائی دہلی
٥٧	تاریخ ادبیات	٥٦	آب حیات محمد حسین آزاد	١٨٨٠ء	وکٹوریہ پریس لاہور
٥٨	تنقید ادب	٥٦	یادگار غالب مولانا حالی	١٨٩٧ء	نامی پریس کانپور
٥٩	انشاء و مکتوبات	٥٥	اردو معلیٰ غالب	١٨٦٩ء	اکمل المطابع دہلی
٦٠	شرح کلام	٢١	شرح ہفت بند کاشی حیدر مرزا	١٢٩٣ھ	مطبع اثنا عشر لکھنؤ
٦١	لکچر و خطبات	١٠١	سر بیل گریفن کے لکچر کا جواب، محسن الملک	١٨٨٩ء	دار الطبع حیدر آباد
٦٢	ادب اطفال	٦٣	ہندوستانی، دوسری کتاب، سید عبد الفتاح	١٨٦٧ء	ایڈورڈ کیشن چھاپے خانہ

تاریخ

٦٣	تاریخ عمومی	٣٩	نظم الممالک محمد اسمعیل	١٨٧٥ء	مطبع نولکشور لکھنؤ
٦٤	تاریخ اسلام	٣١٤	تاریخ جدولیہ خادم علی	١٨٧١ء	" "
٦٥	تاریخ دکن	٢٠٤	حملات حیدری محمد سلطان	١٨٤٩ء	مطبع طبی
٦٦	تاریخ ہند	٢٥٨	آرایش محفل شیر علی افسوس	١٩٤٨ء	مطبع طامس کلکتہ
٦٧	تاریخ ممالک ایشیا	٦٠	تاریخ ممالک چین چیمبر کارکون	١٨٤٨ء	"
٦٨	تاریخ ممالک یورپ	١٠١	لب التواریخ متقدمین عبد المجید	١٨٣٩ء	مطبع چرچ مشن کلکتہ
	تاریخ ممالک افریقہ	٢٧	مصر کی قدیم تاریخ سینٹفک سوسائٹی	١٨٦٤ء	گورنمنٹ پریس

۷۰ سیرۃ النبی صلعم	۱۲۵ احیاء القلوب عبد الجلیل	۱۲۶۱ھ	مطبع رحمانی بمبئی
۷۱ سوانح عمری	۵۰۸ تذکرۃ المشاہیر سدا سکھ لال	۱۸۶۰ء	" نورالابصار لکھنؤ
۷۲ ادبی سوانح عمری	۱۰۶ حیات سعدی مولانا حالی	۱۸۸۶ء	" انصاری دہلی
۷۳ تذکرہ	۹۴ سراپا سخن سید محسن علی	۱۸۶۰ء	" نولکشور لکھنؤ
۷۴ جغرافیہ	۲۲ حیات نما، کیپٹن محمد مہدی خان	۱۲۷۳ھ	" احمدی
۷۵ سفر نامہ	۱۳۱ سیر پنجاب رائے کالی رائے	۱۸۷۳ء	" نولکشور لکھنؤ

محولات

۷۶ رپورٹ	۱۷۶ رویداد نمبر ۱۹ سینٹفک سوسائٹی	۱۸۶۷ء	" انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ
۷۷ جنتری تقویم	۱۲۳ بڑی جنتری سنہ ۱۸۹۵ء محمد رحمت اللہ	۱۸۹۵ء	نامی پریس کانپور
۷۸ فہرست کتبخانہ جات وغیرہ	۹۰ فہرست کتبخانہ اصفیہ	۱۹۰۰ء	مطبع شمس حیدر آباد
۷۹ علمی و ادبی رسالہ	۷۴ مخزن الفوائد عماد الملک سید حسن بلگرامی	۱۲۹۲ھ	" متین دکن
۸۰ اخبارات	۱۴۹ اخبار اودھ پنچ سجاد حسین	۱۸۷۷ء	شام اودھ

اس فہرست سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ کتب خانہ میں کس قدر ذخیرہ ہے اور ہر فن کی کونسی قدیم کتاب ہے۔ اس کے بعد چند فنوں کے متعلق

سی قدر مزید وضاحت کی جاتی ہے تاکہ شائقین کو معلومات ہوسکیں

ایک اور امر قابل تذکرہ ہے کہ ان کتابوں کو دیکھنے سے واضح ہوتا ہے که جنوبی ہند میں حیدر آباد، بمبئی. مدراس، بنگلور سے زیادہ کتابیں شائع ہوئی ہیں اور شمالی ہند میں دہلی، لکھنؤ، آگرہ، کانپور، علی گڈھ کے مطبعوں سے زیادہ کتابیں متعلق ہیں، پنجاب میں لاہور اور امرتسر پیش پیش ہیں. ان کے علاوہ کلکته ور بعض دوسرے شہر کے مطابع بھی ہیں جہاں سے اردو کتابیں شائع ہوتی تھیں گر ان کی تعداد کم ہے.

تجوید: تجوید کی (۲۶) کتابیں ہیں ان میں سب سے قدیم کتاب کا تذکرہ ہرست ما قبل میں ہوچکا ہے.

اس کے علاوہ بعض اور کتابیں بھی قابل تذکرہ ہیں مثلاً:

اعجاز التنزیل، مصنف سید محمد حسین جو اخبار نیر اعظم میں ۱۸۸۹ء میں طبع ہوئی ہے.

آداب القران، محمد اشرف عالم، مطبع نظامی کانپور سنه ۱۳۰۲ ھ.

ترجمه اور تفسیر قرآن: اس فن کی کئی کتابیں ایسی ہیں جو مطبوعه ہونے کے باوجود اب نایاب ہیں. رؤف احمد مجددی کی تفسیر. شاه عبد القادر دہلوی، شاه عبد العزیز دہلوی کی تفسیروں کے علاوه سید محمد صدیق حسن خان صاحب کا ترجمان القرآن مولانا سید احمد حسین کی احسن التفاسیر. سر سید احمد خان کی تفسیر کتب خانه میں موجود ہے. کئی کتابیں ٹائپ کے حروف میں طبع ہوئی ہیں اس سے یه واضح ہوتا ہے که ہندوستان میں اولاً ٹائپ کی طباعت ہوتی تھی.

حدیث: اس فن کی (۴۳) کتابیں ہیں قدیم کتاب کے قطع نظر کئی اور کتابیں قابل تذکرہ ہیں مثلاً

۱ تذکرہ قادریه، محمد عبد القادر، مطبع رحمانی حیدر آباد سنه ۱۲۸۶ ھ

۲ کتاب بلوغ المرام، سید بہادر علی، مطبع احمدی سنه ۱۲۹۲ ھ

۳ ظفر جلیل، سید بہادر علی، مطبع بدر الدجیٰ سنه ۱۸۷۱ء

یه بہادر علی وہ ہیں جو فورٹ ولیم کالج کلکته کے دار الترجمه میں شامل

تھے. مولوی وحید الزمان نے حدیث کی کئی ضخیم کتابوں کا ترجمہ کیا ان کے کئی ترجمے یہاں موجود ہیں.

فقه امامیه : اس عنوان کی (۱۱۷) کتابیں ہیں کئی کتابیں قدیم ہیں. مثلاً

۱ تحفه حامدی، سید مرتضیٰ، مطبع نظامی سنه ۱۲۹۹ ھ
۲ تحفة الغافلین، سید حسین، مطبع یوسفی دہلی سنه ۱۳۹۸ ھ
۳ تحفه احمدیه، سید ابو الحسن، مطبع اثنا عشری سنه ۱۸۸۵ ء
٤ روافع الاحکام، سید محمد صادق، مطبع حیدری سنه ۱۸۹۷ ء

فقه و عقاید اہل سنت : اس فن کی (۲٦۸) کتابیں ہیں. قدیم کتاب کے قطع نظر جس کا تذکرہ کردیا گیا ہے کئی اور کتابیں قابل تذکرہ ہیں مثلاً

۱ احکام طعام اہل کتاب سر سید احمد خان نول کشور سنه ۱۸٦۵ء
۲ آب حیات عبدالغفور مطبع نظامی سنه ۱۳۰۱ ھ
۱ بدرالکمال ابو سعید خان « سنه ۱۲۹۹ ھ
٤ پایه دین غلام نبی مطبع ہدایت مدراس ۱۲۹۳ ھ
۵ ترجمه شرح وقایه وحیدالزمان مطبع نظامی سنه ۱۲۸۵ ھ
٦ تنبیه‌الغافلین عبداللہ ولد بہادر علی سنه ۱۲٤٦ ھ
۷ خلاصه حنفی مذہب مطبع محمدی بمبئی ۱۲٦۵ ھ
۸ رساله ہادی‌الایمان حافظ شجاع الدین مطبع مظہرالحق ۱۲٦۳ ھ

بخوف طوالت اس پر اکتفا کیا جاتا ہے اس فن کی کتابوں سے واضح ہوتا ہے که عقائد اور فقه کا کس قدر عظیم‌الشان ذخیرہ اردو میں منتقل ہوچکا ہے.

مناظرہ و کلام: اس فن کی (٥٤۲) کتابیں کتب خانه میں ہیں قدیم کتاب جس کا تذکرہ فہرست میں کیا گیا ہے اس کے علاوہ کئی اور کتابیں قابل ذکر ہیں. مناظرہ میں نه صرف عیسائی مذہب سے مناظرہ ہوا ہے بلکه ہندوستان کے دوسرے مذاہب اور خود مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے متعلق بھی مناظرے ہوئے ہیں.

نواب صاحب کے کتب خانه میں جن فنون کی کتابیں زیادہ ہیں ان میں مناظرہ اور کلام بھی شامل ہے. حالانکه نواب سالارجنگ کو مناظرہ سے دلچسپی نہیں تھی.

ادعیہ: اس فن کی (٦٤) کتابیں ہیں قدیم کتاب جامع الاثار مصنف سیف اللہ قادری ہے جو مدراس کے مطبع غوثیہ میں سنہ ۱۳۰۸ ھ میں طبع ہوئی ہے۔

ادعیہ میں مختلف اوقات اور مختلف موقعوں پر پڑھنے کے ادعیہ شامل ہیں ان کے علاوہ عملیات بھی ہیں۔

تصوف: تصوف کی (۱۲۲) کتابیں ہیں۔ کتب خانہ کی قدیم کتاب وجدی کی پنچھی باجا ہے جو سنہ ۱۲٤۵ ھ میں مطبع محمدی مدراس میں طبع ہوئی ہے۔

حیدرآباد میں صوفیا کی خاص تعداد ہر زمانہ میں رہی ہے اور حال قال کے چرچے بھی ہوتے رہے ہیں اس لحاظ سے تصوف کی کتابیں بڑی مرتب ہوئی ہیں۔ واب سالار جنگ کو اس فن سے کوئی خاص دلچسپی یا لگاؤ تو نہیں تھا مگر اس کے باوجود فن تصوف کی اردو کتابیں خاصی جمع کی ہیں۔

مذاہب کے تحت عیسائیت، ہندومت، سکھ مذہب اور زرتشت مذہب کی کتابیں ہیں جن کی تعداد ٣٦-٣-٥ اور ایک ہے۔ یعنی عیسائی مذہب کی کتابیں زیادہ ہیں ادریوں نے اردو میں خاصا ذخیرہ فراہم کردیا تھا۔ اس سلسلہ میں سر سید احمدخاں کی کتاب تبیین الکلام فی تفسیر التورات بھی موجود ہے۔ کتاب مقدس کا پہلا حصہ اناعہد نامہ لندن میں سنہ۱۸۸۷ء میں طبع ہوا ہے اور دوسرا حصہ مرزا پور میں سنہ۱۸٦۹ء ا مطبوعہ کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس عنوان کی پہلی کتاب کتاب مقدس جلد ول ہے جو کلکتہ میں سنہ ۱۸٤۲ء میں طبع ہوئی ہے۔

فلسفہ: فلسفہ کے عنوان کو میں نے سات ذیلی عنوانات پر تقسیم کیا ہے یعنی فلسفہ مومی۔ فلسفہ قدیم، فلسفہ جدید۔ نفسیات۔ منطق ادب و اخلاق۔ رمل نجوم عملیات ۔ ایک کی علاحدہ صراحت درج کی جاتی ہے۔

فلسفہ عمومی: اس فن کی (۲۰) کتابیں ہیں اور قدیم کتاب مراۃ العقل مصنفہ کلیان ئے مطبع ضیائی ۱۸۷۲ء اس فن کی زیادہ تر کتابیں سنہ ۱۹۰۰ء کے مابعد ے ہیں۔

فلسفہ قدیم: فلسفہ قدیم کی (۷۱) کتابیں ہیں۔

ر دوسری قابل تذکرہ کتابیں یہ ہیں۔

۱ یورپ اور قرآن مولوی چراغ علی نولکشور لاہور ۱۹۱۰ء

۲ نجم الدین سید نجم الدین مطبع دبدبہ حیدری آگرہ ۱۳۱۱ھ

۳ تہذیب الخصائل ظفر مہدی مطبع عین الفیوض ۱۸۸۵ء
و تہذیب الفضائل

فلسفہ جدید: اس فن کی (۲۲) کتابیں ہیں قدیم کتاب کے قطع نظر دوسری کتابیں سب کی سب سنہ ۱۹۰۰ء کے ما بعد کی مطبوعہ ہیں۔

نفسیات: اس کی صرف (۳۰) کتابیں ہیں اور قدیم کے علاوہ بعض دوسری قابل تذکرہ یہ ہیں۔

۱	اصول سود مندی	مہدی حسن	مطبع مقنن دکن	سنہ ۱۳۰۳ھ
۲	اصلاح حیات	محمد عبدالقادر	"	سنہ ۱۲۰٤ھ
۳	مبادی علم النفس	مرزا محمد ہادی	دارالطبع	سنہ ۱۹۲۲ء
٤	نشاط عمر	بشیر الدین احمد	مطبع شمسی	سنہ ۱۸۱۱ء
۵	الانسان	محمد سجاد مرزا	مطبع اختر دکن	سنہ ۱۹۱۱ء

منطق: اس فن کی صرف (۱٦) کتابیں ہیں قدیم کتاب کے سوا المنطق علیم الدین محمد کی مصنفہ سنہ ۱۳۱۵ھ میں طبع ہوئی ہے۔

ادب و اخلاق: اس فن کی (۱٦۰) کتابیں ہیں ان میں سے سب سے قدیم کتاب منتخبات ہندی ہے جان شکسپیر لندن، سنہ ۱۸۱۸ء۔ یہی کتاب نواب صاحب کے کتب خانہ میں پہلی مطبوعہ کتاب ہے۔ اس کا دوسرا نسخہ بھی ہے جو سنہ ۱۸٤٦ء میں لندن میں طبع ہوا ہے۔ اس کتاب سے متعلق میرا ایک تفصیلی مضمون اخبار قومی زبان کراچی میں شائع ہوا ہے (یکم جولائی سنہ ۱۹۵۸ء) بعض دوسری قابل تذکرہ کتابیں یہ ہیں۔

۱	احسن المواعظ	راجہ کالی کشن	مطبع کالی کشن کلکتہ	سنہ ۱۸۳٦ء
۲	اخلاق ہندی	عبداللہ	مطبع طبی کلکتہ	سنہ ۱۸٤۷ھ
۳	اخوان الصفا	اکرام علی	مطبع معدن فیض آگرہ	سنہ ۱۲٦۱ء
٤	اخلاق ہندی	مفتی تاج الدین	مطبع حیدری بمبئی	سنہ ۱۸۷۵ء

۵	سرکاری مدرسوں کے لئے تیسری کتاب	سید عبدالفتاح	گورنمنٹ پریس ۱۸۷۹ء
٦	ثمرۃالفوائد	سید مرتضی	مطبع احمدی مدراس سنہ ۱۲٦۲ ھ
۷	کلید دانش	سید عبدالفتاح	مطبع حیدری بمبئی ۱۲۸۵ ھ
۸	گنج خوبی	سید عبداللہ	چھاپے خانہ احمدی کلکتہ ۱۸٤٦ء
۹	گلستاں ہندی باغ اردو		مطبع محمدی بمبئی سنہ ۱۲٦۲ ھ

رمل نجوم : اس فن کی (٤٤) کتابیں ہیں قدیم کتاب کے علاوہ بعض دوسری بل تذکرہ کتابیں یہ ہیں

۱	تقریرالنجوم	ہری کشن پنڈت	مطبع محبوب شاہی سنہ ۱۳۰۰ ھ
۲	دلدارالرمل	میر غلام حسین	مطبع مظہرالعلوم لکھنو سنہ ۱۸۹۲ء
۳	کاشف الاسرار غیب	قاضی محمد حسین	ماہور پریس سنہ ۱۸۹٦ء

سائنس : شعبہ سائنس کی کتابیں پانچ شعبوں میں تقسیم کی گئی ہیں یعنی طبیعیات یاضی. انجنیرینگ. ہیئت اور معدنیات. سائنس کے دیگر شعبوں کی کتابیں اس کتب خانہ یں موجود نہیں ہیں .

طبیعیات : شعبہ طبیعیات کی کتابوں میں دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ کے لع نظر کئی قدیم مطبوعات کتب خانہ کی زینت ہیں چنانچہ علی گڈھ کی سینٹفک وسائٹی کی مطبوعہ طبیعیات کی کتابیں اور دہلی کالج کا رسالہ اصول علم طبیعی و سنہ ۱۸٤۲ء میں شائع ہوا ہے موجود ہیں. شمس الامرا کے دار الترجمہ کی طبوعات بھی یہاں ہیں .

ریاضی : ریاضی کے شعبہ میں اگرچہ زیادہ کتابیں نہیں ہیں مگر کئی کتابیں سی ہیں جو سنہ ۱۹۰۰ء کے قبل کی مطبوعہ ہیں مثلاً راے منشی رام پرشاد کی حزیر اقلیدس جو سنہ ۱۸۷۲ء میں طبع ہوئی ہے . رسالہ علم حساب سید محمد ذلگر

کا مصنفہ، مدراس میں سنہ ۱۸۵۳ء میں طبع ہوا ہے، رسالہ مساحت مستعمل اجودھیا پرشاد کا مولفہ دہلی اردو اخبار پریس میں سنہ ۱۸٤٤ء میں طبع ہوا ہے رسالجات حساب نمبر ٦ منو لال اور شادی لعل کے مصنفہ سنہ ۱۸۵٦ء میں طبع ہوئے ہیں۔

کیمیا: فن کیمیا کی صرف (۲٦) کتابیں ہیں اور قدیم کتاب۔ رسالہ موتی چونکانے کا۔ دار الترجمہ شمس الامرا، سنگی چھاپے خانہ ۱۲۵۱ھ۔ اس شعبہ کی بعض دوسری قابل تذکرہ کتابیں بھی ہیں مثلاً

۱ علم کیمیا گری، مکند لال، مطبع مفید خلایق آگرہ ۱۸۷٦ء
۲ رسالہ علم کیمیا کا بیان، کلکتہ ۱۸۳۹ء
۳ رسالہ کیمیا، آگرہ مڈیکل پریس ۱۸۸۳ء

ہیئت: اس فن کی (۲۱) کتابیں ہیں اور قدیم کتاب
۱ رسالہ نجوم، کلکتہ سنہ ۱۸۳٦ء ہے
اور بعض دوسری قابل ذکر کتابیں یہ ہیں۔
۲ علم ہیئت کا رسالہ، بالفور، مطبع کشاف کلیہ ۱۸۵۸ء
۳ مختصر احوال نظام شمسی، مطبع گری گروبہم ۱۸٤۰ء
٤ مفتاح الافلاک، مریم و عبد السلام، کلکتہ دار الامارت ۱۸۳۹ء

معدنیات: اس فن کی کتاب طبقات الارض ہے اس کے چار نسخے ہیں یہ کتاب مرزا مہدی خان کوکب کی مولفہ ہے اور لکھنؤ میں سنہ ۱۹۱٦ء میں طبع ہوئی ہے۔

شعبہ کارآمد فنون کو کتب خانہ کے ذخیرہ کے مدنظر آٹھ فنون میں تقسیم کیا گیا ہے، یعنی قانون، طب، طب حیوانات، زراعت و فلاحت، مصوری آرٹ نقاشی، ڈومسٹک سائنس، شطرنج اور صنعت و حرفت۔

قانون: قانون کی اصطلاحات وغیرہ اردو میں منتقل کرنا دشوار ہے مگر اردو کے ذخیرہ سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ انگریزوں کے دور کے آغاز ہی سے اردو میں قانون کی کتابیں مرتب ہوتی رہی ہیں۔ چنانچہ ترجمہ سرکلر نمبر ٦۹ سنہ ۱۸٤۳ء میں مطبع کوہ نور لاہور سے شائع ہوا ہے۔ خلاصہ خدمات مجسٹریٹ مصنفہ حافظ صدر الاسلام خان سنہ ۱۸۵۱ء میں مطبع اعظم الاخبار مدراس

سے شائع ہوا ہے ۔ دیوانی قوانین مولفہ سید شاہ علی مطبع خورشید مدراس سے سنہ ۱۸۵٤ ء میں شائع ہوئی ہے ۔ دستور العمل اسٹامپ مولفہ پنڈت موتی لال سنہ ۱۸۵۰ ء میں مطبع کوہ نور لاہور سے شائع ہوا ہے ۔ اس کے علاوہ جنگ آزادی سنہ ۵۷ ء سے پہلے کی مطبوعہ کئی کتابیں موجود ہیں ان کا تذکرہ موجب طوالت ہے ۔

طب : اگرچہ طب یونانی اور طب ڈاکٹری کی کتابیں علحدہ علحدہ رکھی جاسکتی تھیں مگر کئی ایک کتابیں ایسی ہیں جن میں طب یونانی کے ساتھ ساتھ ڈاکٹری کا بھی تذکرہ ہے اس لئے مناسب تصور کیا گیا کہ طب کے عنوان میں دونوں اقسام کی کتابیں رکھی جائیں ۔ جس طرح قانون کی اصطلاحات کے متعلق زبان کی دشواریاں بتائی جاتی ہیں ۔اسی طرح ڈاکٹری کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ اردو میں منتقل کرنا دشوار ہے ۔ حیدر آباد میں سنہ ۱۸۵٤ ء سے ڈاکٹری کی تعلیم کا انتظام ہوا تھا ۔ اور اردو میں ڈاکٹری کی تعلیم ہوتی تھی انگریز ڈاکٹر بھی اردو میں تعلیم دیا کرتے تھے ۔ بہرحال طب یونانی کے قطع نظر ڈاکٹری کی کئی کتابیں قابل تذکرہ ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ کیا جاتا ہے ۔

شمار	نام کتاب	مصنف	سنہ طباعت	نام مطبع
	اصول طبابت	ڈاکٹر سید باقر علی	۱۸٦۰ء	اسکاٹس پریس مدراس
	رسالہ کفایت العلاج	ولیم میکزین	۱۸٦۲ء	مطبع شمس الامرا
۱	مفید الاجسام	سید فضل علی	۱۸٦۲ء	مطبع مرتضوی کلکتہ
	معین الجراحین	محمد نصیر الدین	۱۸٤٦ء	مطبع بشپ کالج

ان کے علاوہ کئی اور کتابیں ہیں جو ڈاکٹری سے متعلق ہیں ان کتابوں میں نہایت تفصیل کے ساتھ تمام فنی امور کا تذکرہ ہوا ہے ۔ اور یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ڈاکٹری کے لئے فنی اصطلاحات کی دشواری نہیں تھی ۔

طب حیوانات: اس فن کی (۳۱) کتابیں ہیں ۔

سعادت یار خان رنگین کی کتاب فراست نامہ جو فرس نامہ سے موسوم ہے اس فن کی پہلی کتاب ہے ۔

زینت الخیل بھی ایک نایاب کتاب ہے ۔ محمد مہدی حسین کی لکھی ہوئی

سنہ ۱۸۵۳ء میں طبع ہوئی ہے اس کا دوسرا نسخہ مطبع نول کشور میں سنہ ۱۸۹۶ء میں طبع ہوا ہے یہ بھی موجود ہے۔

زراعت و فلاحت: اس فن کی (۶۶) کتابیں ہیں۔

دولت ہند، اس فن کی پہلی کتاب ہے اس کے علاوہ بعض اور کتابیں قابل ذکر ہیں مثلاً رسالہ علم فلاحت جس کو رابرٹ اسکاٹ نے لکھا ہے اور سینٹیفک سوسائٹی علی گڈھ نے سنہ ۱۸۶۵ء میں شائع کیا ہے ایک دوسری کتاب زراعت دکن سے موسوم ہے جس کو حسن بن عبداللہ نے مطبع ہزار داستان حیدر آباد میں سنہ ۱۳۰۱ھ میں طبع کیا ہے۔ گلدستہ زراعت کے نام سے شنکر داس نے ایک کتاب لکھی ہے جو مطبع کوہ نور لاہور میں سنہ ۱۸۸۴ء میں طبع ہوئی ہے۔

مصوری آرٹ نقاشی وغیرہ: اس فن کی صرف (۶) کتابیں ہیں رسالہ اصول نقاشی کا تذکرہ فہرست میں کیا گیا ہے اس کے علاوہ گلدستہ مصوری بھی قدیم کتاب ہے۔ اس کے مولف راجیشور راؤ ہیں مطبع سہیلی دکن میں سنہ ۱۸۹۲ء میں طبع ہوئی۔

ڈومسٹک سائنس: اس کی صرف تین کتابیں ہیں جن میں سے پہلی کتاب کا تذکرہ فہرست میں کردیا گیا ہے۔

شطرنج: اس کی صرف دو کتابیں ہیں یعنی شطرنج اور غنچہ نشاط۔

صنعت و حرفت کی بھی دو کتابیں ہیں کلید صنعت و حرفت اور مخزن صنعت و حرفت

اجتماعیات کے شعبہ کو میں نے سات ذیلی عنوانات پر تقسیم کیا ہے یعنی سیاسیات معاشیات۔ عمرانیات۔ معاشرت۔ موسیقی شکار اور نسوانیات۔

سیاست: سیاسیات کی (۱۴۱) کتابیں ہیں کتب خانہ کی پہلی کتاب کا ذکر کردیا گیا ہے اس فن کی کو ایک کتابیں قابل تذکرہ ہیں مثلاً۔

طرز حکومت انگلستان	گنگا پرشاد	گنگا پرشاد پریس	سنہ ۱۸۸۹ء
معلم سیاست	ابوالحسن	نول کشور پریس	سنہ ۱۸۹۲ء
مکیاولی اور علم سیاست	ذوالقدر جنگ	مفیدالاسلام حیدر آباد	۱۸۹۹ء

اس فن کی بہت ساری کتابیں سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد کی ہیں جب کانگریس عوامی تحریک بن گئی اور مسلم لیگ زور و شور سے کام کرنے لگی۔

معاشیات: معاشیات کی (٤٤) کتابیں ہیں پہلی کتاب کا تذکرہ ہوچکا ہے۔ بعض دوسری قابل تذکرہ کتابیں یہ ہیں۔

۱ اصول سیاست مدن دھرم نراین انسٹی ٹیوٹ پریس سنہ۱۸۶۹ء
۲ رسالہ علم انتظام مدن محمدمنصور شاہ‌خان علی گڈھ
۳ مباحث بندوست
٤ زمینداران و رعیت واری سید مہدی علی علی گڈھ سنہ ۱۸۸۰ء

عمرانیات: عمرانیات اگرچہ ایک قدیم فن ہے۔ مگر اردو میں اس فن کی کتابیں بہت کم ملتی ہیں چنانچہ یہاں صرف (۱۱) کتابیں ہیں اور یہ بھی سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد کی مطبوعہ ہیں۔

موسیقی: اس فن کی پانچ کتابیں ہیں واجد علی شاہ کی دو کتابیں یعنی دولہن اور بنی موجود ہیں اول الذکر تو سنہ ۱۲٦۵ ہجری میں طبع ہوئی ہے اور ثانی الذکر کلکتہ میں سنہ ۱۲۹۰ ھ میں طبع ہوئی ہے سرمایہ عشرت ایک دوسری کتاب ہے جو صادق‌علی خان کی لکھی ہوئی ہے اور مطبع افتخار دہلی میں سنہ ۱۸۹۵ء میں طبع ہوئی ہے۔ نغمہ بہار کے نام سے ایک کتاب ہے جو مرزا محمد تقی علی خان نے لکھی ہے اور سنہ ۱۳۰۳ ھ میں مطبع انوری میں طبع ہوئی ہے۔

معاشرت: اس فن کی (۱٦) کتابیں ہیں جو کتابیں قابل تذکرہ ہیں وہ یہ ہیں۔

۱ تحفۃالاحباب سید علی رضا مطبع انوارالاسلام سنہ ۱۳٤۵ ھ
۲ انگریزی‌طرزمعاشرت سید احمد خان مطبع اخباراصفی‌قبل سنہ ۱۹۰۰ء
۳ بزم آخری یعنی دہلی کےدو آخری‌بادشاہوں کا طریق معاشرت، طرز معاشرت۔ غیاث الدین یونین پریس ناگپور سنہ ۱۸۹۱ء

شکار: فن شکار کی چار کتابیں ہیں کتب خانہ کی پہلی کتاب سیر پرند ہے ملک قطب الدین پنجاب پریس سیال کوٹ ۱۸۹۷ء

دوسری کتابیں حسب ذیل ہیں

	تفنگ	باقر بیگ	
۲	رہنمائے شکار	محمد عبدالرحمن خان	مطبع شمسی ۱۹۳۳ء
۳	شکار	قطب الدین احمد	رحیم پریس حیدرآباد
		قطب یار جنگ	سنہ ۱۲۵۱ھ

نسوانیات کتب خانہ میں اس فن کی (۵۰) کتابیں ہیں پہلی کتاب اور بعض قابل تذکرہ کتابیں حسب ذیل ہیں

۱	سراج الہدایت	عقیل النساء	مطبع سلطانی لاہور سنہ ۱۸۶۸ء
۲	اصلاح حیات	محمد عبدالقادر	مطبع مقنن دکن سنہ ۱۳۰۴ھ
۳	المراۃ المسلمہ		روز بازار پریس سنہ ۱۹۱۰ء
٤	حقوق النسواں	سید عبدالغنی	" سنہ ۱۹۱۰ء
۵	حقوق نسواں	سید ممتاز علی	رفاہ عام سنہ ۱۸۹۸ء
٦	زادالمخدرات	محمد احسن	مطبع صدیقی بریلی سنہ ۱۸۷۱ء
۷	مرات النساء	فاطمہ بیگم	مطبع نظامی کانپور سنہ ۱۳۰۲ھ

فن لسانیات: اس فن کو (۵) ذیلی فنون میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی لسانیات، لغت، صرف نحو عروض و بلاغت، رسم الخط،

لسانیات لسانیات کی کل (۱۱) کتابیں ہیں جن میں سخن دان پارس پہلی کتاب ہے اردو کی قومیت۔ سرگزشت الفاظ۔ صحت الاغلاط۔ اور بعض دوسری کتابیں بھی قابل ذکر ہیں۔

لغت کی کتابوں کی تعداد ایک سو ایک ہے پہلی کتاب کے قطع نظر دوسری قابل ذکر کتابیں حسب ذیل ہیں۔

۱	امیر اللغات	امیر احمد مینائی	مفید عام آگرہ سنہ ۱۸۹۱ء

۲	انفس النفائس	میر حسن مطبع حسینی		قبل سنہ ۱۹۰۰ء
۳	تحفۃالمقال	سید عبدالفتاح	مطبع حیدری بمبئی	سنہ ۱۸۷۲ء
٤	خلاصۃالنفائس	مسیح الزماں	مطبع مسیحائی کانپور	۱۲۶۹ھ
۵	لغات فیروزی			
٦	دلیل ساطع	محمد مہدی واصف	مطبع مظہرالعجائب	سنہ ۱۲٦۸ھ

عروض و بلاغت اردو میں عروض و بلاغت کی کتابیں زیادہ نہیں ہیں۔ اس ئیے اس کتب خانہ میں بھی ان کی تعداد (۵۳) ہے جو قدیم کتابیں قابل تذکرہ ہیں ہ حسب ذیل ہیں۔

۱	ارشاد خاناں	واجد علی شاہ	مطبع نظامی	سنہ ۱۲٦۹ھ
۲	احسن التواریخ	آقا حسین عرف میرن	مطبع جنگ بہادر	۱۸٦۵ء
۳	بحرالعروض مطول	پنڈت کہنیالال	مطبع نامی	سنہ ۱۸۷۸ء
٤	خزینۃالعلوم	درگا پرشاد	مطبع مفیدعام	سنہ ۱۸۷۹ء
۵	قواعد العروض	سید غلام حسین	شام اودھ	سنہ ۱۸۸۸ء

صرف و نحو، صرف و نحو کی کتابوں کا تذکرہ صفحات گذشتہ میں وچکا ہے اس فن کی چند اور کتابیں قابل تذکرہ ہیں مثلاً

تشریح نحو مولف محمد عبد اللہ بلگرامی جو سنہ ۱۸۷۷ء میں مطبع نظامی انپور میں طبع ہوئی ہے۔ دیباے رومی جس میں ترکی بول چال اور قواعد کا تذکرہ ے اس کے مولف محمد خیر الدین صاحب ہیں مطبع قادری حیدر آباد میں سنہ ۱۸٦۰ء میں طبع ہوئی ہے رسالہ قواعد اردو جو مطبع العلوم دہلی میں سنہ ۱۸٤۹ء یں طبع ہوا اور عبد الفتاح نے کتاب صرف و نحو کے نام سے سنہ ۱۸٦۱ء ں ایک کتاب بمبئی میں طبع کی ہے۔

رسم الخط: یہ فن بھی ایسا ہے جس میں اردو کتابیں نہ ہونے کے برابر ۔ چنانچہ کتب خانہ سالار جنگ میں صرف (۱۷) کتابیں ہیں اور کوئی ایسی کتاب ں ہے جس کا تذکرہ خصوصیت سے کیا جائے۔

دیوان و کلیات جیسا کہ تذکرہ کیا گیا ہے اس فن کی ۷۱٦ کتابیں ہیں اساتذہ ، کے جو قدیم دیوان یا کلیات موجود ہیں انکی صراحت موجب دلچسپی ہوگی۔
ہوردؔ، میرؔ، سوداؔ، نظیرؔ، مصحفیؔ، ناسخؔ، آتشؔ، ظفرؔ، غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ۔

درد

۱	دیوان درد	مطبع نامی نول کشور	سنہ ۱۸۱۱ء
۲	دیوان درد	مطبع اسدی لکھنؤ	قبل سنہ ۱۱۰۰ء

میر تقی میر

۱	کلیات میر تقی میر	نول کشور لکھنؤ	سنہ ۱۸٦۷ء
۲	کلیات میر	"	سنہ ۱۸۷٤ء
۳	ایضاً	"	سنہ ۱۳۲۵ھ
٤	ایضاً	"	سنہ ۱۹٤۰ء
۵	کلیات میر	—	—
٦	کلیات میر	"	سنہ ۱۸۷٤ء
۷	کلیات میر		(نہایت قدیم ٹائپ میں طبع ہوا ہے مطبع کا نام درج نہیں ہے)

سودا

۱	کلیات سودا	نول کشور	سنہ ۱۸۷۲ء
۲	"	"	سنہ ۱۸۷۳ء

نظیر

۱	دیوان نظیر	دیال پریس دہلی	سنہ ۱۹٤۲ء
۲	کلیات نظیر	نول کشور	سنہ ۱۹۲۲ء
۳	کلیات نظیر	جوہر ہند دہلی	قبل سنہ ۱۹۰۰ء

مصحفی

۱	دیوان مصحفی	احسن المطابع علی گڈھ	سنہ ۱۹۰۵ء
۲	دیوان مصحفی	تاج المطابع	سنہ ۱۲۹٦ء
۳	دیوان مصحفی	؟	؟

ناسخ

۱	دیوان ناسخ	نولکشور پریس لکھنؤ	سنہ ۱۸۷۰ء

۲	دیوان ناسخ	نول کشور پریس لکھنؤ	سنہ ۱۸۸۳ ء
۳	کلیات ناسخ	مطبع سلطانی	سنہ ۱۸۶۷ ء

آتش

۱	کلیات آتش	نول کشور	سنہ ۱۸۷۲ ء
۲	کلیات آتش	"	سنہ ۱۸۸۸ ء
۳	کلیات	"	سنہ ۱۸۶۹ ء
٤	کلیات	"	سنہ ۱۸۷۳ ء

ظفر

۱	دیوان ظفر	مطبع سلطانی دہلی	سنہ ۱۲۶۶ ھ
۲	ایضاً	نول کشور پریس	سنہ ۱۸۷۶ ء

غالب

دیوان غالب	نسخہ حمیدیہ مفید عام پریس آگرہ مابعد ۱۹۰۵ ء	
دیوان غالب مرقع چغتائی		
دیوان غالب عکس رنگین		
دیوان غالب	نظامی پریس بدایون	سنہ ۱۹۱۵ ء
دیوان غالب	مطبع احمدی علی گڈھ ما بعد ۱۹۱۰ ء	
دیوان غالب		

مومن

کلیات مومن	نول کشور	سنہ ۱۸۸۱ ء

اردو میں بیسیوں شاعرات نے طبع آزمائی کی ہے جن خواتین کے دیوان کتب خانہ میں موجود ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

آئینہ جمال	بلقیس خاتون جمال	محبوب المطابع ۱۹۳۲ ء
بادشاہ نامہ	صدر محل بیگم واجد علی شاہ	مطبع سلطانی کلکتہ ۱۲۸۸ ھ
تحریر عاشق	نواب بیگم حجاب	مطبع حسینی دہلی ۱۲۷۹ ھ
دیوان پروین	ام مشتاق بڑی بیگم	عزیز پریس آگرہ ۱۲۲۵ ھ

۵	دیوان شرم	شمس النسا بیگم	مطبع نامی لکھنؤ ۱۸۹۰ء
	عروس مضمون		
۶	مہر	بلقیس بیگم مہر	نامی پریس لکھنؤ ۱۹۲۸ء
۷	گلزار ماہ لقا	ماہ لقا بائی چندا	مطبع نظامی حیدرآباد ۱۳۲۴ھ
۸	گلشن عرفان	بکا صاحبہ	مطبع معلم نسوان ۱۳۱۸ ھ

ماہ لقا بائی چندا اردو کی مشہور شاعرہ ہے اس کا کلام دیوان کی صورت میں پہلی مرتبہ سنہ ۱۲۱۳ھ میں جمع ہوا ہے اس کے دیوان کے قلمی نسخے بعض کتبخانوں میں موجود ہیں۔ حیدر آباد سے سنہ ۱۳۲۴ ھ میں اس کا دیوان غلام صمدانی گوہر نے طبع کرکے شائع کیا تھا۔ کتب خانہ ہذا میں اس کے تین نسخے ہیں۔

ماہ لقا بائی چندا کے متعلق میری کتابوں، دکن میں اردو۔ یورپ میں دکھنی مخطوطات۔ خواتین دکن کی اردو خدمات میں تفصیلی تذکرہ موجود ہے اس لئے مزید صراحت کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ چندا کا قلمی دیوان انڈیا آفس لنــدن اور کتب خانہ آصفیہ (سنٹرل لائبریری حیدر آباد) میں موجود ہے۔ سنہ ۱۲۳۶ ھ میں چندا کا انتقال ہوا کوہ مولا کے قریب اس کا مقبرہ موجود ہے۔ جس کو خود اس نے بنوایا تھا۔ بطور نمونہ چند شعر پیش ہیں۔

تونے کی شرط وفا مجھ سے ادا صد رحمت دل مرا لے ہی لیا پھر نہ دیا صد رحمت

اے حضرت دل کیجے نہ آہنگ خرابات کچھ ان دنوں بگڑا ہے بہت رنگ خرابات

ازل سے مرغ دل اپنا ہوا ہے صید ترا کبھی تو بھولے سے کر اس طرف گذر صیاد

یہ کہاں طاقت ترے رخ کے برابر ہوسکے گرچہ کہنے کو صدا جوبن دکھاتی ہے بہار

بوسہ بھی کوئی مانگے تو دے جان کی خیرات خاطر کو نہ رنجیدہ کر اے ماہ کسی کی

شب کو ہماری ان کی ملاقات ہوگئی شکر خدا کہ مجھ پہ عنایت ہوگئی

حجاب: نواب بیگم حجاب کا دیوان مطبع حسینی دہلی میں ۱۲۸۹ ھ میں طبع ہوا ہے دیوان کو «تحریر عاشق» سے موسوم کیا گیا ہے۔

ری دیوانگی سے بس قیامت روز رہتی ہے جسے کہتے ہیں محشر نام ہے میرے بیاباں کا

نام عشاق کرتے ہیں کیا کیا نام پر لوگ مرتے ہیں کیا کیا

غصہ تو رقیبوں کا نکالا مرے اوپر اک حوصلہ دل کا مرے دلبر نہ نکالا

حجاب کچھ نہیں آتی ہے فہم میں یہ بات زوال ماہ کو ہوتا ہے کیوں کمال کے بعد

ہیں غیر صحبت میں آنے کے قابل ہمیں پھر بھی جانا بلانے کے قابل

خواہش نہیں ہے اور کوئی آرزو نہیں سب کچھ ہے خاک یار اگر پاس تو نہیں

چین لینے نہیں دیتا مجھے دم بھر کوئی چٹکیاں لیتا ہے دل میں مرے دلبر کوئی

صدر محل: واجد علی شاہ جان عالم کی ایک بیگم جو صدر محل سے موسوم ہیں اور ان کا دیوان بادشاہ نامہ کے نام سے مطبع سلطان کلکتہ سے سنہ ۱۲۸۸ ھ میں شائع ہوا ہے یہ (۱۸۰) صفحے کا دیوان ہے۔

چراغ وصل نہ روشن ہوا مرے گھر میں جلے ہوؤں کو جلاتی ہے بادشاہ کی ہٹ

کروگی خون کسی بے گناہ کا شاید رچی ہوئی ہے حنا شہر یار کیا باعث

ے درد ہجر اسکو نہ پہلو میں ڈھونڈھنا مدت ہوئی کہ دل ہے مرا بادشاہ کے پاس

چراغ و شمع کی حاجت نہیں گور غریباں پر ہمارے پاس ہے داغ محبت اے شہ دوراں

شرم: شمس النساء بیگم شرم، ان کا دیوان عروس مضمون کے نام سے سنہ ۱۸۹۰ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا ہے دیوان کا ایک مخطوطہ سنٹرل لائبریری حیدر آباد میں موجود ہے۔ یہ دیوان کی دوسری طباعت کا نسخہ ہے پہلی طباعت سنہ ۱۲۷۲ھ میں ہوئی ہے۔

اللہ رے نازکی مرے اوس مست نازکی الھتا نہیں ہے ہاتھ سے ساغر شراب کا

نالے آہستہ کرائے دل میں کہے دیتا ہوں سو گیا ہے ابھی وہ فتنۂ بیدار مرا
دامن صبر ہوا چاک زلیخا کی طرح حواب میں جب تجھے اے یوسف کنعاں دیکھا
کیا کہیں حال اسیران محبت تجھ سے دام الفت میں کسی کے تو گرفتار نہیں
حیا و شرم کا پردہ اٹھا دے لبوں پردم ہے اب صورت دکھا دے

بکا صاحبہ: ان کا دیوان گلشن عرفان کے نام سے مطبع معلم نسواں حیدرآباد سے سنہ ۱۳۱۸ھ میں شائع ہوا ہے اورنگ آباد آپ کا وطن تھا (۸۲) صفحے کا دیوان ہے۔

اپنے دلبر کو وہ پہلو میں جو پایا ہوگا سروحدت سے خوشی میں نکل آیا ہوگا

جسم خاکی نے لیا سرپہ امانت کا بار ورنہ اس عشق سے آفاق نہ قائم ہوتا

فرصت کہاں ہے اشک بہانے سے چشم کو کسطرح آوے آنکھ میں صاحب ہمارے خواب

کیا ناز و ادا کی ہے تری جلوہ نمائی دل میں تو سمایا مگر اپنے کو چھپاکر

مرنے کے آگے مر گئے جب پایا ہے وصال واصل کے حق میں پھر کوئی حکم قضا نہیں

دشت پر خار ہیں الجھے ہیں مرے تارنفس دھجیاں جیب و گریباں کروں یا نہ کروں
جام وحدت میں دے پھر بھر کے گلابی ساقی میں تو ہوں روز ازل سے ہی شرابی ساقی

مہر منیر: بلقیس بیگم مہر کا دیوان مہر منیر کے نام سے سنہ ۱۹۲۸ء میں لکھنو سے شائع ہوا ہے سنہ ۱۳۴۱ ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ دیوان میں رشک منیر کا مقدمہ شامل ہے (۵۰) صفحے ہیں۔

وعدہ دیدار کرکے شوق دونا کر دیا چاہنے والوں میں تونے حشر برپا کر دیا

جنازہ اس گلی میں کیا مناسب وقت پر پہونچا ہم اپنے گھر چلے ہیں اور وہ گور سے نکلتے ہیں

کبھی ٹھوکر لگاتے ہیں کبھی آنسو بہاتے ہیں غرض وہ چین سے سونے نہیں دیتے ہیں مدفن میں
دل سے وفا کا نقش مٹے گا نہ تا حشر میرا نشان قبر مٹایا کرے کوئی

آئینہ جمال: بلقیس خاتون صاحبہ جمال کا دیوان آئینہ جمال کے نام سے سنہ ۱۹۳۳ء میں محبوب المطابع دہلی سے رازق الخیری صاحب نے شائع کیا ہے تمام تر نظمیں ہیں (۹۸) صفحے کا دیوان ہے۔

جرم حیات

شمع مزار غم کی برباد روشنی ہوں ماہ شب جنوں کی مایوس چاندنی ہوں
خاموش رات میرے جذبات کی ردا ہے تصویر خاموشی ہوں برباد خاموشی ہوں
حسرت نصیبیاں ہیں میری نظر سے پیدا میں حرف بیکسی ہوں یا خود میں بیکسی ہوں

پروین: ام مشتاق بڑی بیگم کا دیوان عزیز پریس آگرہ سے شائع ہوا ہے۔ پروین میر قربان علی صاحب رئیس آگرہ کی شریک زندگی تھی سنہ ۱۹۱۳ء میں دیوان شائع ہوا ہے (۳۲۴) صفحے ہیں۔

صدقہ پیر مغاں سے مرا نالہ پروین جب گیا کنگرہ عرش ہلا کر آیا

آپ اور میکدہ بھی مبارک ہو ساقیا فرمائیے تو مجھ سے کہ حضرت کو کیا ہوا
جنت ہو باغ خلد ہو فردوس یا بہشت ہر جا مجھے ہے کوچہ دلدار سے غرض

گر بزم جاناں میں پوچھا کسی نے یہ کہہ دیں گے ہم بھی بلائے گئے ہیں
ہمیں پینے دے معلوم ہے کوثر کی حقیقت اے واعظ نا فہم دے اوروں کو دم اپنے

اس عنوان کو ختم کرنے کے پیشتر ایک اور چیز بھی قابل اظہار ہے وہ یہ کہ کتب خانہ میں جن ہندو شاعروں کے دیوان، کلیات یا نظمیں موجود ہیں ان کی بھی ایک فہرست پیش کی جاتی ہے۔

۱	تحفۂ جوہری	لالہ مکند لال	مطبع فیض الکریم	سنہ ۱۳۱٦ھ
۲	آئینہ شوق	جگناتھ پرشاد شوق	دہلی پرنٹنگ پریس	سنہ ۱۳۲۸ھ
۳	باغ شاد	کشن پرشاد	مطبع محبوب القلوب حیدر آباد	سنہ ۱۳۰۸ھ
٤	جوش غم	نرسنگ راج	عماد پریس	سنہ ۱۳٤۹ھ
٥	خانہ خمار	سورج بھان میکش	مطبع آصفی	سنہ ۱۸۹۸ء
٦	خمکدہ سرور	درگا سہائے سرور	اعظم اسٹیم پریس	سنہ ۱۳۳۹ف
۷	خمکدہ رحمت	کشن پرشاد	محبوب پریس	سنہ ۱۳۱۷ف
۸	دیوان انور	رائے مہا بلی	مطبع خیر خواہ دکن	سنہ ۱۳۱٥ف
۹	دیوان نسیم	دیا شنکر نسیم	گلشن فیض لکھنؤ	قبل سنہ ۱۹۰۰ء
۱۰	دیوان بختاور	بختاور سنگھ	نول کشور	سنہ ۱۸۸۳ء
۱۱	دیوان باجر	رگھوناتھ سنگھ	دہلی	سنہ ۱۹۳۷ء
۱۲	درد باقی	گردھاری پرشاد	سردار پریس	سنہ ۱۳٤۱ھ
۱۳	دیوان عاشق	کنہیا لال	نول کشور	سنہ ۱۸۸٦ء
۱٤	دولت لازوال	کشن پرشاد افسر	عہد آفریں پریس	سنہ ۱۳٥۹ھ
۱٥	دیوان شاداں	چندو لال شاداں	محبوب پریس	ما بعد سنہ ۱۳۰۰ھ
۱٦	دیوان شعلہ	بنواری لال	مطبع کالج علی گڈھ	سنہ ۱۳۰۳ھ
۱۷	شگوفہ بہار	کشن پرشاد	"	ما بعد سنہ ۱۳۲٥ھ
۱۸	صبح وطن	چکبست	انڈین پریس	سنہ ۱۹۳۹ء
۱۹	غم احباب شاد	نرسنگ راج	عماد پریس	سنہ ۱۲٥۹ف
۲۰	دیوان زیب	راجہ جیتول	مطبع ہزار داستان	سنہ ۱۳۰۰ھ
۲۱	کلیات ہمدم	رائے گلاب چند	سنگی چھاپہ خانہ	سنہ ۱۲۸۰ھ
۲۲	گلدستہ سخن	کانشی داس	لاہور	سنہ ۱۹۰٥ء
۲۳	موتیوں کی لڑی	جگناتھ پرشاد شوق	دہلی	سنہ ۱۹۱٤ء

۲ مسافر پشیا تجلی — کنور سکھ لال — بعد سنہ ۱۹۱۰ء
۲ نغمہ شاد — کشن پرشاد — سنہ ۱۳۲۵ھ

ان شعرا میں سے چند دکنی ہیں ان کا مختصر حال اور نمونہ کلام میری کتاب « دکھنی ہندو اور اردو » میں موجود ہے۔

مناقب و مصائب اہل بیت: اس فن کی کئی ایک کتابیں قابل تذکرہ ہیں جو سنہ ۱۳۰۰ھ م ۱۸۸۳ء کے قبل کی مطبوعہ ہیں۔

۱ اخبار ماتم مصنف محمد حسین، رام پور کے مطبع میں سنہ ۱۲۸۵ھ میں طبع ہوئی ہے۔

۲ اسرار کربلا مولف ظہیر الدین خان، مطبع محمد مخدوم، سنہ ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئی ہے۔

۳ تقریر الشہادتین — شاہ محمد سلامت اللہ کی تصنیف — سنہ ۱۲۶۱ھ
٤ تقریر الشہادتین — میر وارث علی — مطبع رحمان — سنہ ۱۲٦۸ھ

٥ حیدر بخش حیدری کی روضۃ الشہدا یعنی « گل مغفرت » جو بمبئی کے مطبع حیدری میں سنہ ۱۲۸۷ھ میں طبع ہوئی ہے۔

٦ سیر الشہادتین — مطبع اسدی لکھنؤ سنہ ۱۷۸۷ھ
۷ مجالس علویہ — میر سید علی — مطبع حسینی — سنہ ۱۲۹٦ھ
۸ نخل ماتم — مرزا جعفر علی فصیح — مطبع حیدری — سنہ ۱۲٦۲ھ
۹ واقع شہادت — عبد القادر — سنہ ۱۸۷٤ء

منظوم افسانے: منظوم افسانے کا رواج اب تقریباً مسدود ہوگیا ہے۔ مگر آج سے نصف صدی پہلے تک اس قسم کے افسانوں کا زیادہ رواج تھا۔

کتب خانہ میں (۸۱) منظوم افسانہ کی کتابیں ہیں جو قابل تذکرہ معلوم ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱ بحر الفت — واجد علی شاہ — مطبع سلطانی لکھنؤ قبل سنہ ۱۳۰۰ھ
۲ دریائے عشق — واجد علی شاہ — کان پور — سنہ ۱۲۸۹ھ
۳ صبح خنداں — محمد امیر اللہ تسنیم — قومی پریس لکھنؤ — سنہ ۱۸۸۹ء

۴	فسانہ جوش	محمد امیر اللہ تسنیم	مطبع سلطان لکھنؤ	سنہ ۱۲۶۶ھ
۵	قصہ بادشاہ روم	-	مطبع حیدری لکھنؤ	سنہ ۱۲۷۱ھ
۶	قصہ یوسف زلیخا	-	مطبع حیدری بمبئی	سنہ ۱۲۷۳ھ
۷	قصہ لال و گوہر	عارف الدین عاجز	مطبع حیدری	سنہ ۱۲۷۲ھ
۸	قصہ لیلی مجنوں	عبد اللہ واعظ	"	"
۹	قصہ نازنین	حامد	"	"
۱۰	قصہ قاضی و چور	نور اللہ	"	"
۱۱	قصہ چوبا بلی	شرف الدین	"	"
۱۲	قصہ بیر العلم	عظیم الدین	"	"
۱۳	قصہ جمجمہ	عبد اللہ	"	"
۱۴	قصہ زیتون و محمد حنیف		"	"
۱۵	قصہ تنبولی کی عورت کا		"	"
۱۶	قصہ تمیم انصاری		"	"
۱۷	قصہ کالی گوری کا		"	"
۱۸	مثنوی ہشت گلزار	شاہ حسین	لکھنؤ	سنہ ۱۲۶۷ھ
۱۹	وفات نامہ بی بی فاطمہ		مطبع حیدری	سنہ ۱۲۸۶ھ

(باقی)

عبدالرزاق قریشی، بمبئی

نقد و تبصرہ

مکتوبات سر سید

حیات جاوید میں مولانا حالی نے لکھا ہے کہ:

«اب تک کسی نے سر سید کے خطوط جمع کرنے کی طرف توجہ نہیں کی. اگرچہ امید نہیں ہے کہ ان کا دسواں حصہ بھی فراہم ہوسکے، لیکن جس قدر دستیاب ہوسکیں ان کا جمع کرنا نہایت ضروری ہے. وہ ایک ایسا مجموعہ ہوگا جو غیروں کو اپنا بنانا اور وحشیوں کو رام کرنا سکھائیگا. وہ سچی دوستی اور سچی محبت کا نمونہ ہوگا. وہ آیندہ نسلوں کو یاد دلائے گا کہ ہمارے اسلاف کیسے بے ریا اور کیسے محبت والے تھے. کس طرح دوستوں کا دل اپنی مٹھی میں رکھتے تھے اور کیوں‌کر ان کے دلوں کا شکار کرتے تھے.»[1]

حیات جاوید ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی تھی. اس طرح تقریباً ۵۸ برس کے بعد خود مرتب کے الفاظ میں «مولانا (حالی) کی یہ خواہش انہی کے ایک ہم وطن اور پڑوسی کے ہاتھ سے پوری» ہوئی. یعنی مکتوبات سر سید احمد کا ایک مجموعہ جون ۱۹۵۹ء میں شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کی سعی و کوشش اور تہذیب و ترتیب سے مجلس ترقی ادب، لاہور (پاکستان) کی طرف سے شائع ہوا. یہ ایک بڑا کام تھا اس لئے بڑی مدت کے بعد ہوا اور چونکہ بڑی مدت کے بعد ہوا اس لئے خوشی بھی زیادہ ہوئی. اس مجموعہ کی اشاعت سے اگر ایک طرف اردو ادب میں ایک خوشگوار اضافہ ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کے ذریعہ سے سر سید کے مشن کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے. شیخ صاحب نے یہ مکاتیب مختلف پرانی کتابوں اور رسالوں سے جمع کئے، مثلاً تہذیب الاخلاق، اخبار تعمیر (راولپنڈی)، معارف (پانی پت[2]) (؟) اخبار سرگذشت، علی گڑھ، علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، تصفیۃ العقائد، اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام، انوار الاخلاق، اخبار چودھویں صدی (راولپنڈی)،

۱- مولانا حالی: حیات جاوید، [illegible] ۲- یہاں مرتب سے سہو ہوگیا ہے۔ معارف علی گڑھ [illegible]

التنقیح فی ولادت مسیح، اصول تفسیر نویسی، محمڈن کالج ہسٹری ، نئی تحریریں (لاہور)، حقیقت مذہب وغیرہ ۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مرتب نے کتنے صبر و استقلال، جگر کاوی اور دیدہ ریزی سے کام لیا ہے ۔ انہوں نے بڑی جد و جہد اور سعی و کوشش سے متعدد غیرمطبوعہ خطوط بھی حاصل کئے۔ سر سید کے مکاتیب کا ایک مجموعہ خطوط سر سید کے نام سے سر سید کے پوتے سید راس مسعود نے عرصہ ہوا شائع کیا تھا۔ لیکن یہ مجموعہ نامکمل تھا اور پھر اب کم یاب بھی ہوچکا تھا ۔ ایسی صورت میں مکتوبات سر سید کی افادیت و اہمیت اور بڑھ جاتی ہے ۔

شیخ محمد اسماعیل کو ۱۹۱۸ ء میں خطوط سرسید کے جمع کرنے کا خیال ہوا تھا اور تلاش کا یہ سلسلہ چالیس سال تک برابر جاری رہا ۔ اس مجموعہ میں کل ۳۴۶ خطوط ہیں جو تقریباً ۷۰ اشخاص کے نام مختلف اوقات میں لکھے گئے ۔ اگر تلاش کا یہ سلسلہ جاری رہا تو اب بھی سر سید کے بیسیوں خطوط مل سکیں گے، کیونکہ انہوں نے اپنی تقریباً شصت سالہ پبلک زندگی میں موجودہ تعداد سے بہت زیادہ خطوط لکھے ہوں گے ۔ مثلاً مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا امام بخش صہبائی وغیرہ کے نام کے خطوط کیونکہ ان سے سید کے جیسے گہرے روابط اور عقیدت و محبت تھی وہ آثار الصنادید کے اوراق سے صاف جھلکتی نظر آتی ہے۔ ممکن ہے میرزا غالب سے بھی مراسلت رہی ہو ۔ مولانا شبلی سے جو علمی یگانگت و اخوت تھی اس سے کون انکار کرسکتا ہے ۔ ان کے نام کے بھی خطوط ہوسکتے ہیں ۔ مولانا عبد الحلیم شرر، مولوی سید وحید الدین سلیم پانی پتی وغیرہ سے بھی یقین ہے کہ ان کی مراسلت رہی ہوگی۔ زین العابدین سے سید کے جو روابط تھے ان کا تقاضا ہے کہ سرسید نے انہیں بہت سے خطوط لکھے ہوں گے۔ لیکن اس مجموعہ میں صرف ۱۰ خط ہیں ۔ ممکن ہے آگے چل کر، اگر کوشش کا یہ سلسلہ جاری رہا (اور یقیناً رہنا چاہئے) تو ان حضرات کے نام کے مکاتیب دستیاب ہوسکیں ۔ ان کے علاوہ اور لوگوں کے نام کے خطوط بھی مل سکیں۔ ابھی حال ہی میں جناب مشتاق حسین صاحب (اورینٹل اسسٹنٹ، مسلم یونیورسٹی لائبریری) نے مجھے اپنے ایک خط میں لکھا کہ مسلم یونیورسٹی لائبریری میں سر سید کے چند خطوط کی نقل ملی ہے جو بمبئی کی مشہور تعلیمی انجمن، انجمن اسلام کے سکریٹری کے نام لکھے گئے تھے۔ خود مرتب کو بھی اس بات کا احساس و اعتراف ہے کہ ابھی بھی متعدد خطوط ایسے ہوں گے جن تک میری رسائی نہیں ہوسکی۔

ابتدا میں فاضل مرتب نے ۱۲ صفحے پیش لفظ کے عنوان سے لکھے ہیں جس میں کتاب کی ترتیب و تہذیب کی تفصیل کے علاوہ سر سید کے مکتوبات اور ان کی طرز تحریر سے متعلق نہایت مفید و کار آمد باتیں لکھی ہیں جو توجہ سے پڑھنے کی متقاضی ہیں۔ اگرچہ مرتب «اس مجموعہ کے ہر ایک خط کو بالکل اسی رسم الخط اور اسی طرز تحریر کے مطابق» پیش نہ کرسکے «تاکہ یہ مجموعہ انیسویں صدی کی عام طرز تحریر اور اس وقت کے رسم الخط کا ایک مستند نمونہ ہوتا۔» اس کی وجہ خود فاضل مرتب کے الفاظ میں یہ ہے کہ «اس مجموعہ کے تمام خطوط سر سید کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے خطوط سے نقل نہیں کئے گئے بلکہ مختلف اخباروں، رسالوں، مطبوعہ تحریروں اور کتابوں وغیرہ سے فراہم کئے گئے اور جس جس شخص نے ان کو نقل کیا اس نے نقل کرتے وقت اصل رسم الخط کا لحاظ نہ رکھا بلکہ موجودہ طرز کتابت کے مطابق لکھا۔» پھر بھی «سر سید کی جو طرز تحریر تھی اس کی بعض خصوصیات سر سید کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے خطوط کے مطالعہ کے بعد» مرتب نے پیش لفظ میں بیان کردی ہیں جو ایک دلچسپ مطالعہ کی دعوت دیتی ہیں۔

مرتب نے سر سید کی طرز تحریر، املا وغیرہ سے متعلق تو لکھا اور عمدگی سے لکھا لیکن ان کے انداز خط نویسی اور انشا سے متعلق کچھ نہ لکھا حالانکہ اس کی بھی ضرورت تھی۔ مثلاً یہ کہ

سر سید کا ہر خط القاب سے شروع ہوتا ہے۔ القاب میں عموماً اختصار اور سادگی ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی لمبے القاب بھی استعمال کرجاتے ہیں، مثلاً

مخدومی مکرمی نواب انتصار جنگ مولوی محمد مشتاق حسین صاحب

جناب مخدوم و مکرم من، باعث افتخار قوم نواب عماد الملک بہادر

جناب والا مناقب مخدوم و مکرم جناب مولوی محمد علی حسن خان بہادر دام عنایتکم

ایک خاص بات جو سر سید کے مکتوبات میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر خط میں جگہ اور تاریخ ضرور لکھی ہے۔

سر سید کے یہاں عموماً صفائی و روانی اور زور استدلال پایا جاتا ہے۔ لیکن ان کی عبارت تعقید کے عیب سے خالی نہیں۔ عربی فقرے اور دعائیہ بڑی خوبی سے استعمال کرتے ہیں۔ لفظ «فقط» کا استعمال اکثر کرتے ہیں۔ بعض خطوط میں

ہر پیراگراف کے خاتمہ پر «فقط» لکھ دیا ہے، یعنی ایک ہی خط میں دو دو، تین تین بار فقط لکھا ہے۔

سر سید کی ساری عمر تصنیف و تالیف میں گذری۔ سیکڑوں مضامین لکھے۔ ان کی تصانیف ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں۔ لیکن جس طرح ان کی زندگی سادہ و سپاٹ تھی اسی طرح ان کی عبارت بھی رنگینی و پرکاری سے عموماً خالی ہوتی تھی اور اس میں ان کے قصد اور ارادہ کو بھی دخل ہوتا تھا۔ جب تصانیف کا یہ حال ہے تو پھر خطوط میں انشا کی لطافت و رنگینی کہاں کیونکہ بقول مہدی خط لٹریچر کا ایک ایسا عنصر ہے جس میں اہتمام کو چنداں دخل نہیں ہوتا۔ پھر بھی ان کی تحریریں انشا کی رنگینی سے یکسر خالی نہیں۔ چنانچہ یہ مکتوبات بھی انشا کے موتی اپنے دامن میں رکھتے ہیں: مثلاً مندرجۂ ذیل جملے پڑھئیے، یہ جملے حسن انشا کے بہت بلند معیار پر ممکن ہے نہ پہنچتے ہوں لیکن ان کی صفائی و برجستگی اور قوت و توانائی سے کون انکار کر سکتا ہے۔

مولانا حالی کو لکھتے ہیں:

«شملہ میں میرے لئے اس سے بڑھ کر کونسی نعمت ہوسکتی ہے کہ چند روز آپ کی صحبت رہے۔ میرا رمضان سچ مچ عید ہوجاوے گا۔ آپ بلا تامل تشریف لائیے۔ مکان، دل، آنکھیں حاضر ہیں۔»

نواب محسن الملک کو لکھتے ہیں:

«پھوٹ جاوے وہ آنکھ جو کسی کو دیکھے اس نگاہ سے جو اس کے دل میں نہیں ہے۔» گل جاوے وہ زبان جو وہ کہے جو اس کے دل میں نہیں ہے، ٹوٹ جاوے وہ ہاتھ جو وہ لکھے جو اس کے دل میں نہیں ہے۔

«حقیقت یہ ہے کہ تم نے خدا کی عظمت کا جس عظمت کے وہ لائق ہے اور قرآن مجید کی صداقت کا جس صداقت کے وہ لائق ہے اور مذہب اسلام کی عزت اور سچائی کا جس عزت اور سچائی کے وہ لائق ہے اپنے دل پر نقش کالحجر نہیں کیا ہے۔ اس لئے تمہاری رائے یا تمہارا ایمان ڈاواں ڈول ہوتا ہے۔»

ایک «معزز انگریز» کو لکھتے ہیں:

«اس وقت تک اہل عرب آزاد ہیں اور اپنے مشائخ کے جھنڈوں کے نیچے رہتے ہیں۔ وہ سلطان ترکی کو سلطان نہیں کہتے بلکہ اپنے ویران اور بنجر

جزیرہ نما کا خادم سمجھتے ہیں۔ وہ اپنی آزادی کو تمام دنیا کی نعمتوں سے بہتر جانتے ہیں۔ اونٹ چراتے ہیں۔ جو پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اونٹوں کا دودھ پیتے ہیں اور اپنی آزادی میں خوش رہتے ہیں۔»

نواب وقارالملک کو لکھتے ہیں کہ

«سر آسمان جاہ کے نام کی آسمان منزل کا چندہ جلد تر وصول کر دو۔ نہ انسان کو اپنی زندگی پر اعتماد ہے نہ انقلاب زمانہ پر۔ پس ایسے کام کو جو رفاہِ عام قومی سے متعلق ہے تساہل و تاخیر میں ڈالے رکھنا نہایت غلطی ہے۔»

سرسید کے خطوط طنز و مزاح کی چاشنی سے بھی خالی نہیں اور یہ بڑی حد تک ان کے مزاج و افتاد طبیعت کی بھی عکاسی کرتے ہیں۔ مثلاً یہ جملے پڑھئے:

«افسوس! آپ نے مجھے بہت انتظار میں رکھا اور میرے خط کا جو۔۔۔ تہذیب الاخلاق میں چھپا کچھ جواب نہ دیا۔ یہ نہ کھلا کہ میں خطاب کے لائق نہ تھا یا میرا خط لاجواب تھا۔»

«مولوی سمیع اللہ نے لوگوں سے کہا تھا کہ جب مشتاق حسین (مکتوب الیہ) کی رائے آوے گی تب حقیقت کھلے گی۔ یہ نہیں معلوم کہ ان کا مقصد میری حقیقت کھلنے سے تھا یا آپ کی۔»

«ہم کو اپنے خدا سے معاملہ ہے جس کے ہاتھوں سے ایسے تنگ آئے ہیں کہ کچھ بیان نہیں ہوسکتا۔ جو کام کرتے ہیں وہ دیکھتا ہے۔ جو بات کہتے ہیں وہ سن لیتا ہے۔ جو دل میں لاتے ہیں وہ جان لیتا ہے۔ ایسا پیچھے چمٹا ہے کہ نہ جہاز میں چھوڑے نہ زمین پر چھوڑے۔ نہ رات کو الگ ہو نہ دن کو الگ ہو۔ نہ غیر ذبح مرغی کھاتے وقت پیچھا چھوڑے۔ پس جب میں نے نہایت سچے دل اور درست اعتقاد سے ایسے دوست اور سچے رفیق خدا سے شرم نہ کی تو پھر بھائی مہدی سے کیا ڈر کرتا۔»

«باوجود خدا، تو ان کا بھی خدا ہے جو حلال کی ہوئی مرغی کھاتے ہیں اور ان کا بھی خدا ہے جو گردن مروڑی ہوئی مرغی کھاتے ہیں۔ مجھ مری مرغی کھانے والے کی بھی دعا قبول کر۔»

جناب مولوی سید امداد العلی صاحب کی عنایت و شفقت جو مجھ پر ہے اس کا

حال معلوم ہوا۔ خدا ان کو خوش رکھے اور وہ درجہ جو خدائی سے بھی بالا ہو عطا فرماوے۔»

پیش نظر مجموعہ کے اکثر و بیشتر خطوط اہم ہیں اوردل چسپی سے پڑھنے کے لائق ہیں، لیکن مولانا محمد قاسم کے نام کا خط، منشی سعید احمد کے نام کا خط، نواب محسن الملک کے نام کے اکثر خطوط اور نواب وقار الملک کے نام کے بعض خطوط خصوصاً اہمیت رکھتے ہیں اور غور و توجہ سے پڑھنے کے متقاضی ہیں۔ اگرچہ متعدد خطوط میں ضمناً سر سید نے اپنے عقیدہ سے متعلق لکھا ہے لیکن مولانا محمد قاسم اور منشی سعید احمد کے نام کے خطوط سے ان کے عقائد و خیالات کا بالکل صحیح علم ہوتا ہے۔ مکتوبات سر سید سے اگر ایک طرف سرسید کی تعلیمی کوششوں اور مذہبی، معاشرتی اور سیاسی نقطہ ہائے نگاہ کا پتا چلتا ہے تو دوسری طرف ان کی درد مندی، خلوص اور لگن کا علم ہوتا ہے۔ سر سید کی سب سے نمایاں خصوصیت انکا خلوص اور درد مندی ہے۔ یہی خصوصیت ان کے ان خطوط میں بھی پائی جاتی ہے۔ رسول پاک کی ذات سے انہیں جو بے پناہ محبت تھی اس کا صحیح اندازہ ان خطوط کو پڑھنے کے بعد ہوتا ہے۔ انگلستان اگر وہ ایک طرف «خدا کی شان» دیکھنے گئے تھے تو دوسری طرف رسول برحق سے اپنی محبت و عقیدت کا ثبوت دینے بھی گئے تھے۔ انہوں نے صرف خطبات ہی نہیں لکھے اور چھپوائے بلکہ دوسروں کی لکھی ہوئی کتابیں بھی اپنے خرچ سے چھپوائیں «ایک انگریز نے ... حمایت اسلام میں ایک عجیب و غریب کتاب لکھی ہے۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حال لکھا ہے اور جس قدر اتہام اور الزام انگریزوں نے آں حضرت (صلعم) پر، قرآن پر، مذہب اسلام پر لگائے ہیں اس کا جواب دیا ہے۔ چونکہ یہ کتاب بالکل انگریزوں کے مخالف تھی اس کا چھاپا ہونا اور فروخت ہونا مشکل تھا» اس لئے سر سید نے اسے اپنے خرچ سے چھپوایا۔ مسلمانوں کی پستی و بدحالی پر جس جس طرح وہ تڑپے ہیں، ہندوستان کی غلامی پر جس طرح انہوں نے غم و غصہ کا اظہار کیا ہے، اس کا علم ان مکتوبات سے ہوتا ہے۔ ان کی تعلیمی سرگرمیوں اور مشن کی صحیح تصویر ان خطوط کو پڑھنے کے بعد نگاہوں کے سامنے آتی ہے۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ ان مکتوبات کی روشنی میں ہم سر سید کے صحیح اعتقادات کو دیکھ سکتے ہیں اور بہت سی

بہت سی غلط فہمیاں دور ہوجاتی ہیں ۔

لائق مرتب نے مکتوبات پر مجموعی حیثیت سے جو تبصرہ کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور مجموعہ کا ایک ضروری اور اہم جز ہے:

«ان کے (سر سید کے) ذاتی اخلاق و عادات کی بہت معقول واقفیت ان خطوط سے ہوجاتی ہے۔ ان کی تعلیمی سرگرمیوں، ان کی اصلاحی کوششوں، ان کے مذہبی عقائد کے متعلق ان کے ذاتی خیالات کی بھی بہترین عکاسی ان خطوط سے ہوتی ہے۔ ہندوستان کے پچاس برس کے علمی، مذہبی، معاشرتی اور سیاسی واقعات و حالات کا فوٹو بھی آپ ان خطوط میں ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔ جو جو اسکیمیں سر سید نے قومی بھلائی اور مسلمانوں کی دنیوی ترقی و بہبودی کی اس دوران میں کیں یا جو جو تجویزیں ان کے ذہن میں تھیں جن کو وہ عملی جامہ نہ پہنا سکے ان کی کیفیت بھی ان خطوط سے معلوم ہوتی ہے ... بزرگوں سے جس ادب و احترام کے ساتھ، دوستوں سے جس خلوص و یکرنگی کے ساتھ، چھوٹوں سے جس شفقت و الفت کے ساتھ، غیروں سے جس روا داری اور حسن سلوک کے ساتھ، اپنوں سے جس یگانگت اور محبت کے ساتھ، مخالف مولویوں سے جس طنز و مزاح کے ساتھ، اپنے دشمنوں سے جس سختی و ترشروئی کے ساتھ اور اپنے یار دوستوں سے جس بے تکلفی کے ساتھ پیش آتے تھے اس کی بڑی صحیح، مکمل اور نہایت درست تصویر آپ کو ان اوراق میں نظر آئے گی۔»

مختصر یہ کہ مولانا حالی نے حیات جاوید میں سر سید کی جو تصویر پیش کی ہے وہ ان مکتوبات میں مجسم ہوکر ہمارے سامنے آتی ہے اور ان کی عظمت و برگزیدگی کا نقش بہت گہرا ہوجاتا ہے۔

سر سید کے دست وبازو کی حیثیت سے نواب وقار الملک، نواب محسن الملک، مولانا شبلی، مولانا حالی وغیرہ کے نام سے ہم اچھی طرح واقف ہیں۔ لیکن اور بھی بہت سے لوگ تھے جن کا ہمیں علم نہ تھا۔ مکتوبات سے اس تاریک گوشہ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً منشی نیاز محمد خان وکیل و رئیس جالندھر کے نام ۴۳ خط ہیں۔ یہ تعداد خود بتاتی ہے کہ خان صاحب کا سر سید یا مدرسۃ العلوم سے کتنا گہرا تعلق رہا ہوگا۔ نیاز محمد خاں کو سر سید سے جو عقیدت و محبت تھی اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کا اصلی نام غلام نیاز خاں تھا

سرسید سے ملاقات بڑھی تو انہوں نے اس نام سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا اس لئے انہوں نے سرسید ہی کی تجویز کے مطابق اپنا نام نیاز محمد رکھا۔ مکتوبات سے پتا چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی بساط بھر ہر ممکن طریقہ سے مدرسۃ العلوم کی مدد کی۔ اسی طرح چودھری برکت علی خاں ہیں جو پنجاب کے سرسید مشہور تھے کیونکہ انہوں نے بقول مرتب مکتوبات « نہایت جانفشانی، نہایت محنت، شوق اور بڑی مستعدی سے اور اخلاص کے ساتھ سرسید کی امداد و اعانت کی۔ »

مرتب نے تقریباً ہر مکتوب الیہ کے مختصر حالات بھی لکھ دئیے ہیں اور اکثر و بیشتر تشریح طلب باتوں کی تشریح بھی کردی ہے۔ حالات کے سلسلہ میں مرتب نے بعض جگہ کسی قدر مبالغہ سے کام لیا ہے۔ مثلاً مولوی چراغ علی کے متعلق لکھتے ہیں کہ « مولوی چراغ علی سرسید کے تمام دوستوں میں غالباً سب سے لائق، فائق، عالم و فاضل انسان تھے۔ » مولوی چراغ علی کی ذہانت، علمیت اور نکتہ آفرینی مسلم، لیکن انہیں مولانا شبلی اور ڈاکٹر نذیر احمد پر فوقیت دینا آسان نہیں۔

مولانا حالی کے متعلق لکھتے ہیں کہ

« اپنی اثر انگیز تحریروں اور اپنی لا زوال مسدس کے ذریعے جو خدمت اور امداد و اعانت مولانا نے سرسید کی کی اتنی کسی اور سے بن نہ آئی۔ »

خود مولانا حالی، حیات جاوید میں لکھتے ہیں کہ

« ایک شخص جو سر سید کے کاموں کا صرف مددگار ہی نہ تھا بلکہ اسکی گاڑی کے ہانکنے میں گویا برابر کی جوڑ تھا اگر اس موقع پر اس کا ذکر قلم انداز کیا گیا تو ہمارے نزدیک سرسید کی کامیابی کا ایک بڑا سبب بیان کرنے سے رہ جائے گا۔ اس شخص سے ہماری مراد محسن الملک سید مہدی علی خاں ہیں۔۔۔ یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے سرسید کو سمجھا، ان کی سچائی کو پرکھا، ان کے منصوبوں کی تھاہ دریافت کی اور ان کے مقاصد کی عظمت کا اندازہ کیا۔ ان کا اس وقت ساتھ دیا جب کوئی ساتھی نہ تھا اور اس وقت مدد کی جب کسی سے مدد کی امید نہ تھی۔ »[1]

کتاب خوبصورت ٹائپ میں چھپی ہے اور مجلد ہے اور مجلس ترقی ادب، نرسنگھ گارڈن، لاہور سے مل سکتی ہے۔ قیمت دس روپے ہے۔

۱۔ مولانا حالی، حیات جاوید، جلد دوم ص ۸۸۸۔

ضمیمہ

مَقالِ نُما

مرتب

ڈاکٹر عالی جعفری

معاونین

عبدالقوی دسنوی، عبدالستار دلوی، علاؤالدین جیناپڑے

فہرست عنوانات

مذہبیات

۱ آفتاب احمد:
کرۂ ارض پر پانی کی فراہمی، تقسیم کا انتظام اور قرآن مجید
(فیض الاسلام ۶۰ جنوری ۳-۴)
تیسری اور آخری قسط۔

۲ ابوالاعلیٰ مودودی:
«پردہ» پر چند اعتراضات اور ان کا جواب
(ترجمان القرآن ۶۰ جنوری ۲۱۴-۲۲۳)
مولانا کی کتاب «پردہ» کا عربی ترجمہ «الحجاب» کے نام سے چھپا ناشر نے دمشق کے استاذ ناصر الدین الالبانی سے تنقید لکھوا کر ساتھ شائع کی۔ اس میں الحجاب پر اعتراضات تھے۔ انہیں اعتراضات کا جواب اس مقالہ میں دیا گیا ہے۔

۳ اسرار احمد سہاروی:
عقل و اجتہاد کے دوراہے پر
(فاران ۶۰ جنوری ۱۷-۲۳)
مقالہ میں سر سید کے مذہبی افکار سے بحث کی ہے۔

۴ ایلن فرینک:
تخلیق کائنات — ایک حادثہ یا ایک منصوبہ
(ترجمان القرآن ۶۰ فروری ۳۰۷)
ایک امریکی کتاب کے ایک باب کا ترجمہ ہے جس میں مدلل طور پر بتایا گیا ہے کہ تخلیق کائنات کوئی حادثہ نہیں بلکہ ایک منصوبہ ہے۔

۵ جعفر شاہ:
اسلامی اور رواجی پردہ
(ثقافت ۶۰ جنوری ۳۴-۶۴)
اسلامی پردہ کی نوعیت و کیفیت بیان کرنے کے بعد رواجی پردے کی قباحتیں تقابلی انداز میں بیان کی ہیں۔

۶ جلال الدین عمری:
اسلام کے عقائد و نظریات
(زندگی رام پور ۶۰ مارچ ۵۱-۶۴)
اسلام کے عقائد و نظریات سے بالاختصار گفتگو کی ہے۔

۷ رشید احمد:
قرآنی نظریۂ مملکت
(ثقافت ۶۰ جنوری ۱۳-۳۲)
۲ اس قسط میں اصلاح معاشرہ کے مختلف پہلو، عوام کے فرائض، مذہب و سیاست اور معاشیات کے اسلامی پہلوؤں سے گفتگو کی ہے۔

۸ صدرالدین اصلاحی:
اسلام میں اجتماعیت کا مقام
(زندگی رامپور ۶۰ فروری ۲۹-۴۱)
۱ انسانی فطرت کے مطالعہ کی روشنی

میں اسلام میں اجتماعیت کا مقام دکھایا ہے (باقی)۔

۹ صدیقی، نعیم:

محسن انسانیت

(ترجمان القرآن ۶۰ مارچ ۳۳، ۳۴۷ و ۳۴۸)

(مسلسل) اس قسط میں جہاد سے گفتگو کی ہے۔

۱۰ ضیاء الدین اصلاحی:

امام نسائی اور ان کی سنن

(معارف ۶۰ جنوری ۶۹-۷۲)

٤ اس قسط میں مزید کتابوں کا ذکر اور ان کی سنن کی اہمیت واضح کی ہے۔

۱۱ عتیق الرحمٰن سنبھلی:

خطبۂ صدارت ــ ضلع دینی کانفرس سیتاپور

(الفرقان ۶۰ مارچ ۲۷-۴۰)

یوپی کی درسی کتابوں میں ہندومت سے متعلق اسباق زیادہ ہیں، مسلمان بچوں کو اپنے مذہب اور پیشواؤں سے متعلق مواد بہت کم ملتا ہے۔ چنانچہ اس کا تجزیہ اور تنقید پیش کی اور عملی طور پر اس کا تدارک کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

۱۲ غلام مرتضیٰ:

اسلامی فکر میں وحدت الوجود کا نظریہ

(معارف ۶۰ مارچ ۱۶۵-۱۸۰)

نظریۂ وحدت الوجود کا سراغ اور ابلاغ کی کیفیت دکھانے کے بعد صراحتاً بتایا ہے کہ اسلامی فکر میں اس کی جگہ نہیں ہے۔

۱۳ فریدی، نسیم احمد:

تجلیات مجدد الف ثانی ــ مکتوبات کے آئینے

(الفرقان ۶۰ جنوری ۲۵-۴۲)

اس پانچویں قسط میں چھ خط درج ہیں جن میں اسلامی تعلیمات، تصوف اور نصائح سے متعلق باتیں پائی جاتی ہیں۔

۱٤ فریدی، نسیم احمد:

تجلیات مجدد الف ثانی ــ مکتوبات کے آئینے میں

(الفرقان ۶۰ فروری ۹-۲۲)

(مسلسل) اس قسط میں کوئی گیارہ خط ہیں۔ ان کے موضوع تعزیت نصائح تصفیۂ قلب وغیرہ ہیں۔

۱۵ فریدی، نسیم احمد:

تجلیات مجدد الف ثانی ــ مکتوبات کے آئینے میں

(الفرقان ۶۰ مارچ ۱۳-۲۶)

(مسلسل) بارہ خط درج ہیں جو تصوف وغیرہ مسائل سے بحث کرتے ہیں۔

۱۶ فضل الرحمٰن:

بیمہ زندگی ــ عشاز علمائے عصر کی نظر میں

(برہان ۶۰ مارچ ۱۳۳ـ۱۵۱)

قاہرہ کے ایک دینی ، ثقافتی اور اجتماعی ماہنامہ « لواءالاسلام » کے ایک مباحثہ کا ترجمہ پیش کیا ہے . مباحثہ کا تعلق بینمہ زندگی» سے ہے .

۱۷ قاضی محمد اسلم

امن عالم کے اسلامی اصول

(ثقافت ۶۰ جنوری ۵ـ۱۱)

امن عالم کے اسلامی اصول ہی سچے اور قابل عمل ہیں .

۱۸ کنون ، عبد اللہ

خلیل حامدی

عہد حاضر میں دعوت اسلامی کی زبوں حالی

(ترجمان القرآن ۶۰ فروری ۲۷۳ـ۲۸۸)

طنجہ (مراکش) کے گورنر عبد اللہ کنون نے اس مقالہ میں تاریخی پس منظر کے ساتھ دکھایا ہے کہ عہد حاضر میں دعوت اسلامی کا حال کس قدر زبوں ہے .

۱۹ محمد تقی امینی

فقہ اسلامی کے ماخذ

(معارف ۶۰ جنوری ۱۹ـ۲۷)

۵ اس قسط میں « ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں » کے سلسلے میں گفتگو کی ہے (باقی)

۲۰ محمد تقی امینی

فقہ اسلامی کے ماخذ

(معارف ۶۰ فروری ۹۵ـ۱۰۴)

۶ اس میں « ولایت خاصہ ولایت عامہ سے زیادہ قوی ہے » سے متعلق گفتگو کی ہے (باقی)

۲۱ محمد تقی امینی

فقہ اسلامی کے ماخذ

(معارف ۶۰ مارچ ۱۸۲ـ۱۹۷)

۷ اس قسط میں « جس کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے » سے گفتگو کی ہے (باقی)

۲۲ میر ولی الدین

مدارج سلوک ـــ تصفیہ قلب (طریق ذکر)

(برہان ۶۰ جنوری ۵ـ۲۷)

(مسلسل) اس قسط میں سلسلۂ قادریہ اور نقشبندیہ کے طریق ذکر کو بیان کیا ہے (جاری)

۲۳ میر ولی الدین

تصفیۂ قلب ـ اذکار و اوراد سلسلۂ چشتیہ

(برہان ۶۰ فروری ۶۹ـ۸۸)

تصفیۂ قلب کے سلسلے میں اذکار و اوراد سلسلۂ چشتیہ کا تذکرہ ملتا ہے (باقی)

۲۴ ندوی ، ابو الحسن علی

خطبۂ صدارت ـــ صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس ، بمبئی ـ جنوری ۱۹۶۰

(الفرقان ۶۰ جنوری ۹ـ۲۴)

یو ـ پی کی درسی کتابوں میں ہندو مت اور اس کے رہنماؤں سے متعلق زائد

اسباق اور اسلام اور اس کے مذہبی بزرگوں سے متعلق کم معلومات کے ملنے سے پیدا ہونے والی صورت حال کا تجزیہ اور اس پر تنقید کی اور اس کے تدارک کی صورت پیش کی ہے۔

۲۵ ندوی، ابو الحسن علی

نبوت کا زمانہ

(الفرقان ٦۰ فروری ۱۳-۴۰)

۱۹ دسمبر ۱۹۵۹ء کو علیگڈھ یونیورسٹی میں پڑھے جانے والے مقالہ میں بتایا ہے کہ نبوت نے انسانی برادری کو چند ایسے نفوس دئے جو صداقت اور حق پر چلے اور دوسروں کو ایسا کرنے کی تلقین ہی نہیں کی بلکہ ان کو چلایا بھی ہے۔

۲۶ وحید الدین خاں

علم والے کون ہیں

(زندگی رام پور ٦۰ جنوری ۲٤-۳۱)

قرآن و حدیث کی روشنی میں علم کے مفہوم کی تعیین کرکے عالم کے مقام کی نشاندہی کی ہے۔

۲۷ وحید الدین خاں

روزے سے متعلق احادیث

(زندگی رام پور ٦۰ فروری ۱٤-۴۰)

روزے سے متعلق احادیث بیان کرتے ہوئے ان کی افادیت پر روشنی ڈالی ہے۔

۲۸ وحید الدین خاں

سورۂ یوسف کا پیغام

(زندگی رام پور ٦۰ فروری ۹-۱۳)

سورۂ یوسف کی آخری تین آیتوں کا ترجمہ اور ان کی تصریح درج ہے۔

۲۹ وحید الدین خاں

حق کی نشانیاں

(زندگی رام پور ٦۰ مارچ ۹-۱۵)

سورۂ انعام کی پانچ آیتیں (۹۵-۹۹) ترجمہ کے ساتھ درج کی ہیں اور اس کے بعد توضیح سے کام لیا ہے۔

۳۰ ہاشمی، نصیر الدین

کتب خانہ سالار جنگ میں «اسلامیات» سے متعلق ۱۸۵۷ء سے پہلے کی مطبوعات

(برہان ٦۰ مارچ ۱۸۰-۱۸۵)

مندرجہ بالا عنوان کے تحت چند کتابوں کا تعارف درج ہے۔

تذکرہ و سیرت نگاری

۳۱ ابوالقاسم رفیق:

اسود عنسی

(نسیم انسانیت لاہور ٦۰ء جنوری)

خود ساختہ نبی اسود کے حالات۔

۳۲ ابوالقاسم رفیق:

صاف ابن صیاد جدنی

(نسیم انسانیت لاہور ٦۰ء فروری)

ابن صیاد کے حالات زندگی۔ [illegible]

کا ایک کاہن تھا. جس کا مسلمان ہونا مشکوک ہے۔

۳۳ ابوالقاسم رفیق:

حارث کذاب دمشقی

(تعمیر انسانیت لاہور ۶۰ء مارچ)

اموی دور خلافت کے ایک خود ساختہ نبی حارث کا تعارف.

۳۴ ادارہ:

حضرت خواجہ مظہر جمال

(عارف لاہور ۶۰ء فروری)

خواجہ مظہر کے حالات زندگی ایک نایاب نسخے کی مدد سے

۳۵ ادارہ:

شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی

(فیض الاسلام ۶۰ء فروری ۱۷-۱۸، ۲۹)

شاہ محمد اسحاق (۱۱۹۲ و ۱۲۶۲ھ)

شاہ عبدالعزیز کے نواسے زبردست عالم اور محدث تھے ۱۲۵۸ھ میں مکہ ہجرت کی اور وہیں رہ گئے.

۳۶ سخاوت مرزا:

ملفوظات حضرت مخدوم ساوی رحہ

قسط دوسری

(العلم ۵۹ء اکتوبر ۱۱۲)

حضرت مخدوم ساوی رحہ کے ملفوظات کا ترجمہ۔

۳۷ سخاوت مرزا:

ملفوظات حضرت شیخ ساوی رحہ

(العلم ۶۰ء جنوری ۹۴-۹۱)

حضرت شیخ کے ملفوظات مرتبہ علامہ فریی ویلوری کا ترجمہ پیش کیا ہے۔

۳۸ عبدالحی حبیبی:

تاریخ وفات

داتا گنج بخش علی ہجویری غزنوی

(اورینٹل کالج میگزین ۶۰ء فروری ۶۲-۴۱)

داتا گنج کی تاریخ وفات متعین کرنے کی کوشش کی ہے.

۳۹ قادری، محمد ایوب:

مولانا شائق احمد عثمانی

(العلم ۶۰ء جنوری ۶۵-۷۷)

مولانا شائق احمد عثمانی کے حالات اور کارناموں کو پیش کیا ہے.

۴۰ قادری، محمد ایوب:

علم و عمل

(العلم ۶۰ء جنوری ۵۵-۶۴)

وقائع عبدالقادر خان کا تعارف اور اس کے ابواب کی تشریح پیش کی ہے.

۴۱ قاضی اطہر مبارکپوری:

امام ربیع بن صبیح بصری ہندی

(معارف ۶۰ فروری ۱۲۱-۱۳۶)

حضرت حسن بصری کے گرامی شاگرد تھے. اور علم و فضل و جہاد پر اعتبار سے استاد کے مثل تھے۔

۴۲ قاضی اطہر مبارکپوری:

امام ربیع بن صبیح بصری ہندی

(معارف ۶۰ مارچ ۱۹۸-۲۰۸)

یہ دوسری اور آخری قسط ہے۔

۴۳ مالک رام
نواب مختار الملک میر تراب علی خاں بہادر سالار جنگ
(آجکل دہلی ۶۰ فروری)
میر تراب علی کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کی خوبیوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۴۴ ماہر القادری
اسد ملتانی مرحوم
(فاران ۶۰ جنوری ۳۵-۳۷)
اسد ملتانی کے اوصاف کا مختصر تذکرہ۔

۴۵ ماہر القادری
مولانا حافظ احمد سعید دہلوی مرحوم و مغفور
(فاران ۶۰ فروری ۳۰-۳۳)
مولانا احمد سعید دہلوی کا مختصر تذکرہ مع ان کے اوصاف کے درج ہے۔

۴۶ محمد موسیٰ حکیم
حضرت مولانا مفتی غلام رسول قاسمی
(فیض الاسلام ۶۰ مارچ ۲۱-۲۷)
مفتی غلام رسول قاسمی امرتسری کشمیری الاصل عالم تھے۔ ان کے علم و فضل کا اعتراف مولانا عبد الحق فرنگی محلی اور مولانا شبلی نے بھی کیا ہے۔ ۱۳۲۰ھ میں وفات پائی۔

۴۷ نصرت نوشاہی
شیخ سلیم الدین چشتی
(عارف لاہور ۶۰ جنوری)
شیخ چشتی کے حالات زندگی۔

۴۸ نعمان بنگلوری
محمود خاں محمود بنگلوری
(آجکل ۶۰ جنوری)
محمود کے حالات زندگی اور تصانیف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تاریخ و سیاسیات

۴۹ ادارہ:
گذرگاہ شوق۔ عرب کے ایک سفر کی سرگذشت
(چراغ راہ ۶۰ مارچ ۵-۹۷)
چودھری غلام محمد اور محمد عاصم صاحبان کے خطوط سے مدد لے کر سفر دیار عرب کی سرگذشت مرتب کی ہے۔

۵۰ خلیق احمد نظامی
حال نامۂ بایزید انصاری
(فکر و نظر علی گڑھ ۶۰ جنوری)
ایک فارسی مخطوطہ "حال نامہ" کا تعارف جو تحریک روشنائی کے بانی بایزید انصاری کے حالات پر مشتمل ہے۔

۵۱ خورشید احمد
آنیوالے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

(چراغ راہ ۶۰ مارچ ۱۸-۲۳)

اس عنوان کے تحت آلڈوس ہکسلے کی تازہ تصنیف «بریو نیو ورلڈ ریویزیٹڈ» کا تعارف اور اس سے متعلق چند تنقیدی نقاط پیش کئے ہیں۔

۵۲ رشید احمد، پروفیسر

(ثقافت ۶۰ مارچ ۲۹-۵۴)

جمال الدین افغانی کے سیاسی افکار ضروری توضیح کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

۵۳ قاصر، برہم ناتھ

جولیس سیزر

(فیض الاسلام ۶۰ جنوری و فروری ۱۳-۴۰ و ۵۴)

مقالہ کی چوتھی اور پانچویں قسط ہے۔

۵۴ قطب النسا ہاشمی

اردو سفرنامے

(مجلس حیدر آباد ۶۰ جنوری)

سفرناموں کی اہمیت، اور اردو میں لکھے ہوئے سفرناموں کا سرسری جائزہ۔

۵۵ محمد عاصم

روداد سفر

(ترجمان القرآن ۶۰ جنوری ۲۲۴-۲۷۵)

مولانا مودودی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ دیار عرب گئے ہوئے ہیں کہ مختلف آثار کا مطالعہ و مشاہدہ کریں۔ ان کے ایک ساتھی محمد عاصم نے اس سفر کے شروع کے حصہ کی روداد لکھی ہے جو یہاں درج ہے۔

۵۶ محمد عاصم

مولانا مودودی کا سفر بلاد اسلامی

(ترجمان القرآن ۶۰ فروری ۲۸۹-۳۰۲)

۲ — مولانا کے سفر کی روداد کی یہ دوسری قسط ہے۔

۵۷ محمد عزیر

پاکستان کے دوسرے پنجسالہ منصوبہ کے مقاصد

(چراغ راہ ۶۰ مارچ ۲۴-۴۲)

پاکستان کے دوسرے پنجسالہ منصوبہ کی نوعیت و کیفیت مع مقاصد بیان کی ہے۔

۵۸ نذیر احمد، ڈاکٹر

حافظ شیرازی کے دو قدیم ترین ماخذ

(فکر و نظر علی گڑھ ۶۰ جنوری)

حالات سید اشرف جہانگیر سمنانی اور ان کی دو کتابوں کا تعارف، حافظ کے قدیم ترین ماخذ کی حیثیت سے۔

۵۹ وحید قریشی

ثواقب المناقب

(اورینٹل کالج میگزین ۶۰ فروری)

مولانا محمد ماہ صداقت کی تصنیف «ثواقب المناقب» کو پہلی مرتبہ مع حواشی پیش کیا ہے۔

تنقید، ادب، لسانیات

۶۰ ابراہیم رنگلا

جدید اردو نظم

(شاعر بمبئی ۵۹ دسمبر)

اردو نظم نگاری کا آغاز شعوری طور پر محمد حسین آزاد کے زمانے سے ہوا گرچہ بہت پہلے نظیر اکبر آبادی نے اسکی ابتدا کردی تھی، مضمون نگار نے حالی، شبلی، آزاد اور اقبال کا جائزہ لیتے ہوئے جدید نظم گو شعراء پر روشنی ڈالی ہے۔

۶۱ احتشام حسین

ادبی تاریخ

(شاہراہ کہانی نمبر ۶۰)

ارتقائے ادب کی تاریخ سے لے کر ادب کی تقسیم اور اس کا زمانی تسلسل اور ساتھ ہی اردو کی تاریخ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور اس پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۶۲ احمد اسحاق نعمانی

مقالہ نما برائے شبلی

(آجکل دہلی ۶۰ جنوری)

شبلی سے متعلق مقالات کی فہرست جمع کی گئی ہے۔

۶۳ احمد حسین رفاعی

جگر کی شاعری کا واقعاتی پس منظر

(اردو کراچی ۵۹ اکتوبر)

اس قسط میں جگر کی شاعری کے دوسرے دور ۱۹۲۱ تا ۱۹۲۵ کا واقعاتی پس منظر پیش کیا گیا ہے۔

۶۴ ادارہ

غبار خاطر ــــ مشاہیر کے غیر مطبوعہ خطوط

(چراغ راہ ۶۰ مارچ ۴۹-۸۴)

علامہ اقبال، محمد علی جوہر، ابو الکلام آزاد، سید سلیمان ندوی، مسعود عالم ندوی، حسرت موہانی، عزیز لکھنوی، شاہ دلگیر، حسن الھضیبی، ابوالاعلیٰ مودودی، ابوالحسن علی ندوی اور امین احسن اصلاحی کے غیر مطبوعہ خطوط درج ہیں جن میں ادب، مذہب اور زندگی سے متعلق معلومات اور صراحت نجی باتوں کے ساتھ ملتی ہے۔

۶۵ ادارہ

ادارہ نمبر

(سب رس حیدرآباد ۶۰ مارچ)

ادارہ ادبیات اردو کی خدمات سے متعلق مضامین اور تقاریر کا مجموعہ۔

۶۶ ادارہ:

محمد قلی قطب شاہ نمبر

(سب رس حیدرآباد ۶۰ جنوری)

محمد قلی قطب شاہ سے متعلق مضامین ہ اور اردو کی ترقی میں دکنی ادب کا حصہ پر سمپوزیم

۶۷ اسلم ایم:
سخن ہائے گفتنی
(قومی زبان ۶۰ جنوری)
اردو کی تشکیل نو پر اظہار خیال کیا ہے۔

۶۸ اظہر راہی:
«ہجو، صنف سخن کی حیثیت سے»
(آج کل مارچ ۶۰)
ہجو کی صنفی اہمیت اور مختصر سی تاریخی روئداد ہے۔

۶۹ اقتدا حسن:
اسمعیل میرٹھی
(اردو کراچی ۵۹ اکتوبر)
اسمعیل میرٹھی کے حالات زندگی اور ان کے کلام پر تفصیلی تبصرہ۔

۷۰ اکبر علی خان:
غالب کا درباری اعزاز اور منصب
(ماہ نو کراچی ۶۰ فروری)
دربار سے غالب کے تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۷۱ امداد صابری:
حیات خواجہ میر درد دہلوی
(شاہراہ دہلی ۶۰)
مضمون نگار نے میر درد کے خاندان پر تحقیقی روشنی ڈالی ہے۔

۷۲ انیس:
شمس عظیم آبادی
(اقرار پٹنہ ۶۰ مارچ)
شمس عظیم آبادی کے حالات زندگی ذاتی تعلقات کی روشنی میں اور نمونۂ کلام

۷۳ جاوید اقبال:
ادب قوم پرستی اور لادینیت
(طلوع لاہور ۶۰ فروری)
قوم پرستی اور لادینیت کے ساتھ ادب کے رشتہ کو واضح کرنے کے بعد بتایا ہے کہ ہم مسلمان ہیں اس لئے ہمارا ادب تعمیری ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی بھی ہونا چاہئے۔

۷۴ جعفر طاہر:
تاجور نجیب آبادی
(قومی زبان ۶۰ فروری ۱۱)
تاجور نجیب آبادی کے حالات زندگی پیش کرتے ہوئے ان کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے اور اخیر میں ان کے کلام کا انتخاب بھی پیش کیا ہے۔

۷۵ جعفر طاہر:
اردو ادب کی تشکیل نو
(قومی زبان مارچ ۶۰ ۱۱-۱۵)
اردو ادب کے معیار کو بلند کرنے کے متعلق اپنے خیالات پیش کئے ہیں۔

۷۶ جوش ملسیانی:
اصلاح شعر
(آج کل مارچ ۶۰)
جوش ملسیانی صاحب کی اس کوشش سے نو روشق کے شعراء کو ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اصلاح شعر کا ایک جامع

جائزہ لیا گیا ہے۔

۷۷ حمید الدین خان:

اردو ادب کی تشکیل نو

(قومی زبان ۱۶ فروری ۶۰ ۱۲-۱۴)

اردو ادب کی تشکیل نو پر خاورصاحب کے خیالات سے کئی مواقع پر اختلاف ظاہر کیا ہے۔

۷۸ حنیف فوق:

تنقید — ایک تخلیقی عمل

(ادب لطیف سالنامہ ۶۰)

مقالہ میں حنیف صاحب کا قلم کبھی شاعر کا قلم ہو جاتا ہے اور کبھی طنز نگار کے نشتر کا کام دیتا ہے — یہ ایک اچھی چیز ہے کہ اس مقالہ میں ناقد کو اپنے انسانی فرض کا احساس دلایا گیا ہے۔ تاکہ وہ مقصدیت اور جماعتی گھیرا بندی سے آزاد ہوسکے۔

۷۹ رشید احمد صدیقی:

اردو نثر کا بنیادی اسلوب

(فکر و نظر علیگڑھ ۶۰ جنوری)

بنیادی اسلوب کی وضاحت کرنے کے بعد بتایا ہے کہ اردو نثر میں بنیادی اسلوب کے نمونے سرسید، حالی، عبدالحق اور عابد حسین وغیرہ کی تحریروں میں ملتے ہیں۔

۸۰ رقیبہ حسین:

شعر عرب کی مختصر تاریخ

(برہان ۶۰ فروری ۸۹-۹۷)

(شعراء بنی امیہ)

بنو امیہ کے زمانہ کے چند شاعروں مثلاً عمر ابن ربیعہ، اخطل، جریر، فرزدق کمیت، طرماح اور جمیل کے حالات دئیے اور ان کی شاعری پر اظہار رائے کیا ہے۔

۸۱ رفعت نواز:

شبنم

(عزیز احمد کا ایک ناول)

(مہر نیمروز ۶۰ مارچ ۲۹-۳۱)

عزیز احمد کے مذکورہ بالا ناول پر تبصرہ پیش کیا ہے۔

۸۲ رفیق خاور:

اردو ادب کی تشکیل نو

(قومی زبان ۶۰ یکم جنوری ۲-۱۲)

اردو ادب کی تشکیل نو سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

۸۳ رونق دکنی:

گربچن سنگھ کی افسانہ نگاری

(شاعر بمبئی دسمبر ۵۹)

گربچن سنگھ ایک حساس افسانہ نگار ہیں جنکی تخلیقات جدید رجحانات کی آئینہ دار ہیں، مختصراً ان کی فسانہ نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۸۴ ریاض احمد:

اقدار کا مسئلہ

(ماہ نو خاص نمبر ۶۰ ۴۹-۶۵)

قدر کے معنی مفہوم اور ادب میں اس کے استعمال پر مفصل اظہار خیال کیا ہے۔

۸۵ زور، محی الدین قادری
آندھرا کا پہلا اردو شاعر
(فروغ اردو لکھنؤ ۶۰ مارچ)
محمد قلی قطب شاہ کا تعارف، آندھرا کے پہلے صاحب دیوان شاعر کی حیثیت سے۔

۸۶ سخی حسن
مولد مصحفی
(اردو کراچی ۵۹ اکتوبر)
• مولد مصحفی پر تفصیلی بحث۔

۸۷ سرینواس لاہوٹی
پریم چند کا ذہنی ارتقاء
(شاہراہ کہانی نمبر ۶۰)
پریم چند کے ذہنی ارتقاء کا یہ مختصر جائزہ در اصل ہمارے ادب کے گذشتہ ۸۰ سال کی زندگی کا خاکہ ہے۔

۸۸ سعید احمد
نواب حمید اللہ خان اور دل شاہجہانپوری
(برہان ۶۰ مارچ ۱۳۰-۱۳۱)
نواب بھوپال اور دل شاہجہانپوری کے انتقال پر اظہار افسوس کیا ہے اور انفرادی خصوصیات بیان کی ہیں۔

۸۹ سعید نفیسی
ترجمہ: شاعر ندیم
جدید فارسی ادب کا سرسری جائزہ
(صبا ۶۰ مارچ ۳-۱۰)
جدید فارسی ادب کا سرسری جائزہ پیش کیا ہے۔

۹۰ سلام سندیلوی
رباعی بحیثیت واضح شاعری کے
(فروغ اردو لکھنؤ ۶۰ فروری)
شاعری کی دو قسموں واضح اور رمزیہ پر روشنی ڈالنے کے بعد رباعی کا بحیثیت واضح شاعری کے تعارف کرایا ہے۔

۹۱ سلیم تمنائی
میسور میں اردو
(سب رس حیدر آباد ۶۰ فروری)
میسور میں اردو کی عہد بہ عہد ترقی کا حال۔

۹۲ سید علی شاہ
ملتانی زبان کیا ہے
(اورینٹل کالج میگزین ۵۹ نومبر ۹۴-۱۲۰)
ملتانی زبان کی حقیقت و ماہیت پر اظہار خیال کیا ہے۔

۹۳ شمس تبریز خاں
مولانا محمد علی جوہر کی شاعری
(فروغ اردو لکھنؤ ۶۰ فروری)
جوہر کی شاعری کی خصوصیات کا تجزیہ۔

۹۴ صدیقی، حمید اللہ
ادب اور سماج
(دانش سالنامہ ۶۰ جنوری، فروری ۱۰۵)
ادب اور سماج کے باہمی تعلق اور ادب کے مقصد پر اپنے خیالات پیش کیے ہیں۔

۹۵ عبادت بریلوی

ادبی تخلیق میں تجربے کی اہمیت

(ادب لطیف سالنامہ ۶۰)

« تجربہ کسی نئے اسلوب اور نئی ہیئت ہی کا نام نہیں ہے۔۔۔۔ایک ایسا جمالیاتی اظہار جو افراد کے دلوں میں جگہ بناسکتا ہے۔ تجربہ ایک اضطراری اور فطری عمل ہے، معاشرتی اور تہذیبی تبدیلی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ذہنی اور ذوقی تبدیلی میں اس کا وجود ہوتا ہے۔۔۔ تجربہ کبھی عالم جمود میں پیدا نہیں ہوتا اس کے لئے تو ایک انقلابی فضا چاہئیے »

۹۶ عبادت بریلوی

شاعر انقلاب

(سویرا لاہور نمبر ۲۷)

جوش ملیح آبادی کا تعارف، اور ان کی شخصیت کی بعض اہم خصوصیات کا تذکرہ، ذاتی مشاہدہ کی مدد سے۔

۹۷ عبد الرزاق قریشی

مکاتیب مرزا مظہر جان جاناں

(معارف ۶۰ فروری ۸۰۔۱۰۴)

مرزا مظہر جان جاناں کے مکاتیب کا تعارف درج ہے۔ یہ مکاتیب عالمانہ اور متصوفانہ حیثیت سے بلند اور اہم ہیں۔

۹۸ عبد السلام خان

اشک رامپوری

(آجکل دہلی ۶۰ جنوری)

اشک رامپوری کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۹۹ عبد الحق

گجرات میں اردو

(قومی زبان ۱۶ فروری ۶۰)

گجرات میں اردو زبان و ادب کی تشکیل اور اشاعت کے اسباب پر اظہار خیال کیا ہے۔

۱۰۰ علیم اللہ حالی

انشائیہ

(اشارہ پٹنہ ۶۰ مارچ)

انشائیہ کی تعریف، اس کے اقسام اور اردو کے انشائیہ نگاروں پر مختصر سا تبصرہ۔

۱۰۱ عنایت اللہ

لسانیات

(معارف ۶۰ جنوری ۶۔۱۷)

علم لسانیات کی تعریف کے بعد دوسرے متعلقات سے گفتگو کرتے ہوئے سامی اور آریائی خاندان السنہ پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۰۲ غلام مصطفیٰ

فقہ ہندی منظوم

(اردو کراچی ۵۹ [illegible])

فقہ ہندی مصنفہ عبد اللہ امین پتھانی کا تفصیلی تعارف۔

۱۰۳ فاروقی، نثار احمد

ذکر مصحفی

(برہان ۶۰ جنوری ۵۰-۵۵)

اس قسط میں محمد یار خاں امیر کے دربار سے مصحفی کی وابستگی، خوشحالی اور پھر پریشانی کا ذکر کیا ہے (باقی)۔

۱۰۴ فاروقی، نثار احمد

غالب نما

(برہان ۶۰ فروری ۹۸-۱۱۲)

غالبیات کے سلسلے میں ایک طویل فہرست کا مختصر و منتخب حصہ درج ہے جس کے پہلے حصے میں مضمون نگاروں کی ترتیب سے اور دوسرے حصے میں مضامین کی ابجدی ترتیب کے لحاظ سے مواد فراہم کیا ہے۔ اس میں کتابیں، رسالے، اخبار سبھی آ گئے ہیں۔

۱۰۵ فاروقی، نثار احمد

قائم چاندپوری کی ایک عشقیہ مثنوی

(سب رس حیدرآباد ۶۰ فروری)

قائم کے حالات زندگی اور ان کی ایک مثنوی کا تعارف جو غلطی سے سودا کی طرف منسوب کردی گی ہے۔

۱۰۶ فائق کلب علی خان:

حیات مومن

(اورینٹل کالج میگزین ۵۹ نومبر ۱-۹۴)

مومن کے کلام نثر و نظم اردو و فارسی کے پیش نظر، حیات مومن کو مرتب کیا ہے۔

۱۰۷ فرمان فتحپوری:

رباعی اور دوبیتی

(نگار ۶۰ مارچ ۲۹-۲۸)

اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے جو «رباعی، ترانہ اور دوبیتی» کے درمیان پیدا ہوئی ہے۔

۱۰۸ فرمان فتحپوری:

نئے اور پرانے لکھنے والے

(مہرنیمروز سالنامہ ۶۰ ۳۱-۳۷)

نئے اور پرانے لکھنے والوں کے مزاج اور انداز نظر پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۰۹ فصیح الدین بلخی:

اجاگر چند الفت عظیم آبادی

(اشارہ پٹنہ جنوری فروری)

الفت بہار کے متقدمین ہندو شعراء میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں ان کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اور بعض محققین کی غلطیوں پر روشنی ڈالی گی ہے۔

۱۱۰ فیاض الدین حیدر:

علامہ شبلی کا نظریۂ شاعری

(صبح نو پٹنہ ۶۰ مارچ)

شعرالعجم کی مدد سے شبلی کے نظریۂ شاعری پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۱۱ قادری، محمد ایوب:

مکتوبات

سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی

(الیلم ۵۹ اکتوبر ۴۲)

مولانا احمد سعید دہلوی کے مکاتیب کو مرتب کیا ہے

۱۱۲ قاضی عبدالودود:

بیاض عنایت حسین خان مجہور بنارسی

(نوائے ادب بمبئی ۶۰ جنوری)

مہجور بنارسی کی بیاض کا تعارف اور اسکے اہم مقامات کا خلاصہ۔

۱۱۳ قاضی عبدالودود:

مثنویات میرزا رکن الدین عشق دہلوی

(مجلس حیدرآباد ۶۰ جنوری)

عشق دہلوی کی تین مثنویوں کا تعارف

۱۱۴ قدرت نقوی:

مثنوی ابر گہربار

(ماہ نو کراچی فروری ۶۰)

غالب کے کلیات میں گیارہ مثنویاں ہیں ۔ ان کے علاوہ اور بھی انہوں نے چھوٹی چھوٹی مثنویاں لکھی ہیں لیکن مثنوی ابر گہربار طویل بھی ہے اور اہمیت بھی رکھتی ہے یہاں اس کی اشاعت کی تاریخ اور اہمیت پر روشنی ڈالی گی ہے۔

۱۱۵ قریشہ بانو قمر:

کلام فانی پر ایک نظر

(فروغ اردو لکھنو ۶۰ مارچ)

فانی کی شاعری پر اظہار خیال

۱۱۶ قطب سید، صدیقی نجات اللہ

اسلامی ادب کا منہاج

(چراغ راہ ۶۰ مارچ ۱۴-۱۷)

اسلامی ادب یا اسلامی آرٹ مقصدی ادب اور مقصدی آرٹ ہے۔

۱۱۷ کبیر احمد جائسی:

شفیق جونپوری کی شاعری

(داش ۶۰ مارچ ۱۰-۱۴)

تشبیہ و استعارہ کی روشنی میں شفیق کی شاعری پر اظہار خیال کیا ہے ۔

۱۱۸ گوپی چند نارنگ:

مثنویات ہیر رانجھا

(شاعر دسمبر ۵۹)

پنجابی زبان میں اس قصے کو سب سے پہلے دمودر روڑہ نے لکھا اس کے علاوہ اور بھی پنجابی شعرا نےاسے نظم کیا سندھی زبان میں اس کہانی سے متعلق تین اور فارسی میں پندرہ مثنویاں لکھی گئیں اردو میں مول چند منشی دہلوی، نجیب الدین اکرم الہی بھوپالی اور عبدالغفور قیس نے اس کہانی پر طبع آزمائی کی. مختصراً ان مثنویات پر روشنی ڈالی گی ہے۔

۱۱۹ گوپی چند نارنگ:

ایک غیر معروف مثنوی گلدستہ مسرت

(نگار ۶۰ مارچ ۱۳-۱۶)

منشی عطا علی خاک کی ایک غیر معروف مثنوی موسوم بہ گلدستہ مسرت پر اظہار خیال کیا ہے ۔

۱۲۰ محسن انصاری:

آتش کافن

(داش سالنامہ ۶۰ ۱۱-۲۱)

آتش کی شاعری پر مفصل اظہار خیال کیا ہے۔

۱۲۱ محمد احسن:

دنیا کی عظیم ترین [illegible]

(اردو کراچی ۵۹ اکتوبر)

فیلڈنگ کے ناول "ٹوم جونس" پر تفصیلی تبصرہ۔

۱۲۲ محمد احمد صدیقی

اقبال کا نظریہ حیات

(جام نو کراچی ۶۰ مارچ)

یہ مضمون گذشتہ سے پیوستہ ہے جس میں خودی، فلسفہ عشق، فلسفہ عقل وغیرہ موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۲۳ محمد احمد صدیقی

جوش کا ابتدائی رنگ تغزل

(جام نو کراچی ۶۰)

جوش کی ابتدائی غزلیں جوکہ "روح ادب" میں شائع ہوئی ہیں ان کی خوبیاں بتائی گئی ہیں۔

۱۲٤ محمد احمد صدیقی

جوش کی ابتدائی شاعری

(العلم ۵۹ اکتوبر ۷۸)

جوش کی ابتدائی شاعری پر مبسوط تبصرہ پیش کیا ہے۔

۱۲۵ محمد ایوب شمیم ندوی

علامہ سید سلیمان ندوی

(اشارہ پٹنہ ۶۰ جنوری و فروری)

سید صاحب کی زندگی پر مختصراً روشنی ڈالتے ہوئے ان کی ادبی زندگی کے کارنامے اور اہم واقعات جمع کئے گئے ہیں۔

۱۲۶ محمد حسن

ہماری شاعری کے نو برس

(ادب لطیف ۶۰ سالنامہ)

سنہ ۵۱ء کے بعد ہماری شاعری میں موضوعاتی رنگ آہستہ آہستہ غالب ہونے لگا ....شاعری کا یہ دور فیض، فراق اور اختر الایمان کا دور کہا جاسکتا ہے"۔ اردو شاعری کا یہ نو سالہ جائزہ بہت ہی مختصر ہے۔

۱۲۷ محمد حسن

غالب کا تصور غم

(فروغ اردو ۶۰ جنوری)

غالب کے تصور غم پر تبصرہ ان کے اشعار کی روشنی میں۔

۱۲۸ محمد حسین

اردو میں انگریزی لغات کی ہیئت

(جام نو کراچی ۶۰ جنوری)

باہمی میل جول سے کسی زبان میں جب بیرونی الفاظ داخل ہوتے ہیں تو زبان کا مخصوص لہجہ ان کی ہیئت میں تبدیلی پیدا کرتا ہے اور انہیں مانوس بنادیتا ہے۔ اردو لہجہ کی امتیازی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے انگریزی الفاظ کی ہیئت کی تبدیلی دکھائی گئی ہے۔

۱۲۹ محمد صادق، ڈاکٹر

مستقبل کی اردو

(ماہ نو ۶۰ خاص نمبر ۵۸-۵۳)

زندہ زبانوں میں زمانے کی رفتار اور ترقی کے ساتھ تبدیلیاں پیدا ہوتی رہتی

ہیں۔ مضمون نگار نے مستقبل کی اردو پر اظہار خیال کرتے ہوئے، ان اثرات کا اجمالاً تذکرہ کیا ہے جو اس سے اثر انداز ہوتے رہے ہیں اور خصوصیت کیساتھ ان لسانی تبدیلیوں کو پیش کیا ہے جو تشکیل پاکستان سے وجود میں آئی اور آئینگی۔

۱۳۰ محمود پرویز، کاکوی

شرر کا ایک ناول — فردوس بریں

(جام نو کراچی ۶۰ جنوری)

عبد الحلیم شرر کا ناول "فردوس بریں" ان کا شاہکار ناول ہے اور فنی نقطہ نظر سے مکمل اور مناسب ہے۔ البتہ موجودہ دور کے لحاظ سے چند نقائص ضرور ہیں مگر یہ نقائص شرر کے زمانہ اور ماحول کی وجہ سے ہیں۔

۱۳۱ محمود حسن قیصر

مصحفی بحیثیت فارسی شاعر

(معارف ۶۰ جنوری ۲۔۶۸)

مصحفی کی فارسی شاعری کا تعارف درج ہے۔

۱۳۲ محمود حسن قیصر

کلام مصحفی پر اسیر کی اصلاحات

(نوای ادب بمبئی ۶۰ جنوری)

دیوان مصحفی کے اس مخطوطہ کا تعارف جس میں اسیر کے قلم کی اصلاحات موجود ہیں۔

۱۳۳ رضی الدین احمد

شمس العلماء نواب عزیز جنگ ولا

(مجلس حیدر آباد ۶۰ جنوری)

ولا کے حالات زندگی اور انکی شاعری پر تبصرہ۔

۱۳۴ مختار الدین احمد، آرزو

سر سید کے کچھ غیر مطبوعہ خطوط

(فکر و نظر علی گڑھ ۶۰ جنوری)

سر سید کے ۱۷ غیر مطبوعہ خطوط کا تعارف۔

۱۳۵ مسعود احمد

حضرت غمگین غالب کی نظر میں

(اردو کراچی ۵۹ اکتوبر)

حضرت میر سید علی شاہ غمگین کے حالات زندگی اور ان خطوط کا تعارف جو غالب نے غمگین اور بعض دوسرے لوگوں کو لکھے، غمگین کے جواب کے ساتھ۔

۱۳۶ مظہر عالم

ریاض خیر آبادی

(فروغ اردو لکھنؤ ۶۰ جنوری)

ریاض کے حالات اور ان کے کلام پر تبصرہ۔

۱۳۷ ملک محمد طوفی

ادب اور نظریہ

(چراغ راہ ۶۰ جنوری ۸۔۱۲)

ادب کے مقصدی ہونے کے نظریہ کی وضاحت اور ساتھ ہی اہمیت بیان کی ہے۔

۱۳۸ منیر فاروقی

اردو کی دو مقبول مثنویاں
(صبح نو پٹنہ ۶۰ فروری)

اردو کی دو مقبول مثنویاں سحر البیان اور گلزار نسیم دونوں کی خصوصیات اور بنیادی فرق کو بتایا گیا ہے۔

۱۳۹ مظفر ملک

صنف مرثیہ کے ارتقاء میں میر کا حصہ
(اورینٹل کالج میگزین ۶۰ فروری ۵۵-۶۹)

اردو کے سلسلہ میں میر کی خدمات پیش کی ہیں۔

۱۴۰ ممتاز حسین

غبار خاطر
(العلم ۶۰ جنوری ۹)

مولانا آزاد کی کتاب پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

۱۴۱ میکش اکبر آبادی:

آزاد کی کہانی
(مہر نیمروز سالنامہ ۶۰ ۴۸-۴۰)

عبدالرزاق ملیح آبادی کی کتاب «آزاد کی کہانی» پر ناقدانہ تبصرہ پیش کیا ہے۔

۱۴۲ نسیم احمد:

چندا
(اورینٹل کالج میگزین ۶۰ فروری ۴۲-۵۲)

مختلف تذکروں کی روشنی میں اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ چندا کے حالات پیش کئے ہیں۔

۱۴۳ نصیرالدین ہاشمی:

حیدرآباد میں جنگ آزادی کا اردو ادب
(نوائے ادب بمبئی ۶۰ جنوری)

حیدرآباد کے اس اردو ادب کا تعارف جو جنگ آزادی سے متعلق ہے۔

۱۴۴ نصیرالدین ہاشمی:

گلشن شعرا
(مجلس حیدرآباد ۶۰ جنوری)

اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ لطف النساء امتیاز کی مثنوی گلشن شعرا کا تعارف۔

۱۴۵ سیدہ جعفر:

سجاد انصاری کے انشائیے
(مجلس حیدرآباد ۶۰ جنوری)

اردو نثر میں سجاد انصاری کے انشائیوں کی اہمیت پر تبصرہ۔

۱۴۶ نظر، محمد انصاراللہ:

ذوق کے متعلق آزاد کے بعض بیانات
(نگار ۶۰ مارچ)

ذوق کے متعلق آزاد کے بعض بیانات پر ناقدانہ تبصرہ کیا ہے۔

۱۴۷ نیاز فتحپوری:

مولانا آزاد اپنے خطوط کے آئینے میں
(نگار ۶۰ مارچ ۳۲-۴۰)

خطوط کے آئینہ میں مولانا آزاد کی شخصیت کے نقوش پیش کئے ہیں۔

۱۴۸ وحید الدین خان:

مضمون نگاری کی الف، ب
(داعی ۶۰ مارچ ۵-۹)

مضمون نگار نے مضمون لکھنے کے فن اور اس کے لوازمات پر اظہار خیال کیا ہے۔

۱۴۹ وزیر آغا:

"اردو افسانے میں کردار کی پیشکش"

(ادب لطیف سالنامہ ۶۰)

پریم چند، نیاز، جنون، پنڈت الوپی دین سلطان حیدر جوش، راشد الخیری، عظیم بیگ چغتائی، امتیاز علی تاج، پطرس، کرشن چندر منٹو، ممتاز مفتی، محمد حسن عسکری، انور عظیم، خلیل احمد، وغیرہ کے تخلیق کردہ کرداروں پر ایک بحث ہے۔ تشنگی کا احساس ضرور رہتا ہے۔

۱۵۰ وقار عظیم:

ڈرامے کی فنی اور ادبی قدریں

(ماہ نو کراچی جنوری ۶۰)

ڈرامے کے ارتقا پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اس کی فنی اور ادبی دونوں حیثیتیں مسلم ہیں۔

۱۵۱ ہنسراج:

"کرشن چندر اور اس کا فن"

(شاہراہ کہانی نمبر ۶۰)

کرشن چندر کے فن کا ایک جائزہ۔

۱۵۲ یوسف بخاری:

جانشینِ غالب کا مسئلہ

(ماہ نو کراچی فروری ۶۰)

تاریخی حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ غالب کے صحیح جانشین نیر کے بجائے علائی تھے۔

۱۴۳ یونس

محمد صدیق صائب

(ٹونک کا ایک فکر آگیں شاعر)

(شاعر بمبئی دسمبر ۵۹)

صائب کی شاعری ان کے دور اور ٹونک کی روایاتی شاعری سے بالکل جداگانہ ہے ان کی شاعری پر ان کی فطرت ماحول اور حالات کے مختلف عوامل کا اثر ہے۔ صائب کے حالات زندگی اور شاعری کا جائزہ لیا گیا ہے۔

آرٹ

۱۵۴ اسلوب احمد انصاری:

یونانی المیہ

(فکر و نظر علی گڑھ، ۶۰)

یونانی زبان کے المیہ ڈراموں پر تبصرہ

۱۵۵ محمد جعفر شاہ

اسلام اور مصوری

(ثقافت ۶۰ء مارچ ۱۲-۲۸)

مصوری سے متعلق مروجہ نظریہ کی تغلیط کرتے ہوئے اسلامی نظریہ کی توضیح کی ہے۔

۱۵۶ نامی، عبد العلیم

اردو تھیٹر کا معمار۔ جگناتھ شنکر سیٹھ

(نوائے ادب بمبئی ۶۰ جنوری)

جگناتھ شنکر سیٹھ کے حالات زندگی اور مرہٹی و اردو تھیٹر سے متعلق ان کی خدمات کا تعارف۔

اقتصادیات

۱۵۷ صدیقی، محمد نجات اللہ

انفرادی ملکیت

(زندگی رامپور ۶۰ مارچ ۱۰-۵۰)

مقالہ نگار کی تصنیف: اسلامی نظریہ ملکیت، کا دوسرا باب ہے جس میں فرد و اجتماع کے مابین حقوق ملکیت کی تقسیم پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۵۸ نظام الدین

اسلام کی اقتصادی تعلیم

(فروغ اردو لکھنؤ ۶۰ فروری)

اسلام کی اقتصادی تعلیمات کا خلاصہ تین قسطوں میں۔

تعلیمات

۱۵۹ سعید احمد رفیق

شاہان مغلیہ کا شاہی کتب خانہ

(العلم ۶۰ مارچ ۴۱)

شاہان مغلیہ کے شاہی کتب خانہ پر مفصل اظہار خیال کیا ہے۔

۱۶۰ صارم، عبد الصمد

قدیم اسلامی نظریۂ تعلیم

(عارف لاہور ۶۰ جنوری)

قدیم اسلامی نظریۂ تعلیم کا خلاصہ، دسویں صدی ہجری سے پیشتر کے مصنفین کی کتابوں کی مدد سے۔

متفرقات

۱۶۱ رسول احمد

جبر و قدر

(فاران ۶۰ فروری ۱۱-۲۱)

مسئلہ جبر و قدر کی وضاحت کرتے ہوئے اسلامی نقطۂ نظر کی تصریح کی ہے۔ آخر میں ماہر القادری کا اس سے متعلق ایک نوٹ بھی ہے۔

۱۶۲ شبیر احمد، غوری

مسلمانوں کے ہندسی ادب کی ثروت

(معارف ۶۰ جنوری ۲۸-۴۰)

[illegible] میں اصول اقلیدس کی شرح کی ہے (مسلسل)

و تفسیر کے سلسلے میں مسلمانوں کی خدمات بیان کیں اور ان کی اہمیت دکھائی ہے۔

۱۶۳ شبیر احمد، غوری

یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ - اموی خلافت

(برہان ۶۰ جنوری ۲۸-۴۱)

اموی خلافت کے عہد میں یونانی علوم کے مسلمانوں میں داخلہ کی کیفیت بیان [illegible]

۱۶۴ طالب، محمد عباس صفوی

فلاسفہ کا تصور الہ

(نگار ۶۰ مارچ ۲۱-۲۴)

ابن رشد کے فلسفہ الہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

۱۶۵ عبد القیوم، ندوی

علم الحیوان میں مسلمانوں کی تحقیق

(تعمیر انسانیت لاہور ۶۰ مارچ)

علم الحیوان کے مسلم ماہرین کا تذکرہ اور ان کے بعض نظریات کا خلاصہ۔

۱۶۶ محمد عثمان

یونانیوں کے پرانے استاد سامی تھے

(معارف ۶۰ فروری ۱۳۷-۱۴۹)

مدلل طور پر دکھایا گیا ہے کہ سامیوں نے یونانیوں کو علم و فضل عطا کیا۔ (باقی)

پرنٹر پبلشر حامد اللہ ندوی نے ادبی پرنٹنگ پریس، ۸ شیفر روڈ بمبئی ۸ میں چھپوا کر
انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ، بمبئی ۱ سے شائع کیا

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کا

سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

ناشر

ادبی پبلشرز (شعبہ اشاعت انجمن اسلام) بمبئی

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

اغراض و مقاصد

۱. ایم اے کی تعلیم کا انتظام
۲. پی ایچ ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت۔
۳. تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون۔
۴. ایک جامع کتب خانہ کا قیام۔
۵. مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کی ترتیب۔
۶. نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت۔
۷. اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی سہ ماہی رسالہ کا اجراء۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کی خصوصیات

۱. اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق۔
۲. گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت
۳. اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع۔
۴. اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت۔

رسالہ سال میں چار بار شائع ہوگا

جنوری اپریل جولائی اکتوبر

چندہ سالانہ:- چار روپے مع محصول ڈاک
شش ماہی:- دو روپے
فی پرچہ:- ایک روپیہ

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی

ترسیل مضامین و خط و کتابت

ڈائرکٹر
انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
۹۲. دادا بھائی نوروجی روڈ
بمبئی ۱

خریداری و ترسیل زر

ہندوستان میں:-

ادبی پبلشرز
۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

نوائے ادب بمبئی

جلد ۱۱ | اکتوبر ۱۹۶۰ع | شمارہ ۴

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	شذرات	نجیب اشرف ندوی	۲
۲	بمبئی سے متعلق دو قدیم مثنویاں	نجیب اشرف ندوی	۵
۳	جنگ آزادی کا اولین مجاہد	ڈاکٹر ثمینہ شوکت، حیدر آباد	۱۷
۴	نساخ اور اس کے کارنامے	جناب سید لطیف الرحمان، کلکتہ	۳۰
۵	ابو المعرفت شاہ زین الدین کنج نشین بیدری رح	جناب محمد سخاوت مرزا، حیدر آباد	۴۱
۶	مقالہ نما (ضمیمہ)	ڈاکٹر عالی جعفری و دیگر مرتبین	۱-۲۴

شذرات

اردو دنیا کے لئے اس سہ ماہی کا سب سے جانگداز حادثہ علی سکندر جگر مرادآبادی کی وفات ہے۔ گذشتہ پچاس برس میں جن لوگوں نے غزل گو شاعر کی حیثیت سے امتیازی شہرت حاصل کی، ان کی محدود تعداد میں جگر بھی شریک ہیں۔ جگر کی شاعری ابتدا ہی سے بادۂ عشق سے متاثر نظر آتی ہے اور اس میں عشق کی ساری بے باکی، جراءت اور سرمستی پائی جاتی ہے۔ وہ مجاز کے راستہ سے حقیقت کی منزل تک پہنچنا چاہتے تھے کہ ان کا دعویٰ ہے ع

مآل عاشقی ہے روح کا بیدار ہو جانا۔

اختتام تعلیم کے بعد انہوں نے چشموں کی تجارت شروع کی اور اس بصارت بخشی نے ان کو وہ بصیرت بخشی جس نے ان کی متلاشی نگاہ کو عالمِ مجاز کی نیرنگیوں سے ہٹا کر حقیقت کے سدا بہار گلزار کی طرف پھیر دیا۔ چنانچہ ان کے کلام کے تین مجموعے ان کے ذہنی ارتقا کے غماز ہیں۔

جگر مرحوم اپنی تجارت کے سلسلہ میں اعظم گڈھ پہنچے۔ یہاں اربابِ دارالمصنفین کے علاوہ مولانا سہیل اور مرزا احسان احمد وغیرہ جیسے اہلِ ذوق موجود تھے انہوں نے ان کو پہلی مرتبہ وہ درجہ دینے کی کوشش کی جس کے وہ مستحق تھے۔ چنانچہ مرزا احسان احمد نے ان کے کلام کو جمع کیا، اس پر سیر حاصل مقدمہ لکھا اور «داغ جگر» کے نام سے اسے شائع کیا۔ جگر چوں کہ اصغر سے متاثر تھے اس لئے «داغ جگر» کی اشاعت کا ایک مفید نتیجہ یہ نکلا کہ اصغر کا کلام «نشاطِ روح» کے نام سے شائع ہوا اور اس پر احسان صاحب کے ساتھ ہی ساتھ مولانا اقبال سہیل نے تبصرہ لکھا۔ «نشاط روح» کا خوشگوار نتیجہ، جگر کا دوسرا دیوان «شعلۂ طور» تھا جو پہلے علی گڈھ میں چھپا لیکن مکتبہ جامعہ کے افق سے چمکا۔ اب جگر کی نظر میں شعلہ و گل ایک تھے اور اس لئے ان کا تیسرا مجموعہ «آتشِ گل» کی حرارت و [illegible] کا حامل ہے

جگر میں ایک شریف، دردمند انسان کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔ خامیوں سے وہ کوسوں دور تھے۔ نیک سیرتی، انسان دوستی اور اصول پرستی ان کے کردار کے اہم جز تھے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ موجودہ عہد کے غزل گو شعرا ایک حد تک ان سے متاثر نظر آتے ہیں۔

راقم الحروف کو بھی قیام دارالمصنفین کے زمانہ میں بارہا جگر صاحب سے نیاز حاصل رہا اور بحمداللہ یہ رشتۂ محبت آخر تک باقی رہا۔ آج جگر ہم میں نہیں رہے لیکن ان کا داغِ جگر، شعلۂ طور اور آتش گل ہمیشہ روشن رہے گا۔ اللہ پاک ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین!

سنہ ۱۹۶۱ء میں ہمارے ملک کی جدید مردم شماری ہونے والی ہے۔ اس مردم شماری پر ملک کے بہت سے اہم مسائل کے حل کا دارو مدار ہے۔ انہی مسائل میں زبان کا مسئلہ بھی ہے۔ حکومت اس مردم شماری کے ذریعہ یہ معلوم کرے گی کہ ملک کے کس گوشہ میں کتنے اردو بولنے والے ہیں، اس لئے ہم کو گزشتہ مردم شماریوں سے سبق لیتے ہوئے ابھی سے ایسی منظم جماعتیں بنانا چاہئیے کہ ایک طرف تو وہ اردو دوست اصحاب کو متنبہ کریں کہ وہ اس پر بضد رہیں کہ زبان کے خانے میں ان کے نام کے سامنے اردو کا لفظ ہو اور دوسری طرف اس بات کا خیال رکھیں کہ سرکاری کارکن اردو، ہی کا لفظ لکھیں، یہ کام انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہے اور ہم خوش ہیں کہ انجمن اس طرف سے غافل نہیں ہے۔ پھر بھی یہ کام اتنا وسیع اور صبر طلب ہے کہ اگر فوراً اس کو شروع نہ کیا گیا اور تنظیم مستحکم نہ ہوئی تو عین وقت پر کچھ نہ ہوسکے گا۔

ہم نے اردو کے صحیح املا اور اوقاف میں یکسانیت پیدا کرنے کی طرف اپنے ناظرین کی توجہ منعطف کرانے کی کوشش کی ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی گئی۔ ٹائپ کی مقبولیت نے اس کو زیادہ اہم اور آسان دونوں بنا دیا ہے۔ اب سے بہت پہلے خود انجمن ترقی اردو (ہند) نے کچھ اصول بنائے تھے لیکن ان کا ملک گیر پیمانہ پر کیا [illegible] اہل [illegible] کے یہاں ان کی پابندی نہیں ہوتی۔ اس لئے ضرورت ہے کہ انجمن [illegible] [illegible] کی طرف فوراً توجہ ہو اور [illegible] مصنف کی [illegible]

پر کافی غور کیا ہو ، ایک کمیٹی بنائیے ۔ اس میں مختلف افراد کے ساتھ ہی ساتھ اشاعتی اداروں کے ارباب بھی شریک ہوں ۔ اس طرح ہم اردو املا و اوقاف سے متعلق بڑی ضرورت کو پورا کرسکیں گے ۔

اردو کی راہ میں اگرچہ بہت سی مشکلات ہیں پھر بھی جہاں استقلال و خلوص کے ساتھ کام کیا گیا ہے کوئی نہ کوئی مفید نتیجہ ضرور نکلا ہے ۔ اس کی بڑی اچھی مثال دلی کارپوریشن کا وہ مستحسن اقدام ہے جو اس نے اردو کو اپنے یہاں جگہ دینے کی طرف اٹھایا ہے ۔ اردو والوں کا یہ مطالبہ کبھی نہیں رہا کہ اردو کو سرکاری زبان بنایا جائے لیکن اس کا مطالبہ اور حق بجانب مطالبہ ضرور رہا کہ اس کا جو جائز درجہ اور حق اسے کسی علاقہ میں حاصل ہے اس سے محروم نہ کیا جائے ۔ اتر پردیش اور بہار میں اسی اصول کے ماتحت لاکھوں دستخط کے ساتھ عریضے پیش کئے گئے اور آج تک ان کے جواب کا انتظار ہے ۔ اسی طرح اب بعض یونیورسیٹیوں نے اپنے یہاں اردو کے ایم ۔ اے ۔ کی تعلیم بھی شروع کردی ہے ۔ خود ہماری یونیورسیٹی میں اردو ، ایم ۔ اے ۔ کے طلبہ کی تعداد بہت امید افزا ہے ۔ لیکن ہم کو اس سلسلہ میں اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ اردو کی بقا و ترقی کے لئے زیادہ ضروری چیز ابتدائی تعلیم ہے نہ کہ اعلیٰ تعلیم ۔

اس شمارہ کے ساتھ نوائے ادب کے گیارہ سال پورے ہوئے ہیں اور بحمد اللہ ہم مطمئن ہیں کہ ہم سے اردو زبان و ادب کی تحقیقات سے متعلق جو خدمت بھی ہو سکی ہم نے کی ، اگلی اشاعت میں ہم دس برسوں کے مضامین کی ایک مجموعی فہرست شائع کریں گے تاکہ ارباب تحقیق کو تلاش و جستجو میں آسانی ہو ۔ آج سے چند سال پہلے اورئنٹل کالج میگزین نے اس طرح کی ایک فہرست شائع کی تھی ۔ ضرورت ہے کہ اردو کے گذشتہ اور موجودہ علمی و تحقیقاتی رسالوں کی ایک ایسی ہی فہرست ترتیب دی جائے تاکہ کام کرنے والوں کو آسانی ہو اور ان کا بہت سا وقت بچ جائے ۔

بمبئی سے متعلق دو قدیم مثنویاں

نجیب اشرف ندوی

یوں تو بمبئی کو عروس البلاد، شہر پر زخوباں اور ارض رنگ و بو کہا جاتا ہے لیکن پھر بھی اس پر وقتاً فوقتاً ایسا زمانہ گزرا ہے جب کہ اس کی زندگی خطرہ میں آگئی اور وہ شہر معمور کی جگہ تودۂ خاک ہوکر رہ گئی ہے۔ اسی قسم کا ایک حادثہ اس کو ۱۷ فروری سنہ ۱۸۰۳ء کو پیش آیا تھا اور اس نے بمبئی کی آبادی پر اثر کیا تھا۔ اس آتش زدگی کی شدت کا اندازہ اس رپورٹ سے ہوسکتا ہے جو اس وقت کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر جان تھن ڈنکن (Jonathan Duncan) اور ان کی مجلس مشاورت کے رکن جان ہکٹر چیری (John Hector Cherry) نے ۲۲ فروری سنہ ۱۸۰۳ء کو کورٹ آف ڈائرکٹرس کی خدمت میں روانہ کی تھی، اس میں وہ لکھتے ہیں:

"ہم انتہائی تردد و انتشار کے ساتھ عزت مآب کورٹ کو اطلاع دیتے ہیں کہ اس سال کی ۱۷ فروری کو یہاں کے سب سے بڑے اور وسیع بازار میں جو فوجی چھاؤنی کے درمیان واقع ہے سخت آتشزدگی کی واردات واقع ہوئی اس کا اثر اس علاقہ کے باشندوں پر بہت زیادہ ہوا ہے ... . جہاں تک ہم کو پتہ چلا ہے یہ کسی شرارت کا نتیجہ نہیں ہے ... . یہ آگ یا تو ایک پارسی رئیس و تاجر اردشیر دادی کے اصطبل یا اسی کے پاس کسی ہندو کی شادی کے منڈپ سے شروع ہوئی، ہوا نے اس آگ کو اور بھڑکایا اور قریب تھا کہ سارا فوجی علاقہ عموماً اور بارود وغیرہ کے مخزن خصوصاً اس کی لپیٹ میں آجاتیں کہ ایک طرف تو کمپنی کے فوجی بیڑے کے امیرالبحر نے اپنے افسروں اور آدمیوں کے ساتھ آگ بجھانے کی کوشش کی اور دوسری طرف چند گھنٹوں کے بعد ہوا کا رخ بدل گیا اور شمال مغربی جانب چلنے کی جگہ صرف شمال کی طرف چلنے لگی۔ اس آتشزدگی میں تقریباً ۳۲ لاکھ روپیوں کا نقصان ہوا۔"

اس خیال کے ماتحت کہ آئندہ اس قسم کے واقعات رونما نہ ہوں، گورنر نے

یہ تجویز بھی پیش کی کہ اس علاقہ میں جو آج بھی قلعہ (Fort) کہلاتا ہے، کاٹ جن کے مکانات لٹوں کی دیواریں اور جھاولی (تاڑ کے سوکھے پتے) کے چھپر نہ بنائے جائیں، اس تجویز کے منظور ہونے میں ایک سال لگا اور اس کے بعد پولس کی زیر نگرانی اس قسم کے مکانات منہدم کردئے گئے۔ معاوضہ میں لوگوں کو ایسی جگہ دی گئی جو رہائشی مکانات کے لئے موزوں نہیں تھی۔ چنانچہ لوگوں نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، لیکن یہ صدا بصحرا ثابت ہوئی۔

انہیں دو حادثوں کو اس عہد کے مشہور کوکنی شاعر بابو میاں فقیہ نے اپنی ان دو مثنویوں میں نظم کیا ہے، بابو میاں صاحب فقیہ کا مفصل حال ہم نے نوائے ادب میں کوکن کے اربعہ عناصر کے سلسلے میں لکھا ہے۔ پہلی مثنوی آتشزدگی کے سلسلہ میں ہے اور دوسری انہدام عمارات سے متعلق[1]۔

ان مثنویوں کی زبان میں اس عہد کی گجراتی اور دکنی اردو کی اکثر خصوصیات موجود ہیں اور علم السنہ کے طالب علم کے لئے دلچسپ قابل مطالعہ چیز ہے۔

اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ عزت مآب بدرالدین طیب جی کے والد ماجد ملا طیب علی بن بھائی میاں نے اپنے سوانح کی ابتداء اس آتشزدگی سے کی ہے، کیونکہ اسی علاقہ میں ان کے والد کی دکان تھی اور وہ نذر آتش ہوگئی تھی۔ ان کا اپنا اندازہ یہ ہے کہ ان کا تقریباً ۲۵ ہزار کا نقصان ہوا ہوگا۔

(۱) مفصل حالات کی لئے دیکھو حکومت ہند کا سرکلر
1. Public depts diary No. 171 P. 782 - 86, 1058 - 62, 1062, 1082
2. Bombay City Gazetteer: Part II.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

آتش زدگی

۱ نظر آیا عجب دنیا کا اسرار بھرا ہے ہر طرف حسرت کا بازار
۲ عجائب شہر ممبئی[۱] ہے جہاں میں کہ جس کا نام ہے ہر ہر مکاں میں
۳ کچھ یک تعریف اول کر سناؤں خرابی کا پچھوں[۲] مذکور لاؤں
۴ کروں کچھ وصف آرائش کا اول ہوا تھا کئی طراحوں[۳] سے مسبحل
۵ عجب ہے شہر ممبئی با قرینہ دھرا ہے جوں انگوٹھی پہ نگینہ
۶ کروں تعریف کیا شہر پنہ[۴] کی تھی رونق جو نہ محل بادشہ کی
۷ قلعہ کے در سے تا آخر کے درلگ جھمکتا تھا جواہر خانہ جھگ مگ
۸ بہت تجار بستی میں بھرے تھے جواہر لعل مرجاں میں جڑے تھے
۹ عمارت گچ کی یونہ[۵] باندھی تھی ہر سو
که جوں بیٹھا ہے زیور پہن خوشرو
۱۰ دو رستے تھے دکانیں نیک آئین کریں جو نہ[۶] شاعراں مصروں[۷] کو تضمین
۱۱ محلے در محلے سقف وایواں حویلیاں در حویلیاں بنگلیاں تھیاں
۱۲ مرصع سب دو رستے کی دوکاناں بہت ہندو مہاجن خوش جواناں
۱۳ بدن ساروں کا سونے میں لدھا[۸] تھا جواہر موتیوں سے تن مڑھا تھا
۱۴ ہزاروں جوہری لاکھوں سے تجار بھرے ہیں پارسی زر دار بسیار
۱۵ کروڑوں تک تجارت انکے گھر کی سبھی اجناس تھی نگروں نگر کی
۱۶ دکانوں میں تھا ہر جانب کا اسباب ولایت شام و روم و چین کا باب
۱۷ ہر یک دوکان تھا جونہ نقش مانی تحیر میں رہے ارژنگ ثانی

۱۔ ممبئی ۲۔ پھر ۳۔ طرحوں : گجرات و دکن کے بعض مقامات پر آج بھی طراحوں بولتے ہیں ۴۔ [illegible] [illegible] ۶۔ جیسا ۷۔ مصرعوں ۸۔ لدا

۱۸ اگر وو دیکھتے فرہاد و بہزاد تو کرتے دفتر استادی کا برباد

۱۹ تھے ہر ہر قصر مثل کوہ الوند زمیں میں سات تک پیوند بہ پیوند

۲۰ کئے تھے نغم خانے [۱] کئی زمیں میں

نہ تھی ویسی عمارت روم و چیں میں

۲۱ ہر یک چھجے کے اوپر بال خانہ [۲] بنائے تھے ہوا پر آشیانہ

۲۲ جڑی [۳] تھی یوں عمارت یک دگر سے کہ جونہ عاشق ملے ہے سیم بر سے

۲۳ بہت پیوستگی سے قصر و ایواں کہ جس کوں دیکھ کر حیراں ہے کیواں

۲۴ بہار آیا ہے منبئی کی زمیں پر کہ ہفت اقلیم کا ہے اس میں مظہر

۲۵ ولایت پر ولایت کے نوادر کئے وہاں لا کے تجاروں نے حاضر

۲۶ کہ روم و چین اور ماچین تا شام خراساں زندراں [۴] آزربجاں نام

۲۷ عجائب اصفہاں کے جنس و اجناس تجارت کے لئے لائے ہیں کئی ناس

۲۸ بھی کین شیراز کے حقے عجائب نوادر پر لطائف اور غرائب

۲۹ کہ ہے کشمیر تا لاہور و ملتاں بھی ہندوستان و ایران تا بتوراں

۳۰ حلب سے تابہ کابل اور قندھار بھی اے مدراج [۵] تا، بنگال ملبار

۳۱ غرض ہر شہر کا تھا مال اس میں بھی ہر چیز ہے بھر سال اس میں

۳۲ عجب آئینہ بندی تھی بہ بازار جو ہوے بزم سلطاں کی سزاوار

۳۳ نوادر وھاں سے سب ملکوں پہ جاتے جو نئیں ملتی ہو سو شئے اس میں پاتے

۳۴ تھے بندر اس قدر جاری مقرر نہ ویسا کئیں ہوا روئے زمیں پر

۳۵ ہزاراں جہاز عالیشان ممتاز کہ ہیں چلنے میں مثل باز پرواز

۳۶ ہیں کئیں کئیں [۶] کارخانے ایسے عالی نہ ہوے جس کی شعرا سے مقالی

۳۷ سفینـــہ نوح کے ثانی بناویں اوسے یک پنچ آہن کا لگاویں

۳۸ پھراویں اوس کو ہر دم پکڑ کر اوچھل کشتی پڑے دریا میں چل کر

۳۹ ہزاراں سے ہیں ایسے جہاز بنتے عجب صنعت کا نادر تانتہ بنتے

۴۰ کئی توپوں کے نادر کارخانے کریں بارود جونہ خش خش کے دانے

۱۔ نغم خانے [illegible] ۲۔ بالاخانہ ۳۔ جڑی ۴۔ [illegible] ۵۔ [illegible]

٤١ نہ بندوقوں کی گنتی کی خبر ہے　　تفنگوں کا رقم عـــددالقطر ہے
٤٢ وہاں حاکم ہے اب انگریز پرجوش　　کہیں ہیں فارساں جن کو کلـــہ پوش
٤٣ گورنر ہیں وہاں جنرال ۱۔ ڈنکن　　ریاست میں ہیں بآئین جونہ گبن ۲۔
٤٤ حکومت کا طریقہ ان کا بحکم　　نہ زرہ جس میں ہوئے بیش یا کم
٤٥ بہت عادل بھی ہرفن میں توانا　　فلاطوں ان کے آگے ہے دیوانا
٤٦ ہیں حکمت میں بہت چالاک باہوش　　کریں بقراط سے دانا کو خاموش
٤٧ رسائی علم کی، ہرفن میں شـاطر　　کہ جونہ دریا کو تر جاویں شناور
٤٨ غرض ہرفن میں سب چالاک و ہشیار　　سپہ‌گیری میں شہ زور و اطرار
٤٩ پریڈ ۳۔ ساری پیـادوں کی بتاویں　　قواعد اپنے مضموں سے سکھـاویں
۵۰ کریں بندوق دے کر ان کو تیار　　صفـاں کر کر چلاویں باڑ اک بار
۵۱ بہت باروت کے ٹوٹے چلاتے　　وہ جس دم چھوڑنے کی گت پہ آتے
۵۲ کرے جب حافیسر ۴۔ فیر کا آواز　　دیویں بندوقچی باڑوں کو پرواز
۵۳ ایا او بول اوٹھے رجمنٹ فیر ۵۔　　چلاویں سارے بندوقوں کو بھر بھر
۵۴ کریں لاکھوں کے لشکر کو ہراساں　　ہزاروں سے چلاویں دم میں توپاں
۵۵ نہایت مصلحت انـدوز، دانـا　　ہر یک اسباب اور فن میں توانا
۵۶ بہت کچھ علم و حکمت میں خبردار　　بھی ہر یک کار میں شہ زور و ہشیـار
۵۷ خزانے منجنیقوں کے نہایت　　بڑے صدے کی توپاں سخت للالانت ۶۔
۵۸ نہیں جن پاس ہے کچھ تیر تلوار　　کریں وہ آتش باروت کا مار
۵۹ ریاست ان کی دریا میں بڑی ہے　　سبھوں پر ان کی اب ہیبت پڑی ہے
۶۰ سبھی تعلیم میں ان کو دخل ہے　　ہر ایک اطراف میں ان کا عمل ہے
۶۱ ولایت میں ہے ان کی شان عالی　　کتنے ہیں کمپنی مـلکت کو والی
۶۲ سند ہے کمپنی کا مہر فرمـــان　　کئے ہیں عـاملاں ملکوں پہ جریـاں
۶۳ ولایت بیٹھ منصـوبہ بنـاویں　　وہـاں سے حکم سب جـاگا ۷۔ چلاویں
۶۴ ہریک جانب کو ہے انگریز انگریز　　تفنگ انداز لشکـــر تیز در تیز
۶۵ غرض گردوں کا منہ ان کی طرف ہے　　حمل میں شمس کو کامل شرف ہے
۶۶ یہی مـــریخ ہے ان کا ستـــارا　　کرے ہے فتح و نصرت کا مدارا

۱۔ Duncan ۲۔ Gibbon ۳۔ Parade ۴۔ افیسر Officer ۵۔ فیر Fire ۶۔ الامان ۷۔ Go

۶۷ خدا چاہے اسے بخشے زر و مال ۔ کہے شاہاں کرے لحظہ میں پامال
۶۸ کرم سے جس کے تئیں چاہے خداوند اوسے یک آن میں بخشے ہو خرسند
۶۹ سلیماں کو کرے کیڑے کا مہمان کرے یک دیو کو پل میں سلیماں
۷۰ اوسے سب طرح کی قدرت ہے یاراں کرے مردہ زمیں زندہ بہاراں
۷۱ جسے چاہے خرابا کچھ دکھاوے تو اوس کے گھر کو یک چنگی لگاوے
۷۲ اوسی کے گھر کی چنگاری اوڑا کر جلاوے آن میں لاکھوں سے منظر
۷۳ سنا یاروں نے آبادی کا مذکور جو تھا ہر جنس سے بازار معمور
۷۴ خرابی کا کروں اب ذکر مشہور ہے دل میں موجزن حسرت کا سمدور[۱]۔
۷۵ سنہ باراسو اوپر ستراں سال بدور آخرین و ماہ شوال
۷۶ فلک اس پر ہوا یک ذرہ برہم دگرگنسہ[۲]۔ ہو گیا احوال عالم
۷۷ بروز مشتری در وقت بہرام دیا خون جگر سے آتشیں جام
۷۸ که تهی چوبیسویں تاریخ ہمدم لگی شہر پنہ[۳]۔ میں آتش غم
۷۹ طویلا ارد شیر کا تھا کنارے کڑا[۴]۔ کچرا تھا اس کے در پہ بارے
۸۰ کسی نے پی کے بیڑی اس میں ڈالی دھواں اس میں سے آتش نے اوچھالی
۸۱ دوپہری وقت آتشناک پرسوز مجوسوں کو ہوا آتش کا نوروز
۸۲ او کچرا ایک دم بھڑکا زیادہ پلایا سب کو آتشناک بادہ
۸۳ طویلے پر اڑی وہاں سے اوچھل کر طویلا جل گیا لحظہ کے اندر
۸۴ لگی یک گھر سے دوسرے گھر پہ جب آگ
لگا کہنے کو عالم بھاگ رے بھاگ
۸۵ لگی جب آگ قلیاں سی سلگنے لگے سب لوگ پانی دیکھ تکنے
۸۶ تھی اونچی آگ نیچے آب بسیار بھی تھا ہر سمت آتش کا دھواں دھار
۸۷ بھڑک اٹھنے چلے آتش کے شعلے لگے اوٹھنے کو انگاروں کے گولے
۸۸ دیوالی کو لگاویں تیل ہر سال کیا اس تیل نے بسیار جنجال
۸۹ اوسلگے جس طرح دیوا سلایا انھوں نے دوسری کا خان[۵]۔ جلایا
۹۰ تڑاخے لکڑیوں کے یوں کریں لاف که بندوقوں کی جیسے شلقیں[۶]۔ صاف
۹۱ اوسلگے آگ جو آتشکدہ تھی زباں شعلے کی تازہ موجب [illegible]

۱۔ سمندر ۲۔ گوں ۳۔ چاہ ۴۔ کوڑا ۵۔ خانہ ۶۔ بلاؤ شہ

۹۲ اناروں کے نمط چلتے تھے شعلے — گویا سلگے تھے سب آتش کے چولے

۹۳ دھواں ابس طرح سے ہرسو رواں تھا — زمین و آسماں جسمیں نہاں تھا

۹٤ فلک نیچے سے جوں ابروں کے تختے — زمیں پر جس سے انگارے برستے

۹۵ گویا نمرودؔ کی آتش کا تھا دود — کیتا جس نے ہزاروں کاخ نابود

۹٦ عجب کچھ آگ کا تھا ڈول اس روز — محلے در محلے سوز در سوز

۹۷ تھا جلتا یک محلہ اس سے اڈکر — مکاناں بیچ میں سے جا گزر کر

۹۸ ادھر سلگے مسلمانوں کے گھر تھے — بیچارے یاد حق سے بےخبر تھے

۹۹ ہمیشہ جن کا کفاروں میں رہنا — بموجب ان کے واجب رنگ سہنا

۱۰۰ بلا صحبت سے بھی آتی ہے اکثر — کہ بدصحبت سے ذلت ہو میسر

۱۰۱ سلگتے ہی تمامی اہل دیں پاک — دونمین اپنے گھروں کو چھوڑ بےباک

۱۰۲ اودھر نزدیک تھا بندر مقرر — تھی اکثر کشتیاں بندر بہ بندر

۱۰۳ انہوں میں جو کہ جزوی مال باقی — دیا آتش کے مے کا جام ساقی

۱۰٤ متاع و جملہ مستورات لے کر — گئے باہر پراونمین ہو کے مضطر

۱۰۵ ایدھر ہندو مہاجن کی سنو بات — گوراً تھا جن کے گھر آتش کا برسات

۱۰٦ بہت مغرور تھے سب سیم زر پر — ہزاروں جورو بچے بس سمنبر

۱۰۷ بہت آنار پستاں نازنیناں — کماناں ابرواں اور مہ جبیناں

۱۰۸ ہزاروں سیم تن رنگیں عذاریں — سیہ چشماں بخوبی خال داریں

۱۰۹ پری زاداں جواناں مہر بنداں — لباں کان یمن، یاقوت دنداں

۱۱۰ گئی بنٹے مدمغ مثل شداد — کیا چنگی نے جن کا خانہ برباد

۱۱۱ کمر بند طلاء ہاتھوں میں حلقے — گلے کی کنٹھیوں میں لعل چمکے

۱۱۲ انگوٹھیاں انگلیوں میں کئی طرح کی — چمک زہرہ کی لئے عیش فرح کی

۱۱۳ کتنے الماس اور یاقوت احمر — زمرد اور نیلم لعل و گوہر

۱۱٤ پلا ساقی شتابی آتشیں جام — کہ تاگرمی ہے ہووے نظم اتمام

۱۱۵ انہیں روزوں میں اے یاران ہمدم — ہوئی خوب شادی درغم ..... مدغم

۱۱٦ یخانہ اردشیر نصروان — بڑا تجار تمامی نیک بنیاد

۱۱۷ بنایا تھا عجب منڈوا بمیداں — تھا جس کو دیکھ حیران چین کنعان

[illegible]

۱۱۸ شہانی بارگہ آئینہ پر سو — چراغستان چوں سروستان اردو
۱۱۹ کہے عالم اسے یونہ[1]۔ دیکھ بے باک — عجب منڈوا ہے گویا لگ گئی آگ
۱۲۰ زبان خلق سے نکلا جو باہر — ہوا او حال کئی دن بعد ظاہر
۱۲۱ سنو اب قصہ کوتہ دگر حال — کیا تھا آگ نے کس طور جنجال
۱۲۲ چلی جاتی ہوئی وہ آگ یونکر — بسان اژدہا پُر پیچ بے ڈر
۱۲۳ بجھانے سے تھکا عالم تمامی — بھی حکامان انگریزان تمامی
۱۲٤ ہوا غالب سبھوں پر خوف یوں کر — قلع میں ہوویگا آتش کا عنصر
۱۲۵ گورنر فکر میں حیران تھے جرنیل[2]۔ — تفکر میں تھے میجر[3]۔ اور کرنیل[4]۔
۱۲٦ کھڑے تھے مصلحت میں ہوکے مضطر — سو پونچی آگ جا منڈوے کے اوپر
۱۲۷ وہاں سے قلع تھا نزدیک بالکل — ہوے انگریز سارے بے تحمل
۱۲۸ ڈرے باروت خانے کے سبب سب — منگائے دونوں توپاں جلد ہو تب
۱۲۹ مقابل رکھ کے منڈوے کے کئی بار — چلائے لاتھ کے حصے ہو ہوشیار
۱۳۰ کمر گھ میں منڈوے کے جس دم — گری دیوار اس دم ہوکے درہم
۱۳۱ تبھی بیٹھی آگ نیچے بالمقرر — بجھائی آگ بتنے چانپ اُسپر
۱۳۲ خدا صاحب کو رکھنا تھا سلامت — کیا اس طرح سے پیدا علامت
۱۳۳ وگرنہ ایک انگارہ جلاتا — قلع بلکہ جہازوں کو جلاتا
۱۳٤ ایدھر سب ہندوانیاں پھین زیور — پکاریں « ہی جلیوں گھر ہی جلیوں گھر »
۱۳٤ کیا اتنے میں احسان ایزد پاک — چلے بھاگے ہوئے بے مال و املاک
۱۳٦ بجھی او آگ آدھی شب کے اوپر — بھی ٹوٹے اس کے دوجے سالمیں گھر
۱۳۷ ابھی فضل خدا پھر گھر بناوے — جلی بستی کو پھر زینت میں لاوے
۱۳۸ خداوندا فقیہ کو خیر دکھلا — بجز حق کے نہ روے غیر دکھلا
۱۳۹ ہیں یک سو اور اِن چالیس ابیات — ہمیشہ دور ہو عالم کہے آفات
۱٤۰ کیا بھر جگر پیوند، آرقام — درودان بر محمد باد مادام

تمت

۱۔ پونہ ۲۔ جرنیل General ۳۔ Major ٤۔ Colonel

عمارتوں کا انہدام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱ الایا ساکناں شہر مسمار تظلّم کا ہوا ہے گرم بازار
۲ فلک کجرو نے اپنی کج روی کر اُٹھایا شور ماتم سب کے گھر گھر
۳ فلک نیلی نے کھایا چرخ اسطور سبھوں کو چرخ میں لایا ہے فی‌الفور
۴ کہوں کیا حادثے کا ذکر یاراں ملے ہیں خاک میں سب خاکساراں
۵ بوقت حاکم جنرال ڈنکین[۱] نے رعیّت کا اوڑا سب خواب تسکیں
۶ قضارا آن پہنچا حکم بنگال غریباں پر ہوا ہے بہوت جنجال
۷ گھروں کے توڑنے کا حکم آیا دوکانوں کے موؤں پر جبر لایا
۸ ہوئے ہیں حاکماں بے رحم سب پر چلائے ظلم کا عالم پہ خنجر
۹ رکھے سب حکم پر بنگال کے کان رعیت کود کئے حیران ویراں
۱۰ کہ عید سلخ رمضاں حکم اوّل منگے کرنے کے تئیں بستی میں جنگل
۱۱ خبر نامے رعیّت پر پھرائے خوشی کے روز شکل غم دکھائے
۱۲ ہوئی او[۲] عید مثل روز ماتم کیا عشرت کدہ پر حلقۂ غم
۱۳ پڑی تھی یوں سفیدی پر سیاہی خطر کر سار کر کر تر بتائے ؟
۱۴ گرانا سب عمارت چار سو وار رعیّت پر ہوا یوں حکم سرکار
۱۵ پڑا ہے واقعہ جب چاند کی رات رعیّت نے کہا ہیہات ! ہیہات !
۱۶ فلک نے اس طرح کی عید لائی یکایک صورت آفت دکھائی
۱۷ کئے موقوف کھانا اور پکانا لگے کہنے کو ماتم کا ترانا
۱۸ رعیت سب لگی افسوس کرنے لگے سب آنسو بھرنے کوس کرنے
۱۹ رواں چشموں سے فوارے اچھلتے لگے پھرنے سبھی آنکھاں کو ملتے
۲۰ لگے اوٹھنے کو آہوں کے شرارے تڑپنے کو لگے دل کے چکارے
۲۱ ایا وہ عید تھی جوں روز محشر اٹھا تھا شور غوغا سب کے گھر گھر

---

(۱) Duncan (۲) وہ

٢٢ گویا وہ عید تھی یوم القیامت کیا تھا غم نے قصر عیش غارت
٢٣ اوٹھا ہر گھر میں غم کا شور غوغا جفا اور جور تھا عالم پہ برپا
٢٤ لگے کرنے کر دوڑا دوڑ عالم بچانے کے تردد میں ہو باہم
٢٥ بہت کچھ عرضیاں لکھ لکھ چلائے بغیر از پاس کتیں مطلب نہ پائے
٢٦ نہایت عاجزی سیں عرضیاں کر دئے ہیں گونر کونسل کو اکثر
٢٧ ولیکن حاکموں نے نیں قبولے مروت اور شفقت دل سیں بھولے
٢٨ ہوئے ناامید[1] جب حاکم سیں سارے [2] پھڑانے کو لگے تب ختم پارے
٢٩ پھڑائے خواجگاں کی ختم بسیار قضا سے ہوگئے آخر کو لاچار
٣٠ پھڑائے ختم حضرت غوث اکثر اثر پہنچا نہ کچھ حکم قضا پر
٣١ [3] بہوت تدبیر کی عالم نے ساری ولے تقدیر نے سب پھینک ماری
٣٢ سدا تدبیر کو ہستی ہے نقدیر گناہوں کی ملی شامت کی تقدیر
٣٣ کئے سب کچھ بجز خیرات یاراں گھرآ نہیں اس لئے رحمت کا باراں
٣٤ ہوئے نومید دوڑا دوڑ کر کر رہے لاچار سب امر قضا پر
٣٥ فلک ہے کارسازی پر ستم گر کٹھن حاکم ہے سب منبئی کے اوپر
٣٦ زحل کو لا رکھا یک دم مقابل کیا مریخ کو بھی اس کے شامل
٣٧ زحل نے بد نظر ممبئی پہ ڈالی کیا یک لحظہ آدھا شہر خالی
٣٨ پھرا جس وقت پر حاکم حقیقی نہ کیوں دنیا میں ہو [4] قطع طریقی
٣٩ یہاں حاکم مجازی کیوں پھرے ہیں اوسب عالم کنیں غارت کئے ہیں
٤٠ سنائیں حضرت موسیٰ کا قصہ ملا ہے جن کے تئیں نصرت کا حصہ
٤١ چلایا فوج جب موسیٰ پہ فرعون کہ یکسٹھ لاکھ تھے اسوار بدگون
٤٢ کلیم اللہ نے اسرائیل کی فوج تمامی امتی تھے بحر پر موج
٤٣ خدا کے حکم سے ہو نیل کے پار لگے پھر دیکھنے فرعون کا یلغار
٤٤ وہ لشکر آگیا دریا کے درمیان کیا یوں زحل کے پرتو نے ویران
٤٥ غضب آلودہ دیکھا زحل یکبار ہوئے یکسٹھ لاکھ اسوار مسمار
٤٦ ہلا پانی سبھی ڈوبے زیاں کار کئے تب شکر حق موسیٰ نے بسیار
٤٧ اوسی موجب یہاں بھی چرخ کجرو کرے نظروں کے غارت کے روا رو؟

(١) نہ امید - نا امید (٢) پڑھای (٣) بہت (٤) قطع طریقی - رہزنی

۴۸ نہ اے شاعر زیادہ گفتگو کر رواں ہو اپنے قصے کے محل پر
۴۹ بہت کچھ دوڑ کی عالم نے دن رات ولے ہرگز ہوئی نئیں قطع آفات
۵۰ زمـانی حاکموں نے عرض عالم ہونے ہیں عاجزی بھر سخت برہم
۵۱ اٹھـارہ سـال بارہ سو سنـہ اوپر بھرے تھے نحسیت [۱] کے روز اکثر
۵۲ مہ ذیقعد کی تـاریخ آخر تھی انہاویسویں اے شخص ناظر
۵۳ سنیچر کو پھرائیے حکم دیگر گھـروں کو توڑنـا جادی مقرر
۵۴ زحل آکر گـرا برج حمـل پر گرا خورشید جا غم کیے محل میں
۵۵ تھا نیچے گھر میں مریخ ستم گر تظلم کی چلایا تیغ سب پر
۵۶ تبر حلقے زحل کے لے کے بردوش پھرے سرکار کے لشکر سیہ پوش [۲] ـ
۵۷ محلـہ در محلـہ یوں پکارے « گھراں توڑو یہاں کے رہن ہارے »
۵۸ ہوا ہے اس طرح کا حکم جنرال « اوکھاڑو گھر کرو بستی کو پامال »
۵۹ زحل صورت سیہ پوشاں [۲] ـ سیہ رو یوں کہتے ہوتے پھر بڑر کے ہر سو
۶۰ نہ جن کو آدمیت کی خبر تھی کـدالوں کی صدا سینـہ پہ لگتی
۶۱ خرابی میں تھے سب اشراف دانا پڑے تھے گرد غم میں ناتوانا
۶۲ جواناں فکر میں ، حیراں تھے پیراں ہلاکت میں تھے سب روشن ضمیراں
۶۳ تھے طفلاں غم سے زار و زار روتے سرشک چشم سے موتی پروتے
۶۴ تھی مستورات درد و غم میں گریاں گرے گھر سلک چشموں سے بریاں
۶۵ لگے ویران کرنے اہل سرکار اٹھا آہوں کا ہر جانب دھواں دہار
۶۶ بہم پیوستہ کی سب خانہ خانہ جو تھا عیش و طرب کا آشیانہ
۶۷ لگے ملبئے گرانے سب گھراں کے کدیں کیولا [۳] ـ کو لاتاں مارتے تھے
۶۸ ہے حکم حاکم مرگ مفاجات اتارے سب نے نلئے ہاتھ پر ہاتھ
۶۹ گھروں کیے سر ہکوس کھلی پر اک جا گنہ گارون جوں نہاوی نے مونرا ؟
۷۰ محلـہ در محلـہ آسیہ پوش پکارے ہر طرف باتشیں جوش
۷۱ « اوکھاڑو گھر کو جلدی سے شتابی » ہوئی سب کی خرابی در خرابی
۷۲ دوکانوں کے سبب آنے تھے مزدور اوٹھاتے تھے ہزاروں لوگ مقہور
۷۳ گراکی دے کے پینے گھر اُکھاڑے لگے اٹھنے کو لکڑوں کے شرارے

(۱) نحوست (۲) یہ پولیس کی سیاہ وردی کی طرف اشارہ ہی (۳) کبھی کھپریل

۷۴ گرا کر لوٹنے لاگے ستوں صاف لگے ہیں دوڑنے اشراف اجلاف
۷۵ کوئی تو خود بخود ہشیار ہو کر لگا گھر توڑنے بے آس ہو کر
۷۶ ہزاراں مفلساں نا ظلم اصی ؟ نہ دیکھے اس ہلاکت سوں خلاصی
۷۷ اوٹھا چلنے لگے مانند مزدور بغم آشفتہ خاطر ہو کے دل چور
۷۸ نمونہ عرصہ محشر تھا او دن اوٹھے جاتے تھے کئی مدت کے ساکن
۷۹ نہاں چشموں سے آنسو رو لتے تھے
آلـــہی آجر ہر دم بولتے تھے
۸۰ جہاں جگہ دئی بھی گن کے سرکار
کروں کیا اوس کا میں اوصاف اظہار
۸۱ نہ رو جاگا گویا دارالبلا تھا تمامی شہر کی بیت الخلا تھا
۸۲ مقرر کلبۂ احزاں تھی او جائے ہما گذرے تو پل میں الو بن جائے
۸۳ وہاں لاکر رکھا سامان سارے دلوں سے ہجر کے نعرے گذارے
۸۴ ولے شامت کو اپنے یاد کرکر کئے حسرت کے خاکستر پہ بستر
۸۵ رہے واں غم میں ہم آغوش ہوکر بیٹھے تقدیر پر خاموش ہوکر
۸۶ موے کا تین دن غم بوجھ عالم تردد میں گئے پھر ہو کے محکم
۸۷ جینو کے پاس تھا کچھ نقد زیور
لگے فضل خدا سے باندھنے گھر
۸۸ کئے اکثر گھراں بعضوں نے تیار کرے جیسے ہوئے دنیا سے بیزار
۸۹ ایسی موجب ہمارے تنکا خانہ کرے گا جگ منے جب آشیانہ
۹۰ اوٹھا کر حق لےجاوے در قیامت حساب زر زمین ہوئے خانہ غارت
۹۱ نہ پھر اسکوں ہووے ٹھارو ٹھکانہ بھی ہوے حشر کے غم میں دیوانہ
۹۲ اگر نیکی کا چاپا ہووے مجھ پاس تو گھر جنت میں باندھے غیر وسواس
۹۳ الہی دے فقیہ عاجز کو ایماں
ملا در زمرۂ صاحب یقیناں

. ڈاکٹر ثمینہ شوکت ، ویمنزن کالج ، عثمانیہ یونیورسٹی ، حیدرآباد

جنگ آزادی کا اولین مجاہد
(مبارزالدولہ)

ہماری پرانی تاریخوں اور تذکروں نے صدیوں کے تو بر تو نقابوں کے اندر ہے اور ڈھکے ہوئے کتنے ہی پیکروں کو ابھارا اور اُن کے کارناموں کو روشناس انے کی کوشش کی ہے ، اس کے باوجود ہمارے ماضی کے کئی گوشے ابھی ے بے نقاب نہ ہو سکے اور کئی کارنامے منظر عام پر نہ آسکے ۔ لیکن ہمارے تقین کی تلاش اور جستجو سے آئے دن نئی نئی معلومات ہماری دسترس میں آتی رہی ہیں . دکن کی سیاسی اور ادبی تاریخ کی ایک گم نام ہستی آصف جاہی شہزادہ . گوہر علی خان مبارز الدولہ کی بھی ہے ، جو سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کے فرزند ے . ان کی پرورش محلوں میں بڑے ناز و نعمت کے ساتھ ہوئی تھی لیکن وہ فطرتاً ک حساس دل اور بیدار دماغ لے کر دنیا میں آئے تھے . اسی لئے اپنے دیس اجنبی انگریزوں کا تسلط انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا . اس کے علاوہ ان کے ے میں ہماری خاص دلچسپی کی ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ اُردو شعروسخن ے مس رکھتے تھے اور کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے . یہ صحیح ہے . ان کی شاعر کی شہرت ان کی سیاسی شہرت کے آگے ماند پڑگئی تھی

جس زمانے میں اس باغی شہزادہ کی نشوونما ہوئی ، اور اس کا شعور بیدار نے لگا تھا وہ ایک ایسا زمانہ تھا جس میں نہ صرف حیدرآباد بلکہ سارا ہندوستان ، تاریخ کے ایک نہایت ہی بحرانی اور ہیجان خیز دور سے گزر رہا تھا . دوستان کو استحصال پسند مغربی قوموں سے ربط میں آئے ابھی بہت عرصہ نہیں را تھا . لیکن ان کے بڑھتے ہوئے حوصلوں ، ان کی بہتر تنظیمی صلاحیتوں اور کی روپ دیکھا سے پہلے ہی پہل ہندوستانیوں کے ذہن مرعوب ہو چکے تھے . ی سلطنت ابھی تک باقی تھی ، لیکن وہ اپنی پرانی عظمت کا سایہ بن کر رہ گئی نہ ، اور کچھ مدبروں کو اس کی بقا کی جو فکر تھی وہ اب جواب دینے لگی کیونکہ مغل سلطنت کا خیال اب ایک دھوکہ نظر آنے لگا تھا .

خود دہلی کی حکومت میں اندرونی خلفشار، امرا کی سازشوں اور شورشوں کی صورت میں وقتاً فوقتاً ابھرتا اور نظم و نسق کے کھوکھلے پن کا پردہ فاش کرتا رہتا تھا. ادھر دکن میں مبارزالدولہ سے کچھ ہی پہلے ان کے جد اعلیٰ میر قمرالدین خاں نظام‌الملک آصفجاہ اول کے انتقال کے بعد سے انگریزوں اور فرانسیسیوں کی للچائی ہوئی نظریں آصف جاہی سلطنت پر بھی پڑ رہی تھیں. انگریزوں اور فرانسیسیوں کی قومی منافرت نے دکن میں ریشہ دوانیوں کی شکل اختیار کر لی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نظام‌الملک کے بعد ان کے فرزند ناصر جنگ، نواسے مظفر جنگ اور دوسرے بیٹے صلابت جنگ کا تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لئے یکے بعد دیگرے مسندنشین ہونا اور ان کا قتل کر دیا جانا دراصل یہ ظاہر کرتا ہے کہ دکن میں پرسکون اقتدار کا دور اب ختم ہو چکا تھا اور انھارہویں صدی عیسوی کا نصف آخر اپنی ساری آسودگیوں اور قرون وسطیٰ کے پرانے فرسودہ جاگیردارانہ معاشی نظام اور اس کی سماجی تنظیم کے سارے توہمات کو اپنے سینہ سے چمٹائے دم توڑ رہا تھا. اور پرانے نظام کے جلو میں ایک نئی جاگیرداریت اور ایک نیا سرمایہ دارانہ نظام آرہا تھا. سیاسی اور سماجی زندگی کی پرانی عمارت جن ستونوں پر قائم تھی ان کی بنیادیں متزلزل ہو گئی تھیں. پرانے دستور اور آئین اب تقویم پارینہ سے نظر ارہے تھے اور نئے آئین کا ہیولیٰ نئے سانچوں میں ڈھلنے کے لئے تیار ہو رہا تھا.

نئے اور پرانے دو قرنوں کے اس جھٹ پٹے میں فطرتاً کچھ نئے تصورات اُبھر رہے تھے دور کچھ نئے عقائد کی صورت گری بھی ہو رہی تھی. ان عقائد کی وجہ سے بہت سی ایسی ہستیاں منظر عام پر آنے لگی تھیں جو یہ ایقان رکھتی تھیں کہ دم توڑتے ہوئے اقتدار کے ساتھ وفاداری کا دم بھرنا دانشمندی کی بات نہیں ہے. اس کے بجائے مصلحت اس میں ہے کہ فرنگیوں کے ساتھ سمجھوتا کر لیا جائے. اس شعور کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر صوبے اور ہر ریاست میں انگریزوں کے کچھ دوست پیدا ہو گئے تھے. حیدرآباد میں اس کی سب سے نمایاں مثال مہاراجہ چندولعل کی ہے. یہ سب جانتے ہیں کہ چندولعل انگریزوں کے طرفدار تھے، چنانچہ ان کی دوسری ساری سماجی اور اخلاقی خوبیوں کے باوجود وہ اپنے ذہن کی اس افتاد کی وجہ سے ہند کے آزادی پسندوں میں مورد الزام ٹھہرائے گئے ہیں.

مہاراجہ چندولعل کے سیاسی مسلک کو سمجھنے میں ایک واقعہ سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ سنہ ۱۲۲۹ء میں جب وہ پیشکاری کے عہدہ پر مامور تھے، پنڈاریوں کا فساد شروع ہوا جو جلد ہی ساری مملکت میں پھیل گیا۔ ان کی ستم رانیوں نے حیدرآباد کی سر زمین پر بھی چنگیز و ہلاکو کی غارت گریوں کی یاد تازہ کر دی تھی۔ ہر طرف لوٹ مار اور غارت گری کا بازار گرم تھا۔ دکن کے مشہور مورخ اور وقائع نگار غلام حسین خاں جوہر کے زمانے میں یہ واقعات پیش آئے تھے۔ وہ اس فتنہ و فساد کا بانی مرہٹہ حکمران باجی راؤ کو ٹھہراتے ہیں۔ باجی راؤ انگریزوں کے ساتھ نظام کی دوستی کو نا پسند کرتے تھے۔ باجی راؤ کی انگریز دشمنی کی جب مہاراجہ چندولعل کو خبر ہوئی تو انہوں نے ایک خط لکھ کر باجی راؤ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ انگریزوں سے اخلاص اور اتحاد وقت کا تقاضہ ہے[۱]۔ یہی دراصل ان کے سیاسی مسلک کی کلید سمجھی جا سکتی ہے۔

مرہٹوں کے علاوہ خود سلطنت آصفیہ میں کئی عمائد ایسے تھے جو دربار حیدرآباد میں انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اثر اور رسوخ کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتے تھے۔ لیکن انہیں دم مارنے کی مجال نہیں تھی۔ مبارزالدولہ پھر بھی شہزادے تھے اور ان کا سیاسی شعور بیدار تھا۔ اس لئے انگریزوں سے نفرت کرنے والے ان کو اپنا پیشوا اور اپنا قائد سمجھتے تھے۔ «فریڈم اسٹرگل آف حیدرآباد» میں مبارزالدولہ کو جنگ آزادی کے پہلے مجاہد کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ ان کی زندگی کے بارے میں تفصیلی حالات دستیاب نہیں ہوتے، تاریخوں میں جب وہ ہمارے سامنے آتے ہیں تو ایک باغی شہزادے کی حیثیت سے آتے ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انگریزوں کے خلاف اپنے جذبات کے اظہار میں وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور ان کو نیچا دیکھانے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت ہونے نہیں دیتے تھے۔ انگریزی اقتدار کے شکنجوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے سلسلہ میں وہ اپنے ادنی ملازمین کی پشت پناہی اور ان کی تائید سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ اپنے قومی وقار کی بازیافت کی کوشش میں وہ کبھی کبھی سرفروشانہ اقدام بھی کر بیٹھتے تھے اور کبھی ایسے جرأت رندانہ سے بھی کام لیتے تھے، جس کی اس زمانے کے عمائدین میں سے کسی کو ہمت نہیں ہو سکتی تھی۔

---

(۱) گلزار، ص ۱۰۷

چنانچہ سنہ ۱۲۳۰ھ کا ایک واقعہ ہے کہ مبارزالدولہ کے ایک ملازم شیریں نامی نے حیدرآباد رزیڈنسی کے ایک درزی سے جھگڑا کرلیا اور اس کو پکڑ کر مبارزالدولہ کی حویلی میں قید کردیا [1]، اور خود بھی رزیڈنسی کے عہدہ داروں کے خوف سے مبارزالدولہ کی حویلی میں جا کر پناہ گزیں ہوگیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع رزیڈنٹ رسل کو ہوئی تو رسل نے ان کے بھائی سکندر جاہ، آصف جاہ ثالث سے اس کی شکایت کی۔ سکندر جاہ نے رسل کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ خود اس کا تدارک کرے [2]۔

اس زمانے میں حیدرآباد میں پیشکار اور منصرمہ مدارالمہام مہاراجہ چندو لعل اور رزیڈنٹ رسل کی متحدہ سعی سے ایک فوج کا قیام عمل میں آیا تھا جو خود رسل کے نام پر رسل بریگیڈ سے موسوم تھی۔ اس بریگیڈ کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ مملکت نظام کے خلاف کوئی فوجی نقل و حرکت عمل میں آئے تو اس بریگیڈ سے کام لیا جا سکے۔ چنانچہ بعض موقعے ایسے پیدا ہوئے، لیکن رزیڈنٹ نے نظام کو اس بریگیڈ کے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس موقع پر یہ بریگیڈ میدان میں لائی گئی لیکن نظام کی مدد کے لئے نہیں بلکہ خود نظام کے بھائی کے خلاف۔ فوج نے مبارزالدولہ کی حویلی کو گھیر لیا اور توپیں نصب کردی گئیں۔ دونوں طرف سے لڑائی کی ٹھن گئی۔ ایک طرف رسل بریگیڈ نے محل پر گولہ باری شروع کی دوسری طرف تیروں سے اس کا جواب دیا گیا۔ کیوں کہ مبارزالدولہ کے یہاں توپ اور گولہ بارود کی قسم سے کوئی چیز نہیں تھی۔ اتفاق سے مبارزالدولہ کے تیر سے ایک انگریز سپاہی زخمی ہوگیا۔ اس کا زخمی ہونا تھا کہ انگریزی جمعیت میں کھلبلی مچ گئی اور رسل بریگیڈ نے اپنی توپوں کے دھانے کھول دئیے، اور چاروں طرف سے گولہ باری شروع کردی۔ اس کے دوسرے تیسرے روز رسل نے چھاونی سے سپاہیوں کی مزید کمک طلب کی اور مہاراجہ چندو لعل شاداں کی بارہ دری میں ٹھہرایا تا کہ از سر نو حملہ کیا جائے۔ مہاراجہ چندو لعل کے لئے یہ بڑا نازک موقع تھا، کیوں کہ ایک طرف تو وہ انگریزوں کے دوست تھے، اور دوسری طرف نظام سے اپنی وفاداری پر بھی وہ کوئی حرف آنے دینا نہیں چاہتے تھے۔ انگریزی فوجوں کے مہاراجہ

(۱) گلزار ص ۱۰۷ ۔ دی نظام ج ا ص ۹۹ (۲) گلزار ص ۱۰۸

چند و لعل کی بارہ دری میں ٹھہرائے جانے سے ان کا موقف بہت نازک ہوجاتا تھا۔ اس لئے انہیں بات کا بڑھنا پسند نہیں تھا۔ انہوں نے انگریزی فوجوں کو کثیر رقم دے دلا کر اپنی بارہ دری سے چلتا کیا۔ اس واقعہ کو معاصر مورخ غلام حسین خان جوہر نے جس انداز سے اپنی تاریخ « گلزار آصفیہ » میں بیان کیا ہے، اس کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

« آن روز راجہ چندولعل انچیکہ شرائط فدویت و جاں نثاری و حق نمک حلالی بود بہ تدابیر لایقہ صائبہ بہ عمل آوردند کہ .... ثابت جنگ (ہنری رسل) مذکورا و جمعیت انگریزی را بہ زر پاشی محکوم حکم خود ساختہ بر گردانید و در ہموں شب روانۂ چھاونی پشاں نمود [۱] ۔ »

غرض مہاراجہ چند و لعل کے بیچ بچاؤ سے معاملہ رفع دفع ہوگیا، لیکن یک شرط یہ قرار پائی کہ باغی شہزادہ کو دارالسلطنت سے دور گولکنڈہ میں بھیج دیا جائے۔ کسی شہزادہ کا اس طرح گولکنڈہ بھیجا جانا دراصل اس کی نظر بندی کے مترادف تھا۔

تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ مبارزالدولہ وطن کی آزادی کے لئے سرفروشی کی پاداش میں پانچ سال تک قلعہ میں نظر بند رہے۔ اس اثنا میں ہنری رسل رزیڈنٹ کے عہدہ سے سبکدوش ہوکر انگلستان چلے گئے اور ان کی جگہ سرچارلس مٹکاف رزیڈنٹ مقرر ہوئے، لیکن ان کے جائزہ لینے سے پہلے مہاراجہ چند و لعل نے مبارزالدولہ کو قلعہ سے واپس بلوانے کا بند و بست کرلیا [۲]۔

اس واقعہ کے پندرہ سال بعد مبارزالدولہ پھر تاریخ میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اس دفعہ بھی وہ باغی فوجوں کے سردار کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ میر عالم کے مدارالمہام ہونے سے پہلے کچھ عرصہ کے لئے جب راجہ سورج ونت پیشکاری کے فرائض انجام دے رہے تھے اس وقت انہوں نے کچھ تو خزانہ سے بار کو گھٹانے کے لئے اور کچھ اپنی وفاداری جتانے کے لئے فوجوں میں تخفیف کردی تھی۔ اس کے بعد جب رسل بریگیڈ کا قیام عمل میں آیا تب بھی دیسی فوجوں میں کچھ کمی ضرور کی گئی ہوگی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ

---

(۱) گلزار، ص ۱۰۰۸ (۲) گلزار، ص ۱۰۰۹

انگریزوں کے مخالف تھے اور اس زمانے تک انگریزوں سے شہزادہ مبارزالدولہ کی مخالفت کچھ چھپی ہوئی بات نہیں رہی تھی۔ اس لئے فطرتاً ان بے یار و مددگار فوجیوں کو مبارزالدولہ کی صورت میں اپنا ایک ہمدرد نظر آیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان کے اطراف اکٹھے ہو گئے۔ ایک بات جس کا کسی تاریخ میں حوالہ نہیں ملتا، لیکن واقعاتی شہادتیں اس پر دلالت کرتی ہیں وہ یہ ہے کہ مبارزلدولہ، جب تک کہ سکندر جاہ زندہ رہے ان کو، اور ان کے بعد ان کے جانشیں ناصرالدولہ کو، انگریزوں سے بہت مرعوب سمجھتے تھے اور انگریزوں کے اثر اور نفوذ کا بڑا ذریعہ وہ انہیں کو گردانتے تھے۔ اس کے علاوہ مہا راجہ چندو لعل بھی جن کی سیاست نے حیدر آباد میں انگریزوں کے اثر کو مستحکم کیا تھا، ان کی نظر میں کھٹکتے تھے۔ انہیں اسباب کی بنا پر، انگریزوں کو ریاست کے معاملات سے بے دخل کرنے اور مہا راجہ کے اثر کو گھٹانے کے لئے ان کے دل کے کسی گوشہ میں تخت سلطنت پر قبضہ کرنے کا خیال بھی خوابیدہ تھا۔ اس کا پتہ ہم کو ان کے ایک قصیدے سے چلتا ہے، جو آگے نقل کیا جا رہا ہے۔

مبارزالدولہ کی فوج میں کچھ تخفیف شدہ روہیلے بھی تھے۔ ان روہیلوں کی تنخواہ بر وقت نہ ملنے کی وجہ سے سنہ ۱۲۴۶ھ میں فساد برپا ہو گیا[۱]۔ بظاہر یہ ایک معاشی مسئلہ تھا، لیکن اس میں بھی انگریزوں کو اپنے خلاف عزائم کی جھلک نظر آئی، چنانچہ روہیلوں کی شورش کو مبارزالدولہ کی بغاوت پر محمول کیا گیا اور یہ شہرت دی گئی کہ مبارزالدولہ تنخواہ نہ ملنے کو بنیاد بنا کر خفیہ طور پر بیروزگاروں کو ریاست کے خلاف اکسایا کرتے ہیں۔ ان بیروزگاروں کی حمایت میں انہیں دوسری دفعہ قلعہ گولکنڈہ میں نظر بند ہونا پڑا۔ حیدر آباد کے عوام بھی انگریزوں کے تسلط پر ہیجان زدہ ہو رہے تھے۔ انہیں اس باغی شہزادہ کی شخصیت میں ایک طرح پر اپنی امیدوں کا سہارا دکھائی دے رہا تھا۔ عوام میں ایک احساس یہ بھی جاری و ساری تھا کہ انگریز اجنبیوں کو ریاست میں دخل حاصل نہ ہونا چاہئے۔ وہ ایک روز حیدر آباد سے نکالے جائیں گے، لیکن یہ نکالنے والا کون ہوگا؟ حکمران سے ان کی آس ٹوٹ گئی تھی اور مہا راجہ چندو لعل

---

[۱] گلزار ص ۱۳۶

سے بھی وہ اسی بنا پر بدظن تھے۔ اب لے دے کر انہیں یہی دکھائی دے رہا تھا کہ مبارزالدولہ وہ ہیرو ہوگا جو ان غاصب اجنبیوں کو سلطنت سے نکال سکیں گا۔ اسی لئے جب عوام کو یہ معلوم ہوا کہ شہزادہ کو پھر ایک بار گولکنڈہ میں قید کر دیا جا رہا ہے، تو ان کے ہیرو پرستی کے جذبات ابھر آئے اور ایک عام ہیجان برپا ہوگیا۔ چنانچہ غلام حسین خاں جوہر لکھتے ہیں کہ جب مبارزالدولہ گولکنڈہ جا رہے تھے، تو ان کی حویلی سے جو اعتبار چوک میں واقع تھی، قلعہ گولکنڈہ تک لوگوں کا اژدہام تھا۔ مکانوں کی چھتوں، دیواروں اور درختوں پر بھی چڑھ چڑھ کر لوگ انہیں دیکھ رہے تھے۔ شاہی محل میں ایک عجب کہرام برپا تھا۔ خاص طور پر ان کی والدہ فضیلت النسا بیگم کو بڑا قلق تھا، اس لئے وہ بھی ان کی دلجوئی کی خاطر ان کے ہمراہ قلعہ جانے کے لئے تیار ہو گئیں۔ جوہر بھی اس جماعت کے ہمراہ گولکنڈہ گئے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ «عاصی مولف اوراق» بھی بیگم صاحبہ کی سواری کے ہمراہ رکاب سعادت تھا [۱]۔

اس دفعہ مبارزالدولہ دو سال تک قلعہ میں نظر بند رہے، بالآخر سنہ ۱۲۴۸ھ میں جمیلہ بیگم کی مساعی کی بدولت انہیں حیدرآباد لوٹنے کی اجازت ملی [۲]۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مہا راجہ چندو لعل کی کوششوں کو بھی اس معاملے میں ضرور دخل تھا، کیونکہ غالباً مہاراجہ نے خانوادۂ شاہی کے ساتھ اپنی وفاداری کو ثابت کرنے کا یہ اچھا موقع جانا اور انہیں حیدرآباد واپس بلانے میں امکان بھر کوشش کی۔ یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ مہاراجہ چندو لعل کو ریاست کے سفید و سیاہ پر جیسا اقتدار حاصل تھا، اور انگریزوں کے یہاں انہیں جو اثر اور رسوخ حاصل ہو گیا تھا، اس کے مدنظر یہ نتیجہ آسانی سے نکالا جا سکتا ہے کہ ان کی تائید کے بغیر انگریز مبارزالدولہ کے حیدرآباد لوٹنے کی حمایت نہ کرتے۔ چنانچہ مبارزالدولہ کی واپسی کے بعد ناصرالدولہ کی سالگرہ کا جشن اور جشن نوروز دونوں بڑے دھوم دھام سے منائے گئے، اور اس موقع پر چندو لعل اور ان کے خاندانوں کو منصب اور خطابات سے سرفراز بھی کیا گیا [۳]۔

ملک کے نظم نسق میں انگریزوں کی مداخلت اور ان کی اقتدار طلبی کی

۱- گلزار ص ۱۳۹، ۱۴۰ ۲- گلزار ص ۱۴۰ ۳- گلزار ص ۱۴۱

مساعی کے خلاف سارے ہندوستان میں جذبات ابھر رہے تھے۔ عام طور پر ملک بھر میں ناگواری کا ایک شدید احساس پیدا ہوگیا تھا، جو موقع اور حالات کے لحاظ سے خاص خاص صورتوں میں ظاہر ہوتا تھا۔ یہ احساس ان لوگوں میں پہلے پہل بیدار ہوتا دکھائی دیا، جن کے ذہن انگریزی تسلط سے سمجھوتا نہیں کرپاتے تھے۔ اس سلسلے میں کسی حد تک منظم کوشش سنہ ۱۲۵۵ھ۔ ۱۸۴۱ء کی شورش ہے جو وہابیوں کی سازش کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ اس کا مقصد انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنا تھا۔ یہ بات اتنی عام ہوگئی تھی کہ یورپ بھر کے ملکوں میں پھیل گئی تھی، چنانچہ گارساں و تاسی نے پیرس میں بیٹھے ہوئے اپنے مقالات میں ایک جگہ اس تحریک کے بارے میں لکھا ہے :-

«ہندوستان کی انگریزی حکومت کی نظر میں وہابی باغی تصور کئے جاتے ہیں لیکن ایسا سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بعض اشخاص نے جو اپنے آپ کو وہابی کہتے تھے، حکومت ہند کے خلاف شورش پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس کے خلاف جہاد کا فتویٰ مکہ کے علما سے حاصل کیا[1]»۔

وہابیوں کی یہ تحریک تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اندر سارے ہندوستان میں پھیل گئی اور انگریزی تسلط کے خلاف وہ بے اطمینانی کی چنگاری جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی اب بھڑک اٹھی۔ وہابی تحریک کے پیچھے ہندوستان کی کئی ریاستوں کے حکمران اور شہزادے، نواب اور سردار تھے، جن میں رامپور اور کرنول کے نواب، ٹونک، سندھ، افغانستان کے سردار اور حیدرآباد کے شہزادہ مبارزالدولہ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے[2]۔ مبارزالدولہ کو چوں کہ انگریزوں کے خلاف کارروائیوں میں حیدرآباد کے باہر بھی شہرت حاصل ہوچکی تھی، اس لئے ہندوستان کی مختلف ریاستوں نے انہیں اپنا سردار منتخب کرلیا تھا اور وہ اس تحریک کا مرکز بن گئے تھے۔

«گلزار آصفیہ» کے مصنف بیان کرتے ہیں کہ سید احمد شہید کے

۱۔ مقالات گارساں د تاسی ج ۔ ۱ ص ۶۹ ۲ ۔ میموائرز اینڈ کرنیا لاجی آف جرنل فریزر ص ۲۴

معتقدین میں مولوی ولایت علی اور مولوی سلیم حیدرآباد آئے اور یہاں انہوں نے وہابی مذہب کی تبلیغ شروع کردی۔ ان دونوں کا وعظ سن کر حیدرآباد میں ہزاروں لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کی[1]۔ وہابیوں کے بڑھتے ہوئے اثر اور غلبہ کو دیکھ کر انگریز بہت بدظن ہوگئے تھے، لیکن اس موقع پر انھوں نے وہابیوں کی مخالفت کے لئے ایک راہ یہ بھی نکالی کہ علما کو اس تحریک کا مخالف بنادیا۔ چنانچہ اکثر علما نے وہابیوں کے خلاف شور مچانا شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ولایت علی تو فرار ہوگئے اور مولوی سلیم نے مبارزالدولہ کے یہاں رسوخ حاصل کرکے ان کی پناہ ڈھونڈھ لی، اور شہزادہ کو ترغیب دلائی کہ وہ وہابی عقیدہ قبول کرلیں۔ غلام حسین خاں جوہر کا بیان ہے کہ مبارزالدولہ ان کے بڑے معتقد ہوگئے تھے اور سارے کام انہیں کے مشورہ سے طے پاتے تھے۔ اس طرح مولوی سلیم کو جب شہزادہ کی حمایت حاصل ہوئی تو انھوں نے پھر وعظ کہنا شروع کیا اور کوٹلۂ عالی جاہ کی مسجد اس کا مرکز بن گئی[2]۔

رزیڈنٹ فریزر اپنے میموارز میں ان واقعات کی تفصیل اس طرح دیتے ہیں کہ مبارزالدولہ نے اپنا لقب «عمر بن عبدالعزیز، رئیس المسلمین، جانشین سید احمد» اختیار کیا تھا اور ایک مہر بنوائی تھی جس پر یہ پورے القاب کندہ تھے[3]۔

انگریز مبارزالدولہ سے جیسے خائف تھے اس کا اندازہ فریزر کے ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ وہ انگریزوں کے لئے خطرناک اور پریشان کن شخصیت سمجھے جاتے تھے[4]۔ کرنول کے نواب غلام رسول خاں بھی درپردہ مبارزالدولہ کے ساتھ شریک ہوگئے تھے اور خفیہ طریقہ پر اپنے یہاں وسیع پیمانے پر اسلحہ کی تیاری شروع کردی تھی[5]، لیکن انگریزوں کا جوا کندھوں سے اتار پھینکنے کی خواہش میں بعض مقامات کی فوجیں اتنی بےچین ہو رہی تھیں کہ نیلور کے قلعہ میں وقت سے پہلے بغاوت ہوگئی۔ اسٹون ہاوز نے جو اس وقت نیلور کا مجسٹریٹ تھا، بروقت اس شورش کا پتہ چلا لیا اور فوراً اس کی انسدادی تدابیر اختیار کیں۔ اس طرح

۱۔ گزار ص ۴۸ا، ۴۹ ۲۔ میموارز ص ۴۷، ۶۱
۳۔ گزار ص ۴۸، ۴۹ ۳۔ میموارز ص ۶۳ ۴۔ میموارز ص ۵۵
۵۔ میموارز ص ۹۹، ۵۶

سے انگریزوں کو بے دخل کرنے کی یہ پہلی کوشش ناکام ہوگئی اور اس کے نتیجہ میں مؤلوی سلیم اپنے چھیالیس پیرؤں کے ساتھ حراست میں لے لئے گئے، اور ایک کمیشن ان واقعات کی تحقیق کے لئے مقرر کیا گیا، جس میں انگریز اور ہندوستانی عمائد شریک تھے[1]۔ اس کمیشن کی تحقیقات سے انگریزوں کے خلاف ان وسیع تیاریوں پر روشنی پڑتی ہے جو ملک کے طول و عرض میں جاری تھیں۔ جب نواب ٹونک، رامپور، سندھ، کرنول اور دوسرے مقامات کے رئیسوں کے ساتھ مبارزالدولہ کے ربط کا پتہ چلا تو انہیں اس کی پاداش میں بہ حیثیت ایک باغی کے پھر قلعہ گولکنڈہ میں نظر بند کردیا گیا۔ ان کے ساتھ ان کے دس متوسلین خاص بھی حراست میں لے لئے گئے، اور وہابیوں کی ایک کثیر تعداد کو بھی غیر معینہ مدت کے لئے قید کر دیا گیا[2]۔ مبارزالدولہ کی یہ کوشش بھی ناکام ہوگئی، جو حقیقت میں ان کی آخری کوشش تھی اور قلعہ ہی میں وہ جاں بحق ہوگئے۔

مبارزالدولہ کے تخت سلطنت پر قبضہ کرنے کی خواہش کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ ان کی یہ خواہش مساعد حالات میں بیدار ہو جاتی تھی۔ جب وہ ریاست کے اندرونی معاملات میں غیر ملکی استبداد کو دیکھتے تھے، تو مصلحتوں کے چکر میں پڑے رہنے کی بجائے وہ کچھ کر گزرنے پر تیار ہو جاتے تھے اور ان کا یہ نشہ اتنا تیز ہو جاتا تھا کہ وہ تحریر کی شکل بھی اختیار کر لیتا تھا۔

مبارزالدولہ کے بارے میں تاریخوں میں مذکورہ بالا تفصیلات تو مل جاتی ہیں، لیکن کسی تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ شاعر بھی تھے۔ صرف ایک تذکرہ میں جو «عطائے تمکین» کے نام سے موسوم ہے، ان کا ذکر شاعر کی حیثیت سے کیا گیا ہے اور ان کے تین شعر بھی نقل کئے گئے ہیں[3]۔

مبارزالدولہ نے اپنے دادا قمرالدین خاں آصف جاہ اول کا تخلص آصف اختیار کیا تھا۔ ان کا اُردو کلام عام طور سے دستیاب نہیں ہوتا۔ خوش قسمتی سے ہم کو ان کا ایک مختصر سا قصیدہ دستیاب ہوا ہے۔ یہ قصیدہ بیس اشعار پر مشتمل

۱۔ میموارز ص ۶۳   ۲۔ میموارز ص ۶۴
۳۔ تذکرۂ مخطوطات ج ۱، ص ۲۰۷

ہے۔ اس قصیدے کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہ حیثیت شاعر، ان کا رتبہ کچھ بلند تو نہیں تھا، تاہم اس میں ان کی تخت سلطنت کو حاصل کرنے کی خواہش اور مہاراجہ چندو لعل سے ان کی شدید ناپسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ قصیدہ ایک قدیم بیاض میں «قصیدۂ تصنیف مبارزالدولہ بہادر» کے عنوان سے درج کیا گیا ہے[1]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ ناصرالدولہ کی تعریف میں میں لکھا گیا تھا جو ان کے بھائی اور دولت آصفیہ کے حکمران تھے اور غالباً مبارزالدولہ کے ہمدردوں میں سے تھے۔ اس میں مبارزالدولہ نے مہاراجہ چندو لعل کے انتظام میں ملک کی بد نظمی اور فوج کی ابتری کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ چندو لعل بذل و عطا میں آفاق تھے۔ مبارزالدولہ کے اس قصیدے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ منگل کے دن دان کرتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ یہ دان ملک اور فوج کو لوٹ کر کیا جاتا تھا۔ جاگیر اور محالات رشوت کے معاوضہ میں بکتے ہیں۔ ریاست کے ساتھ اپنی ہمدردی اور مہاراجہ چندو لعل کے طرز عمل کے ساتھ ان کے جذبات ایسے ابھرتے ہیں کہ وہ کہہ بیٹھتے ہیں «جی چاہتا ہے مہاراجہ کو ریاست پر سے قربان کردوں»۔ ایک جگہ انہیں «شیطانِ ریاست» کے لقب سے بھی ملقب کیا ہے۔

یہ قصیدہ نایاب ہے، اس لئے پورا یہاں درج کیا جاتا ہے، لیکن اس کے بعض حصے خراب کتابت کی وجہ سے واضح نہیں ہو سکے۔ قصیدہ حسب ذیل ہے:

چہرہ سے نمایاں ہے ترے شانِ ریاست   پھر کیوں نہ کہیں ہم تجھے سلطانِ ریاست

اے لختِ دلِ پادشہ ملک دکن ہاں   موقع ہے اگر کہیئے تجھے جانِ ریاست

اے ابر کرم، بحر سخا، منبع احساں   سر سبز ہے تیرے سے گلستانِ ریاست

ہے کون ترے دائرۂ حکم سے باہر   یہاں سب ہیں ترے تابعِ فرمانِ ریاست

تابندہ رہے کوکب طالع ترا تا حشر   روشن ہے تری ذات سے ایوانِ ریاست

جب تک خم شمشیر مہ نو میں ہے ظاہر   اعدا ترے ہوتے رہیں قربانِ ریاست

اقبال سے قہار کے، شمشیر کے بل سے   اس عاصی کو مدت سے تھی ارمانِ ریاست

بہ عوم ریاست تو ہے فاسد وثے یک روز   کرتا ہوں مہاراجہ کو قربانِ ریاست

ابد حکم جو نافذ ہے ترا گر رہے دائم   واللہ کہ مہاواج ہو مہمانِ ریاست

ایک اور مجھے سوجھی ہے مہاراج یہ واللہ
پھبتی اوسے گر کہیئے جو شیطانِ ریاست
مہاراج کے ظلموں سے خلائق کبھی افسوس
بالکل نہ رہی جان نہ کچھ آنِ ریاست
سب ملک کو اور فوج کو یوں لوٹ کے مہاراج
منگل کو کیا کرتے ہیں وہ دانِ ریاست
جاگیر و محالات جو بکتے ہیں یہ رشوت
دانا اسے یہ کہتے ہیں دوکانِ ریاست
محتاج بھلے آدمی اور فوج ہے واللہ
گر کہیئے بجا ہے انہیں جوانِ ریاست
مہاراج کا فرزند جو ارشد ہے اوسے سب
عاقل یہ کہا کرتے ہیں نادانِ ریاست
یوں حکم ہو جاری ترا سب ملک کے اوپر
مختار بہ دستور ہو دیوانِ ریاست
تیار ہو سب فوج، ترا ملک ہو آباد
مامور ہوں خدمات پہ ارکانِ ریاست
ہیں جتنے بھلے آدمی کر حکم کہ ان کو
ملتی رہے صدقہ سے ترے نانِ ریاست
سر سبزئی دولت مجھے اب پیش نظر ہے
فدوی ہوں ترا میں بہ دل اے کانِ ریاست
آصف کی یہی حق سے دعا ہے کہ شب و روز
حاضر رہے در پر ترے سامانِ ریاست

مذکورہ بالا قصیدہ جیسا کہ ظاہر ہے مبارزالدولہ نے اپنے بھائی ناصرالدولہ کی مدح میں لکھا تھا، جو سکندر جاہ کے بعد ان کے جانشین ہوئے، قصیدہ ان کی شہزادگی کے زمانہ میں لکھا گیا تھا. قصیدہ سے اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ مبارزالدولہ کو ناصرالدولہ سے بہت محبت تھی. اور ریاست کے مخالفین اور ناپسندیدہ عناصر سے ریاست کو پاک و صاف کرنے کی بھی غالباً انہیں پوری توقع تھی.

مبارزالدولہ کی اپنے بھائی کے ساتھ یہ عقیدت حقائق پر مبنی تھی۔ اس کا اندازہ ہم کو اسطرح ہوتا ہے کہ اپنی مسند نشینی کے بعد ناصرالدولہ نے ریاست سے انگریزوں کے اقتدار اور اثر ونفوذ کو گھٹانے کی بھی کوشش کی تھی۔ ان کے عزمِ ریاست کی طرف بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ یہ عزم ریاست کس مقصد سے تھا اس کا اشارہ بھی قصیدہ میں مل جاتا ہے۔

«مہا راجہ کا فرزند» سے ان کی مراد راجہ بالا پرشاد سے ہے جو مہا راجہ چندو لعل کے بڑے فرزند تھے اور وہ اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ اس کوشش میں بعض وقت وہ بھلے برے کا امتیاز بھی نہیں کر سکتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ خود ان کے دوست انگریز عہدہ‌دار بھی ان کے مخالف ہو گئے اور بالآخر انہیں اپنے عہدہ سے ہٹنا پڑا۔ چندو لعل کے نظم و نسق پر بھی اس قصیدہ میں سخت حملے کئے گئے ہیں۔

از سید لطیف الرحمن بی۔ اے۔
(مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ)

نساخ اور اس کے کار نامے

اردو ادب کا بڑھتا ہوا سیلاب اپنے مرکزی مقامات سے نکل کر پورے ہندوستان و پاکستان پر چھا گیا۔ اس نے بنگال کو بھی اپنے حلقہ اثر میں لے لیا اور سر زمین بنگال کی ایسی آبیاری کی کہ بنجر زمین لہلہا اُٹھی۔ جو مبارک ہستیاں بنگال میں پیدا ہوئیں اور بنگال ہی میں رہ کر اردو ادب کی اہم خدمات انجام دیں ان میں مولوی عبدالغفور متخلص بہ نساخ کا نام سر فہرست نظر آتا ہے۔ نساخ کا آبائی وطن فرید پور (مشرقی بنگال) کا ایک گاؤں راجہ پور تھا۔ نساخ سنہ ۱۲۴۹ھ میں کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ نساخ نے کسی جگہ اپنا پورا نسب نامہ تحریر کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھے۔ نساخ کے والد قاضی فقیر محمد دیوانی عدالت عالیہ کلکتہ کے سرکاری وکیل تھے۔ خاصہ علمی ذوق رکھتے تھے۔ منتخب النجوم اور جامع التواریخ ان کی تصنیفات ہیں، نواب عبد الطیف خاں بہادر رئیس اعظم کلکتہ ان کے برادر کلاں تھے۔

نساخ چار سال کی عمر میں پڑھنے کے لئے بیٹھائے گیے۔ سات سال کی عمر میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں داخل ہوئے۔ سنہ ۱۸۴۷ء میں ہوگلی کالج میں داخل ہوئے۔ تکمیل علوم کے بعد ذریعہ معاش کی فکر دامنگیر ہوئی۔ طویل عرصے کے بعد مراد بر آئی، پہلے تو ایڈیشنل جج ڈھاکہ کے دفتر میں معمولی کلرک ہوئے۔ پھر صدر دیوانی عدالت عالیہ میں مترجم ہوئے۔ ستمبر ۱۸۶۰ء میں عارضی طور پر ڈپٹی مجسٹریٹ و ڈپٹی کلکٹر ہوئے جس کا خواب وہ شروع ہی سے دیکھ رہے تھے۔ سنہ ۱۸۶۲ء میں قانون کا امتحان پاس کیا اور اپنے عہدے پر مستقل ہو گیے۔ تکمیل علوم کے بعد اور ملازمت ملنے کے قبل تک عرصہ دراز تک بیکار تھے۔ ایام بیکاری میں اساتذہ کے دیوانین و کلیات زیر مطالعہ رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ [illegible] اردو زبان پر پورا پورا عبور حاصل ہو گیا اور ان کے دل میں شعر [illegible]

بھی شدت سے پیدا ہوا. مولانا رشید النبی وحشت سے دس بارہ غزلوں پر اصلاح لینے کے بعد حافظ محمد اکرام ضیغم کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا اور انہیں سے باقاعدہ اکتساب فن کیا. نساخ چونکہ بڑے زودگو اور پرگو تھے. تھوڑی سی مدت میں چودہ ہزار شعر کہہ ڈالے. اب یار دوستوں کا تقاضہ ہوا کہ دیوان شائع کیا جائے. جب اصرار حد سے بڑھا تو انہوں نے صرف تین ہزار شعروں کا انتخاب کیا اور «دفتر بیمثال» کے نام سے سنہ ۱۲۷٦ھ میں اپنا اولین دیوان شائع کیا. اس وقت نساخ کی عمر پچیس چھبیس برس کی تھی. دیوان کا ایک نسخہ حضرت غالب کی خدمت میں پیش کیا. غالب نے متاثر ہوکر کہا:

«دیوان فیض عنوان اسم با مسمی ہے. دفتر بیمثال اس کا نام بجا ہے. الفاظ متین، معانی بلند، مضمون عمدہ، بندش دلپسند. ہم فقیر لوگ اعلان کلمۃ الحق میں بیباک و گستاخ ہیں. شیخ امام بخش ناسخ طرز جدید کے موجد اور پرانی نا ہموار روشوں کے ناسخ تھے. آپ ان سے بڑھ کر بصیغہ مبالغہ نساخ ہیں. تم دانائے رموز اردو زبان ہو، سرمایہ نازش قلمرو ہندوستان ہو.»

ناسخ کو اپنی استادانہ حیثیت کا بیطرح احساس تھا. شاعرانہ تعلی سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں:

ناسخ کی غزل پہ غزل کون کہہ سکے
کیونکہ جواب ہو سخن لا جواب کا

نساخ کا مذاق سخن لکھنوی تھا. وہ ناسخ کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے اور ناسخ ہی کی طرح بجائے دل کے دماغ سے شاعری کرتے تھے اور معنوی خوبیوں سے زیادہ ظاہری خوبیوں کا خیال رکھتے تھے. نساخ صنائع و بدائع لفظی کے بڑے دلدادہ تھے. رعایت لفظی، مراعات النظیر، تشبیہات و استعارات کو کمال شاعری سمجھتے تھے. زیادہ سے زیادہ شعر کہنا بھی کمال تصور کرتے تھے. دو غزلہ، سہ غزلہ، چہار غزلہ بلکہ پنج غزلہ شش غزلہ بھی کہتے تھے. پھر یہ بھی التزام ہوتا کہ کوئی قافیہ چھوٹنے نہ پائے. بعض دفعہ قافیہ ردیفیں اتنی سنگلاخ ہوتی تھیں کہ ایک شعر بھی کہنا مشکل ہو جاتا تھا مثلاً تنویر شعاع آفتاب، توقیر شعاع آفتاب، [illegible]
[illegible] آفتاب [illegible] آفتاب [illegible]
[illegible]

[illegible] میں چراغ پر طاؤس و دماغ پر طاؤس وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ جب صنائع و لفظی بدائع الفاظ کی بازیگری اور سنگلاخ قافیہ ردیفیں کمالات شاعری ٹھہریں تو شاعری نام ہوا صنائع لفظی اور قافیہ پیمائی کا، یہی وجہ ہے کہ نساخ کے کلام میں بجائے روحانی جذبات اور قلبی تاثرات کے معشوق کے خارجی اوصاف اور آرائش جسمانی کے لوازمات بیشتر پائے جاتے ہیں۔ سبزۂ خط، کاکل پیچاں، چشم میگوں، خال فتنہ، کمر معدوم، پان، سرمہ، مسی، انگیا، کرتی، خلخال وغیرہ کے مضامین بلا کسی ندرت بیان کے اس کثرت سے آتے ہیں کہ طبیعت اکتا جاتی ہے۔
نساخ کا تیسرا اور چوتھا دیوان اساتذہ دہلی کے رنگ میں تصنیف ہوا ہے اور چونکہ یہ دواوین دہلوی رنگ میں تصنیف کئے ہیں اس لئے نساخ نے اپنے کلام کی داد اور قدردانی کے لئے اساتذہ دہلی ہی کو بار بار یاد کیا ہے۔

کسکو اے نساخ شعر اپنا سنائیں شیفتہ، آزردہ، صہبائی نہیں
نہ شیفتہ ہے نہ غالب نہ مومن ونیر ہمارے شعر کا نساخ قدرداں نہیں
نساخ و داغ و نیر و آزاد[1] خوشنوا مشہور نکتہ سنج ہیں ہندوستان میں
ہوتے اے نساخ گر اس عہد میں اس غزل کی داد لیتے میر سے

لیکن ایک جگہ ذرا بہک گئے ہیں

مرے اشعار کو سنکر نساخ آج غالب غزل سرا نہ ہوا

«ارمغاں» و «ارمغانی» کا رنگ سخن «دفتر بیمثال» اور «اشعار نساخ» سے اتنا بدلا ہوا ہے کہ مشکل سے یقین آتا ہے کہ ارمغاں اور ارمغانی کا مصنف وہی شخص ہے جو دفتر بیمثال اور اشعار نساخ کا مصنف ہے۔ چونکہ ارمغاں و ارمغانی اساتذہ دہلی کے رنگ میں ہیں اسلئے ان میں دہلی اسکول کی خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں۔ اکثر غزلیں مومن اور غالب کی زمینوں میں ہیں۔ بعض اشعار دیکھ کر داغ بھی یاد آتے ہیں جو ان کے معاصر خرد تھے۔ داغ کی زمینوں میں غزلیں بھی پائی جاتی ہیں، داغ کے رنگ کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

بزم جاناں میں رقیبوں کے اشارے دیکھیے اب تو ارمان ترا اے دل ناداں نکلا
ہوتے بزم اعدا میں وہ بے حجاب کرشمہ ہے یہ بادۂ [illegible] کا
[illegible] کے آنکھ خواب میں دیکھا کیا اسے گویا شب وصال بھی روز جزا [illegible]

[1] [illegible]

از بس ہے ہمیں شوق ہم آغوشی جاناں مجھ سے ادب شرم و حیا ہو نہیں سکتا
گھر اپنے میں لے آیا اسے بزم عدو سے دشمن کو یقیں آئے گا اب روز ہوا کا
بیٹھا ہوا ہے غیر جو پہلوئے یار میں کچھ نقش پا نہیں کہ اٹھایا نہ جائیگا

ذیل کے قسم کے اشعار انکے پرانے لکھنوی مذاق کی جھلکیا ہیں

لینے لگے جو وصل میں بوسہ وہ بول اٹھے اللہ کیا کروں یہ مری جان کھا گیا
ناسخ کیجیے یار کے کس عضو کی صفت سینہ جو دلربا ہے گات دلفریب
رنگ پاں کھلتا ہے نہ مسی نہ گیسوئے سیاہ بوسہ دینا وصل میں وہ آپکے منہ پر کھلا
مرتبہ مجھکو شہیدوں کا جو حاصل ہو گیا کیوں نہ ہو گردن پہ میری حق تری شمشیر کا
بخدا بیٹھ رہو بزم میں ہرگز نہ اٹھو ورنہ کہتے ہیں کہ ہنگامۂ محشر ہوگا

• ناسخ متنوع ذوق کے شاعر و ادیب تھے۔ ناسخ کے بارے میں صرف یہ کہنا کہ وہ بہت بڑے شاعر تھے کافی نہیں۔ ناسخ کامل الفن شاعر ہونے کے علاوہ زبردست ادیب بھی تھے۔ ڈپٹی مجسٹریٹ اور ڈپٹی کلکٹر ہونے کی وجہ سے سرکاری کاموں سے فرصت بہت کم ملا کرتی تھی۔ اکثر دورے پر جاتے تھے۔ مہینے چھ مہینے سال ڈیڑ سال میں تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ آج یہاں تو کل وہاں۔ اسکے باوجود ناسخ نے ادبی خدمات کے لئے اتنا وقت نکال لیا کہ کثیر التعداد تصنیفات و تالیفات اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ تفصیلات حسب ذیل ہیں۔ ناسخ کی ساری کتابوں کے نام تاریخی ہیں۔

۱ ۔ سخن شعراء — تقریباً دو ہزار چار سو چھیالیس اردو شعرا اور اڑتیس شاعرات کا اردو میں تذکرہ ہے۔ شعراکے نہایت مختصر حالات زندگی کے ساتھ جملاً ان کی شاعری کی خصوصیات اور کلام کا انتخاب بھی دیا ہے۔ زیادہ تر شاعر ایسے ہیں جن کے صرف نام، تخلص اور نمونہ کلام کے طور پر ایک دو شعر دئیے ہیں۔ کہیں کہیں اور بھی اختصار سے کام لیا۔ اس میں بنگال کے بعض ایسے شعرا کے حالات ملتے ہیں جو اور کہیں نہیں ملتے۔ سنہ ۱۲۹۱ھ میں شائع ہوا۔ نمونہ تحریر ہے۔

مومن تخلص حکیم مومن خان مرحوم ولد حکیم غلام نبی خاں متوطن دہلی کے [illegible] غزل میں شاہ نصیر دہلوی سے اصلاح لی تھی [illegible]
[illegible] قضا کی۔ [illegible] مومن [illegible] انکی وفات کی تاریخ [illegible]

وطب میں خوب دخل رکھتے تھے۔ جمیع اصناف سخن پر قادر تھے۔ اشعار انکے پر مضمون وشوخی و عاشقانہ و نمکین ہوتے ہیں راقم کے زعم میں اس مزے کی طبیعت کا کوئی شاعر ریختہ گویوں میں گزرا نہیں۔ کلیات ان کا نظر سے گزرا (مومن کے بس اتنے ہی حالات ہیں)

۲۔ زبان ریختہ — زبان اردو پر مختصر اور جامع تحقیقی رسالہ ہے، سنہ ۱۲۷۰ھ میں شائع ہوا۔ عہد بعہد کی ترقی اور کلام کا نمونہ بھی پیش کیا گیا ہے یہ نساخ کے ذوق و تحقیق و تفتیش کا ثبوت ہے۔ ذیل کا اقتباس پڑھئے۔

«بعضوں نے نظم اردو کے ریختہ کہلانے کی وجہ تسمیہ اس طرح پر بیان کیا ہے کہ معماروں کے محاورے میں ریختہ اس مصالحہ کو کہتے ہیں جس کو واسطے استحکام در و دیوار کے چند اجزاء مخلوط کرکے بناتے ہیں اور چونکہ زبان اردو کی نظم میں بھی الفاظ عربی مثل اللہ و رسول، فارسی مثل دل و زبان و ترکی مثل چاقو و باورچی و عبرانی مثل یوسف و ہارون و یونانی مثل کیمیا و قرطاس و اصطرلاب و ھندی مثل خچر و پرتلا و انگل و سنسکرت مثل موتی و دانت و لجالو و ثامل مثل آڑو بمعنی ماش و تلگو مثل بڑا جو کدو و ماش وغیرہ چیزوں سے بناتے ہیں و زبان گجراتی مثل ننھا بمعنی خورد کے و زبان چینی مثل لیچی یا لیچو میوۂ معروف و زبان ملائی مثل گودام و زبان امریکا مثل تمباکو کی ترکیب ہے۔ اسی لئے اس کا نام ریختہ رکھا گیا ہے»۔

۳۔ دفتر بے مثال — نساخ کا دیوان اولیں ہے جو سنہ ۱۲۷۲ھ میں شائع ہوا۔ غزلیں لکھنوی رنگ میں کہی گئی ہیں۔ یہ دیوان ناسخ لکھنوی کے دیوان دفتر پریشان کے جواب میں تصنیف ہوا ہے۔ اس میں معمیات بھی ہیں۔ ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے۔

صفت مہر نبوت کی ہے مطلع میرے دیوان کا
ہوا ہے زرد جس سے رنگ رو مہر درخشاں کا

کچھ منتخب اشعار ہیں۔

کسی کو آنکھ اٹھا کر نہ اک نظر دیکھا — رہا جو مد نظر چشم پر حیا کا [illegible]
گیسو ہٹے جو رخ سے [illegible] — [illegible] ابر سے خورشید [illegible]
[illegible] کہ [illegible] ہے بار بار — [illegible] کرے [illegible]

اس دلربا کا جلوہ ہے چشم پر آب میں — ہم نے پری کو بند کیا ہے حباب میں
دم بھر تری نگاہ کو ہوتا نہیں قرار — صیاد پھرتے رہتے ہیں شوق شکار میں
آیا وہ رشک گل مرے بالیں پہ نزع میں — شام خزاں بھی کم نہیں صبح بہار سے
معجزہ یہ سیر دریا میں دکھایا چاہیے — عکس رخ سے آگ پانی میں لگایا چاہیے
خط سیہ بند ھق ہے امید صبح وصل — ہے عید وقت شام پر اکنہ روزہ دار کو
چڑھ گیا ہے یہ مرے نالہ سوزاں کا دھواں — نام رندان خرابات نے رکھا بدل

٤ - اشعار نساخ - نساخ کا دوسرا دیوان ہے جو سنہ ۱۳۸۳ھ میں شائع ہوا۔ یہ بھی لکھنوی رنگ میں ہے ، اس میں غزلوں کے علاوہ چند رباعیات بھی ہیں۔ اس دیوان کی ابتدا ایک فارسی غزل سے ہوتی ہے جس کا مطلع اول یہ ہے

خدا یا شوخی ارنی عنایت کن زبانم را
بزن آتش ز شمع لن ترانی جم و جانم را

کچھ اشعار ملاحظہ ہوں

مجھسے قیس و کوہکن درس جنوں لینے لگے — داغ سودا سر پہ دستار فضیلت ہو گیا
نسیم شوق بیاں سے برنگ غنچۂ گل — شگفتہ اپنا کبھی غنچۂ زباں نہ ہوا
دل وجگر میں ، رگ وپے میں ، دیدہ وسر میں — مقام عشق کا اے جاں کہاں کہاں نہ ہوا
غبار خاکساراں اڑکے سوئے چرخ جاتا ہے — تعجب کیا فلک پر ہو اگر کوئی زمیں پیدا
پھول جھڑتے ہیں چمن میں اس دہان تنگ سے — ہوش بلبل اڑ گیا ایسا کہ عنقا ہو گیا
جانے کا ان کو قصد یہاں سے مگر ہے آج — گردش پھر آسماں کی برنگ دگر ہے آج
منتظر وصل میں اس کا کہ اٹھ جائے حجاب — اور ان کو نالۂ مرغ سحر کا انتظار
عاشق پہ ایک لطف یہ سوسو ستم ہے شرط — ایسا نہ ہو کہ کوئی کہے بیوفا ہو تم
اوس پڑجائے غنچہ و گل پر — دیکھیں جو تیرے مسکرانے کو

۵ - ارمغان — نساخ کا تیسرا دیوان ہے جو اساتذہ دہلی کے رنگ میں مصنف ہوا ہے۔ سنہ ۱۲۹۲ھ میں شائع ہوا۔ دیوان اس شعر سے شروع ہوتا ہے

یہ دیا دل اسے جو ظالم پہ مائل نہ ہوا — اس کو چاہا کہ کبھی ہم سے جو [illegible] نہ ہوا

کچھ اور شعر سنئے

[illegible] کا ہے امانت کی طرح — [illegible]

[illegible]

کر رہا ہے پھر نمکپاشی کا شاید انتظار　　ورنہ کیوں ہے دیدۂ زخم دل مضطر کھلا
آتا ہے کبھی ذکر تو کہتا ہے وہ عیار　　تم مہر کسے کہتے ہو ہے چیز وفا کیا
مضطر جو رات ہوگئے وہ حال دیکھکر　　ہے عرش پر دماغ دل بے قرار کا
وہ آتے آتے باغ میں جو گھر کو پھر گئے　　ہے خوف مجھکو رنگ چمن کے ثبات کا
کس کی مجال ہے کہ دل اپنا بچا سکے　　لاکھوں ہی شوخیاں ہیں تری اک نگاہ میں
پردہ کسی کا دیکھنے کی کس کو تاب ہے　　پردہ اُٹھاؤ کس لئے منہ پر نقاب ہے

آنکھوں میں ہے جو پیار تو دل میں نہ رکھ غبار
دل سے بھی دل ملے جو نظر سے نظر ملے

۶ ۔ ارمغانی ــ نساخ کا چوتھا دیوان ہے جو سنہ ۱۳۰۳ھ میں اشاعت پذیر ہوا۔ یہ بھی اساتذہ دہلی کے رنگ میں تصنیف ہوا ہے۔ ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے۔

جلوۂ طوز نے مارا　　دل خاکی کو نور نے مارا

کچھ اور شعر ملاحظہ ہوں۔

میں عدم تھا زندۂ جاوید　　مجھ کو میرے ظہور نے مارا

قتل کے بعد نہ تھا قطرۂ خوں دل میں
وہ یہ سمجھے تھے کہ پنہاں کوئی ارماں ہوگا

وہ ہی پہلو سے اُٹھ گیا جب رات　　سینے میں دل رہا رہا نہ رہا
وہ ہو نساخ ؟ اور دنیا ہو　　میرا کیا میں ہوا ہوا نہ ہوا
کشتی بغیر صحرا نوردی ہو کس طرح　　اشکوں سے بحر ہوگیا صحرا نہیں رہا
قبر پر آئے وہ زہے قسمت　　ہے کہاں پائے زندگانی آج
ہر وقت تیرا دھیان ہے ہر وقت تیرا ذکر　　دیوانے تیرے بیٹھے ہیں ہشیار کی طرح
دنیا کی فکر، نے غم روز حساب تھا　　بڑھ کر جنوں سے بھی مرا عہد شباب تھا
خیال آنے لگا ہے پھر کسی زلف پریشاں کا　　خدا حافظ ہے اے نساخ داماں و گریباں کا

داغ دہلوی نے قطعۂ تاریخ کہا جس کا ہر مصرعہ تاریخی ہے۔ قطعہ ہے

بنگالے میں محبوب زباں شان خدا ہے　　یہ دلکش و نیکو ہے گلستان چہارم
عاشق ہو مطلوب ہو مقبول ہو معشوق　　دلدار ہو نساخ کا دیوان چہارم

۷ ۔ مرغوب دل ــ نساخ کی فارسی رباعیات کا ردیف وار مجموعہ [illegible] سنہ ۱۲۸[illegible]ھ میں شائع ہوا۔ اس کی پہلی رباعی [illegible]

پاژب شده ام تبه یامرز مرا شد روے دلم جبه یامرز مرا

دردا که بجز گنه نکردم کارے بخشندۂ ہر گنه یامرز مرا

ایک اور رباعی ہے

در میکده کشتی شرابے دیدم بردوش ہلال ماہتابے دیدم

آں کشتی مے نیست که دیدم ساقی در خانه قوس آفتابے دیدم

۸ ـ شاهد عشرت ـــ سراپائے معشوق کی شاعرانه تصویر کھینچی گئی ہے ۔ اشاعت شعبان سنه ۱۲۹۱ھ میں ہوئی، سنه ۱۸٦٤ء میں شاہد عشرت سننے کے لئے مٹیا برج میں ایک بزم مشاعره منعقد ہوئی ۔ سامعین سن کر بہت محظوظ ہوئے ۔ نمونه کلام ہے

ہے آفت جاں بلا وہ قامت یا کہئے نمونۂ قیامت

وہ سر پہ دوپٹه آسمانی عاشق کو بلائے آسمانی

ہے منتخب اس کی زلف پرفن ہے مانگ کی یه الف سے روشن

پیشانی پہ ہے جو خال پیدا ہے سورۂ والنور کا یه نقطا

ابرو میں اسکے جو پیچ وخم ہے شمشیر کا محو اس پہ دم ہے

بے مثل و مثال ہیں اُسکی آنکھیں آیات قتال ہیں اُسکی آنکھیں

شمع سر طور ہے وہ بینی فوارۂ نور ہے وہ بینی

۹ ـ گنجینه تواریخ ـــ نساخ کے کہے ہوئے قطعات تاریخی کا مجموعه ہے جو سنه ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوا ۔ شروع اسلام سے لے کر اپنے عہد تک کے بہت سے لوگوں کی تاریخ وفات کہی ہے ۔ قطعات فارسی میں ہیں ۔

۱۰ ـ کنزالتواریخ ـــ گنجینه تواریخ کا ضمیمه ہے جو سنه ۱۲۹٤ھ میں شائع ہوا ۔ تین قطعات کے علاوہ جو ڈھاکے کے شاہ باغ کی تعمیر پر نظم کئے گئے ہیں سارے قطعات فارسی میں ہیں ۔ پہلا قطعه ملاحظه ہو ۔

سید کونین فخر انبیا قبله روح و رونق دو جہان

احمد مرسل محمد مصطفیٰ مقتدائے آدم و کروبیان

[illegible]

[illegible]

گفتم اے نساخ سال نقل او   دل زآدم رفت و روح از قدسیان

۲۲۵   ۲۱٤   ٤۵   ۳٤
۲۱٤   ۳٤
۱۱   ۱۱ھ

۱۱ ۔ قند فارسی — فارسی اشعار کی بیاض ہے جو جولائی سنہ ۱۸۷۲ء میں شائع ہوئی، جس میں سر سید، حالی، داغ اور امیر کا بھی فارسی کلام پایا جاتا ہے،

۱۲ ۔ قطعہ منتخب — مختلف اردو شعرا کے عمدہ قطعات کا ردیف وار مجموعہ ہے جو سنہ ۱۲۷۲ء میں شائع ہوا. شعرا کے نام، تخلص اور مختصر حالات بھی درج ہیں.

۱۳ ۔ چشمۂ فیض — پند نامہ شیخ فریدالدین عطار کا منظوم اردو ترجمہ ہے. جون سنہ ۱۸۷٤ء میں شائع ہوا. نمونہ ترجمہ

جو کہ ہووے اہل ایماں اے عزیز   پاک رکھے چار شے سے چار چیز
پاک کر دل کو حسد سے اے پسر   پھر سمجھ اپنے کو مومن بے خطر
پاک رکھ تو کذب و غیبت سے زباں   تا نہو ایمان کو تیرے زیاں
گر عمل رکھے ریا سے پاک ابھی   شمع ایمـــاں کو ہو تـــیری روشنی
گر نہیں تیرے شکم میں ہے حرام   صاحب ایماں ہے پھر تو لا کلام

۱٤ ۔ منتخبات دواوین شعرائے ہند — اساتذہ کی چیدہ غزلوں کو ردیف وار اکٹھا کرکے دیوان کی صورت میں ترتیب دیا ہے. تمہید انگریزی میں ہے جو ایک انگریز کی لکھی ہوئی ہے. سال طباعت سنہ ۱۸٦٤ء ہے.

۱۵ ۔ انتخاب نقص —

مختصر رسالہ ہے سنہ ۱۲۹٤ھ میں شائع ہوا. سبب تالیف نساخ کی زبانی سنئیے.

« ایک مدت دراز سے فصاحت و بلاغت جناب مرزا سلامت علی دبیر و میر ببر علی انیس کا شہرہ سنا جاتا تھا اور بزعم بعضے روئے زمین پر کمال فضل میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا. چند بار ان کے مرثیوں کے سننے کا اتفاق ہوا تو کچھ اور ہی حقیقت ظاہر ہوئی اور جا بجا شبہات فن شاعری کے خاطر میں پیدا ہوئے. تاہم ان کے معتقد لوگ یہی جانیں کہ کاتب کی غلطی ہے مگر یہ امر بعید از قیاس ہے. ہر غلطی کا اسلوب [illegible] ہیں جو نقصان نظر آئے جا بجا سے لکھے جاتے ہیں.

نمونہ اعتراض ملاحظہ ہو۔

انیس کے مصرعے۔

ع رانڈ ہوتی ہے اک رات کی بیاہی ہوئی دختر

ع یہ کہہ کے بس عورات نے عریاں کیے سر

ع باہیں جو گلے میں تھیں تو بند دیدہ خونبار

اعتراض — یہ سب مصرعے ناموزوں ہیں۔ ان میں پہلے میں رانڈ کی ڈال دوسرے میں عورات کا عین تیسرے میں بند کی دال تقطیع سے گر گئی

انیس کا مصرعہ

تھا زیر زرہ گاؤ سر اس طرح کا بکتر

اعتراض — بکتر گاؤسر نہیں ہوتا۔

۱۶ ۔ سوانحعمری نساخ ۔ چھپی نہیں ۔ قلمی نسخہ مغربی بنگال ایشیا ٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔ اس میں انہوں نے اپنا شجرہ نسب، خاندانی حالات اور زندگی کے بہت سارے واقعات مزے لے کر بیان کیے ہیں۔ ان کے انداز بیان سے ان کی خوئے خود پسندی و خود نمائی آشکار ہے۔

۱۷ ۔ تذکرۃالمعاصرین ۔ نساخ کے ہم عمر فارسی شعرا کا نامکمل تذکرہ ہے یہ تذکرہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ وحشت صاحب کی نظر سے گزرا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اس تذکرے سے معلوم ہوتا ہے کہ سر سید جو آہی تخلص کرتے تھے، داغ دہلوی اور امیر مینائی بھی فارسی میں شعر کہتے تھے۔

سر سید کا شعر ہے

خاکم چوں بجویند بمیدان قیامت افتادہ بہر گوشہ دامان تو یابند

داغ کا شعر ہے

دگر آرام کجا داد کرے کہ یکے ہست خدائے من و تو

امیر کا شعر

بیخودی برد سر منزل مقصد امیر نیست در راہ جنوں راہبرے بہتر ازیں

۱۸ ۔ ثمرۃ [illegible] ۔ نساخ کی چوبیس [illegible] رباعیات کا ردیف وار مجموعہ [illegible]

[illegible] کی [illegible] رباعیات کے [illegible]

[illegible] نساخ کے ایک [illegible]

[illegible] سے ایک رباعی مع شرح ملاحظہ ہو۔

وہابی کو اجماع انکار ہوا اجماع میں گفتگو ہو مومن کو کیا
لا تجمع کہا رسول برحق نے اور اتبعوالواد الاعظم بھی کہا

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا تجمع امتی علی الضلالۃ یعنی نہیں مجتمع ہوگی امت میری اوپر گمراہی کے اور فرمایا اتبعوالوادلااعظم فمن شذ شذ فی النار یعنی پیروی کرو بڑی جماعت کی پس جو جماعت سے جدا ہوگیادفن داخل ہو گیا وہ دوزخ میں انتہی۔ ان دونوں حدیثوں سے اجماع کا حق ہونا ثابت ہو گیا۔

(از محمد سخاوت مرزا بی اے ال ال بی، حیدرآباد)

ابو المعرفت شاہ زین الدین کنج نشین بیدری رح

شاہ زین الدین نام ابو المعرفت کنت کنیج نشین خاندانی لقب سجادہ تخلص اور وطن بیدر شریف، سجادہ درگاہ حضرت زین الدین شاہ بغدادی کنج نشین بیدوی و جانشین حضرت جمال الدین عرف چندا شاہ صاحب (المتوفی ۱۳۱۷ ھ)

جد اعلی مولانا شاہ زین الدین کنج نشین رح [۱]۔ (۷۶۷،۸۶۱) خلیفہ شیخ احمد کھٹو رح بہ و واسطہ حضرت سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی قدس سرہ [۲]۔(المتوفی ۲۹۸ ھ) کے فرزند شیخ شعار الدین جنیدی [۳]۔ کی اولاد سے تھے جو بزمانہ علاو الدین بہمنی [۴] الملقب بہ احمد شاہ ثانی (۸۳۸/۸۶۲ ھ) گجرات سے محمد آباد بیدر تشریف لائے شہر کے باہر جہاں آپکا مزار شریف ہے قیام فرمایا، بادشاہ وقت کو خبر ہوئی تو آپ کو بلوایا۔ آپنے کہا کہ بابا ہم کنج نشین ہیں ہم کو باد شاہ سے کیا کام ہے۔ آپکے مبلغ علم اور عظمت و بزرگی کا لحاظ کرکے خود حاضر ہوا بڑی خاطر مدارات اور احترام کیا اسطرح آپکا لقب کنج نشین ہوگیا۔

نسب:

شجرۂ نسب یہ ہے:۔ شیخ الشیوخ شاہ زین الدین کنج نشین جنیدی [۵] اونکے فرزند شاہ جمال الدین اونکے شاہ نظام الدین اونکے شاہ علاؤ الدین اونکے شاہ نظام الدین اونکے شاہ جمال الدین اونکے شاہ حسین اونکے شاہ فیض اللہ اونکے شاہ محمد اونکے شاہ احمد اونکے شاہ قادر محی الدین۔

[illegible]

شاہ قادر محی الدین

شاہ اسمٰعیل　　شاہ احمد　　شاہ حسین　　شاہ محمود
　　　　　　　لا ولد

شاہ جمال الدین
چندہ شاہ رح مرشد

ظفر جنگ مرحوم　　قادر محی الدین　　زین الدین المتخلص
　　　　　　　　　　　　　　　　　　　سجادہ

غرض آپکے بنی اعمام میں آپکے برادر عمزاد اور مرشد حضرت شاہ جمال الدین[1]۔ عرف چندا شاہ رح بہت مشہور تھے، سجادہ صاحب سنہ ۱۲۹۹ ھ میں بمقام بیدر قدیم دارالسلطنت سلاطین بہمنیہ پیدا ہوئے اور یہیں نشوو نما پائی، اپنے مولد کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے۔

بیدر رہے خدایا محفوظ ہر بلا سے　　ہے یہہ ہمارا مولد ہے یہہ وطن ہمارا

تعلیم و تربیت :-

آپنے مدرسہ صوفیہ محمد آباد بیدر میں تعلیم پائی، ابتدائی کتابیں فارسی کی مولوی ملتانی بادشاہ بیدری اور مولوی عبدالقادر[2]۔ صوفی واعظ المتخلص بہ رازسے پڑھیں، اصول فقہ اور حدیث کی تکمیل مولوی محمد عبد الحلیم صاحب افضل گڈھی بجنوری تلمیذ مولانا رشید احمد[3]۔ گنگوہی دیوبندی استاد مدرسہ صوفیہ سے کی اور اٹھارا سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے، مگر تحصیل علم کی پیاس نہ بجھی ماہ ذی الحج سنہ ۱۳۱۹ ھ میں دہلی گئے، اولاً مولوی سید محمد نذیر حسین[4]۔

---

[1] یہہ اشارہ مرشدا ظفر جنگ برادر المتوفی ۱۳۲۷ ھ (بستان آصفیہ مؤلفہ مانک راؤ وٹھل راؤ حیدرآباد مطبوعہ ص ۴۰۵-۴۰۶
[2] دیوان عبدالقادر صوفی الموسوم بہ فغان راز حیدرآبادی کی مشہور عالم اور صوفی تھے [illegible] اور [illegible] مطبوعہ ۱۳۱۰ ھ طبع اول حیدرآباد طبع ثانی حسب ایما مہاراجہ [illegible] تذکرہ [illegible] مؤلفہ عبد العزیز نگرامی مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۸۹۷ ء ص ۲۰۶ [illegible]
[illegible]

دہلوی مرحوم سے خط کے ذریعہ استمزاج فرمایا، اسکا جواب مولانا نے یہ دیا۔ «مرسلہ خط آپکا پہنچا، اللہ آپکے شوق ذوق کو پورا کرے یہ فقیر کا گھر ہے یہاں کسی کی روک ٹوک نہیں آپ شوق سے چلے آئیں جوکچھ خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے اس سے مجھے دریغ نہیں»۔

غرض آپ دہلی گئے، کچھ دنوں مولوی نذیر حسین سے پڑھا اس کے بعد مولانا رشید احمد سے (سہارنپور) جاکر تفسیر میں بصیرت حاصل کی اور کچھ حصہ فصوص الحکم کا مصنفہ شیخ اکبر ابن عربی کا بھی پڑھا۔ اور مولانا کے دست مبارک پر بیت سے بھی مشرف ہوئے وہاں سے دیوبند گئے۔ اور شیخ الہند محمود الحسن[1] دیوبندی سے صحاح ستہ کو از سر نو دہرایا۔ غرض ایک سال تک شمالی ہند میں رہے۔ مختلف شہروں کی سیر کی۔ کلبرگہ شریف دہلی، گنگوہ سہارنپور، آگرہ اجمیر۔ غرض جہاں کہیں رہے وطن کی یاد میں بے چین رہے۔ ساتھ ہی ساتھ مشق سخن بھی جاری رہی۔ وطن کو خیرباد کہتے وقت مرثیہ کہا اور ہر جگہ وطن کی یاد تازہ رہی۔

بیدر سے جو چلے ہند کو ہم ساتھ اپنے نہ تھا کوئی بجز غم
مونس تھا کوئی نہ کوئی ہمراز غمخوار تھا کوئی اور نہ دم ساز
فرقت میں عزیز و اقربا کے۔ فرقت میں محب و آشنا کے
تھی اہل وطن کی یاد ہر دم غالب تھا ہمیشہ درد اور غم
تھا دل کا پیالہ غم سے لبریز دیتا تھا صدا فراق کہ ریز

دہلی میں کہا

کہاں شہر دہلی و بیدر کہاں مگر کھینچ لائی ہے قسمت یہاں

گنگوہ سہارنپور میں

ابھی میں تو سہارنپور میں ہوں خبر کیا ہو میری اہل وطن کو

کلیر شریف میں شیخ علاؤالدین صابر قدس کے مزار کی زیارت[2] کی فرماتے ہیں

عقل سجادہ کہاں ہے یہاں کہاں اہل وطن
یہ تو کلیر ہے یہاں کرتے ہو بیدر کی تلاش

[illegible]

علم باطن

مولانا شاہ جمال الدین المعروف بہ چنداشاہ رح سے علم باطن حاصل کیا ریاضت و مجاہدہ، چلہ کشی برسوں کرتے رہے، علم دعوات میں بھی آپکو خاص مہارت حاصل تھی۔

مذہب

اہل سنت والجماعت حنفی المذہب اور شرع کے سخت پابند تھے۔ قادری الطریقہ اور عقاید صوفیہ میں وحدۃ الشہود کی طرف زیادہ رجحان رہا۔ سماع کے مخالف تھے، خاندانی طریقہ سے آپکا سلسلہ شاہ حضرت جنید بغدادی رح سے ملتا ہے۔ اور بتوسط مولانا رشید احمد گنگوہی رح حضرت شاہ امداد اللہ[1]۔ مہاجر مکی رح خلیفہ شاہ نصیرالدین دہلوی و شاہ نور محمد جھنجھانوی سے اور مولانا چندا شاہ رح کے واسطے سے مولانا شاہ فضل الرحمن[2]۔ گنج مرادابادی (التوفی ۱۳۱۳ ھ) تک پہنچتا ہے۔

معاصرین شعرا، امرا اور علما

ملاعبد القیوم[3]۔ مولانا رضی الدین حسن کیفی[4]۔ سجاد علی میکش تھانوی[5]۔ سید کاظم[6]۔ حبیب کھنتوری مظفرالدین معلی[7]۔ احسن مارہروی، سایل دہلوی تلامذۂ داغ سے خط و کتابت رہی ہے۔ اور بیدر میں مولوی محبوب خان[8]۔ جنون، محمد وزیر فکر غلام رسول مجرم، معشوق علی خاں جوہر وکیل۔ محمد یوسف بسمل[10]۔ سے خاص تعلقات رہے ہیں جن کی تعریف کی اور دعا دی ہے۔

بسمل و فکر و جنون سے بھلا اب استاد کہاں
رکھے اللہ انہیں، ہیں یہ ہمہ دانِ بیدر

۱۔ تذکرہ علمای حال مطبوعہ ص ۱۶ ۲۔ شیخ فضل الرحمان مرادابادی تلمیذ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی و خلیفہ شاہ محمد آفاق خلیفہ شاہ غلام علی دہلوی ص ۷ تذکرہ علماء حال مطبوعہ
۳۔ مجلہ نظامیہ خصوصی نمبر ملا عبدالقیوم حیدراباد ۱۲۵۹ھ ۴۔ کیفی کیف سخن مطبوعہ
۵۔ میکشی شہدت موزج بیان (سجاد علی) ترک صوفیہ مرتبہ غلام صمدانی گوہر حیدرابادی
۶۔ سید کاظم حبیب کنتوری تلمیذ صفیر (تذکرہ شعرا دکن مولفہ عبدالجبار ملکاپوری مطبوعہ حیدراباد)
۷۔ معلی ص ۱۰۳۵ شعرای دکن ملکاپوری ۸۔ محبوب خان جنون بیدری فارسی اردو [illegible]
(برادر یعقوب خان اعجاز وکیل [illegible] سخنوران دکن [illegible])
۹۔ [illegible] خیالی [illegible] مولوی عبدالغنی مولف گل رعنا
۱۰۔ بسمل [illegible] غلام مصطفی [illegible] بیدری تذکرہ سخنوران [illegible]

بعض معاصرین سے خط و کتابت

سجادہ صاحب کے خط کے جواب میں منجانب کاظم کنتوری ضامن کنتوری لکھتے ہیں :

« وطن گئے تھے نیز طبیعت ناساز رہی، درنیولا تصنیف مراثی حضرت امام حسین کی جانب زیادہ تر میلان ہے۔ جس کی وجہ سے تلامذہ کے کلام پر اصلاح بھی یک چند موقوف رہی »

« کل پانچ بجے شام کو بترسیل تذکرہ میں نے یاد دہی کی اس وقت فی البدیہ قطع تاریخ (دیوان) کہہ کے مجھے دیا۔ اور فرمایا شاہ صاحب کی خدمت میں معذرت کے ساتھ بھیج دو اور وجوہات تاخیر کس قدر توضیح سے دیکھو کہ ان کو شکایت نہ رہے۔

دیوان اول طبع ہوا ہے۔ عارفانہ مذاق ہے۔ یہ دیوان لاجواب ہے »

(مکتوب ۱۹ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۰ ھ)

سجادہ صاحب جناب حبیب کنتوری کے مشاعروں میں بھی غزلیں بھیجا کرتے تھے۔

مولوی مظہر الدین معلیٰ سے بھی اچھے تعلقات تھے ایک مکتوب مورخہ ۲۱ ربیع الاول سنہ ۱۲۲۰ ھ کے ذریعہ قطعہ تاریخ دیوان بھیجا تھا اور انتقال سر مہا راجہ بہادر سر کشن پرشادم اور مولوی عبدالرزاق صاحب معتمد صرفخاص کی خبر دی تھی۔

احسن مارہری کے ذریعہ استاد داغ نے قطعہ تاریخ دیوان بھیجا تھا جس میں ضمناً یہ بھی لکھا ہے کہ «ایک جوابی کارڈ شعر اشتہار جلوۂ داغ بھیجا ہے یقین ہے پہنچ گیا ہوگا، جلوہ داغ میں حضرت استادی مدظلہ کی سوانح عمری ہے اس کی ضرور سیر کیجئے» (احسن مارہروی)

ان میں سراج الدین احمد خان سائل کا خط سجادہ صاحب کے نام ایسا رکھا ہے جو استاد داغ کے تعزیت نامہ کا جواب ہے اور بعض خاص واقعات پر روشنی ڈالتا ہے

«جناب سجادہ صاحب محترم زاد عنایتہ تسلیم آپ کا عنایت نامہ جس تعزیت [illegible] وصول ہوا جو سید علی احسن کے نام بھیجا تھا اس [illegible]

[illegible]

کا ماتم دار و ہوا دار باعتبار خاص عزیز داری میں ہوں کہ اوستاد داغ مرحوم میرے چچا میرے خسر تھے، میرے استاد تھے، سید علی احسن مارہرہ کے رہنے والے عام تلامذہ میں رہنے میں بس ایک صاحب تھے جو ایک عرصہ تک یہاں رہ کر اور کچھ اوستاد مرحوم کو رنج دیکر یہاں سے چلے گئے اس لئے ملتمس ہوں کہ آئندہ جو خط و کتابت آپ پسماندگان اوستاد سے کسی غرض میں کریں مجھ سے کریں۔ میں نے بہت سے قطعات وفات اوستاد کو جمع کیا ہے اور ایک سال کا مجموعۂ انشاالله تعالیٰ بشرط زندگی چھپوایا جائیگا، اگر آپ اجازت دیں گے اور مجھے بھجینگے تو ان کی درستی ہوسکتی ہے۔ میں جیسے اور استاد مرحوم کے دوستوں کا خادم ہو ویسا آپ کا بھی نیاز مند ہوں (و التسلیم آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل تخلص ٦ مارچ سنه ١٩٠٥ء (م اردی بہشت سنه ١٣١٤ ف)

مولانا محمد انوار الله خان[1] ـ صاحب فضلیت جنگ بہادر کو مرہوم وزیر امور مذہبی وبانی مدرسہ نظامیہ عربی حیدر آباد سے بھی آپ کے خاص تعلقات تھے بلکہ تصوف کے درس میں بھی مولانا کے یہاں شریک رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی صاحب کے بنگلہ پر مقیم تھے، آم کا تحفہ عنائت ہوا تو اوس کے شکریہ میں حسب ذیل قطعہ کہا تھا جس کی وجہ تصنیف اس طرح لکھی ہے

«بزمانیکہ من در حیدر آباد در انور منزل نزد حضرت مولانا مولوی محمد انوار الله خان صاحب معین المہام مقیم بودم از راہ مکرمت مرایک کشتی انبہ عطا فرمودند در شکریہ آں ایں قطعہ اردو گفتہ گزاریندم»

تقدیر کا میری جو ستارہ چمکا دربار حضرت کے ہوئے آم عطا
الله سلامت رکھے حضرت کو مدام سجادہ یہ کرتا ہے دعا صبح و شام
الفقیر قوم ٢٦ ـ شعبان یک شنبہ انوار منزل حیدر آباد (سنه ١٣٣٥ ھ)

مولانا انوار الله صاحب رح بیدر تشریف لائے۔ مدرسہ صوفیہ[2] بیدر جس میں ہزار سے زائد طلباء تعلیم پاتے تھے جس کے بانی حضرت چچا شاہ تھے، شاہ صاحب کے وصال کے بعد بوجہ مالی مشکلات بند ہو چکا تھا [illegible]

---

[1] [illegible]
[2] [illegible]

مشائخین بیدر کو جمع کیا اور مدرسہ کے قیام پر زور دیا بالآخر مدرسہ صوفیہ کو از سر نو جاری کرنے کی تجویز ہوئی ۔ سرکاری امداد بھی دی گئی کچھ چندہ بھی جمع ہوا ۔ سجادہ صاحب بالا تفاق مدرسہ کے منتظم مقرر ہوئے ۔

نواب شمس الملک ظفر جنگ بہادر [3] (ابن نواب خورشید خان بہادر) [illegible] برادر پیر طریقت کے مرید خاص تھے ۔ بڑی تعظیم ملحوظ رکھتے تھے ۔ مہا راجہ کشن پرشاد بہادر شاد بھی حضرت چندا شاہ رح کے مرید تھے ۔ جب کبھی بیدر آتے ضرور ملتے ایک مرتبہ سجادہ صاحب کے فرزند کی شادی میں نوشہ کو اشرفیاں بطور سلامی عطا فرمائی تھیں ۔

نواب لطف الدولہ بہادر و نواب [4] رفعت یار جنگ مرحوم بھی خاص عزت کرتے تھے ۔ [5] نواب نظامت جنگ مرحوم سے بھی خاص خلوص و محبت تھی ۔ غرض وہ خاصکر بیدر میں مرجع خاص و عام رہے ہیں ۔

ذریعہ معاش

نواب فضیلت جنگ بہادر کی کوشش سے ان کو پچاس روپیہ ماہانہ خزانہ سرکاری سے ملتا تھا ۔ اراضیات مشروط الخدمت درگاہ حضرت شاہ زین الدین بغدادی جنیدی گنج نشین اول المتوفی سنہ ۸۶۱ ھ میں حصہ ثلث ثلثاین بھی ہے جس کے تحت ایک زبردست امرائی متصل مقبرہ علی برید تھی ۔ جو « گنج بن » کے نام سے مشہور تھی ۔ جہاں کے آم نہایت مشہور تھے ۔ اور حضرت

۱ ۔ حیات فضیلت جنگ (مرحوم انوار اللہ خان المتخلص بہ انور تلمیذ داغ دہلوی) مطبوعہ حیدرآباد کلام انور قلمی ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ۔
۲ ۔ مدرسہ صوفیہ علوم مشرقیہ بانی حضرت چندا شاہ
۳ ۔ بستان آصفیہ مولف مانک راؤ وٹھل راو ، مطبوعہ ص ۶۹۶ ، ۹۱۹ ، (حالات ظفر جنگ ملاحظہ ہوں)
۴ ۔ نواب رفعت یار جنگ (مولوی رفیع الدین) اول تعلقدار (کلکٹر) بیدر ہو ان بان کر [illegible] غیا غالب تھی ، بڑے خاموش اور متین تھے ، آپ کی ۱۰ [illegible] کو قصر حیدرآباد میں [illegible] سجادہ صاحب نے تاریخ وفات کہی ، وقت رفعت یار جنگ بہر حیا ، اور دوسرا قطعہ تاریخ وفات [illegible]
۱۳۲۹ ھ
سجادہ صاحب [illegible] جس کا آخری مصرعہ یہ ہے [illegible] رفعت یار جنگ [illegible]
۱۳۲۸ ف
۵ ۔ [illegible] نظامت جنگ [illegible] حیدرآباد [illegible]

جنا شاہ رح کے زمانہ میں یہ باغ گلزار بنا ہوا تھا جس میں ہزاروں روپیہ [illegible]
صاحب مذکور نے خرچ کئے تھے، آج کل اس کا تقریباً پورا حصہ [illegible] کے
ہوائی اڈہ کی نذر ہوگیا، جناب سجادہ نے اس کے ماتم میں (۳۷) [illegible] کا
مخمس کہا تھا۔ اس میں سے چند یہ ہیں اور یہ مخمس ذی الحجہ سنہ ۱۳۶۱ھ
میں کہا گیا تھا۔

«مرثیہ تباہی کنج بن»

آہ اے کنج بند تیرا تھا کس قدر جاہ و جلال
خوبیوں میں اپنی تھا تو بے نظیر و بے مثال
تیری شادابی پہ ہوتا رشک جنت کا خیال
کیا خبر تھی تجھ پہ یوں آجائے گا اک دم زوال
ھائے ایروڈروم نے تجھ کو کیا کیا پائمال

ڈالی ڈالی سے تیرے ملتا تھا جنت کا نشاں
پتہ پتہ سے خدا کی شان ہوتی تھی عیاں
تیری رونق تیری شادابی چھپی جاکر کہاں
کس سے پوچھیں کون بتلائے صحیح تیرا نشاں
ھائے ایروڈروم نے تجھ کو کیا کیا پائمال

باغ باغ ہوتا تھا دل سے دیکھنے والا تیرا
اور شگفتہ غنچۂ دل پھول کر ہر ایک کا
جمگھٹا رہتا تھا اور تو سب کا تفریح گاہ تھا
تو بیدر میں بن گیا تھا عید گاہ شیراز کا
ھائے ایروڈروم نے تجھ کو کیا کیا پائمال

شائقین آتے تھے تیرے دیکھنے کو دور سے
[illegible] کرتے تھے اخذ نور تیرے نور سے

تیری وادی ہمسری کرتی تھی دشت طور سے
ہوگیا محشر بپا - بے وقت نفخ صور سے

ھائے ایروڈروم نے تجھ کو کیا کیا پائمال

تجھ میں ہیں آرام فرما ایک پیر دستگیر
خطۂ بیدر میں جو اپنا نہیں رکھتے نظیر
آتے تھے ان کی زیارت کیلئے برنا و پیر
جبہ سائی کرتے تھے آ آ کے سلطان و وزیر

ھائے ایروڈروم نے تجھ کو کیا کیا پائمال

عرس تجھ میں ہوتا تھا کس دھوم سے ہے وہ بھی یاد
رہتا تھا جنگل میں منگل اور تھا ہر ایک شاد
عرس میں جو کھائے کھانے ذائقے ابتک ہیں یاد
ب خیالی ذائقوں میں کر رہا ہوں دلکو شاد

ھائے ایروڈروم نے تجھ کو کیا کیا پائمال

بارہا حاضر ہوئے نواب شمس الملک [1] بھی
اور یمین السلطنت [2] نے حاضری کئے وقت دی
آستاں بوسی تری کرتے تھے آ آ کے سبھی
خود بخود جھک جاتی گردن تھی یہاں ہر ایک کی

ھائے ایروڈروم نے تجھ کو کیا کیا پائمال

مجھ رونا آگیا حالت کو تیری دیکھ کر
رکھا ایروڈروم نے قائم نہ اصلی وضع پر

---

[1] ... ملک مرحوم رئیس حیدرآباد
[2] ... حیدرآباد

آگیا کیا تیری حالت میں تغیر سر بسر
دیکھنے والا نہ پہچانیگا تجھ کو دیکھ کر
ہائے ایروڈروم نے تجھ کو کیا کیا پائمال

کوئی جھاڑ اور کوئی ڈالی زخم سے خالی نہیں
جس پہ کلہاڑی نہ پہونچی ہے کوئی ڈالی نہیں
رنج ہوتا ہے کوئی معمولی پامالی نہیں
کھل گئی جو اونکی قسمت کیونکہ رکھوالی نہیں
ہائے ایروڈروم نے تجھ کو کیا کیا پائمال

اسکے دلسے پوچھئے جسنے کی تھی امرائی نسب
آپکو معلوم ہوجائیگا اوس کا حال تب
کیا کہوں کس سے کہوں میں اپنا حال مضطرب
اسکو کہتے ہیں خدا کا قہر و سلطانی غضب
ہائے ایروڈروم نے تجھ کو کیا کیا پائمال

آپ اک پودا لگاکر کسطرح کرتے ہیں داشت
ہر طرح کرتے ہیں نگرانی تو تب ہوتی ہے کاشت
جسنے کی ہو سینکڑوں تعداد میں آنبہ کی کاشت
ہاتھ دلپر رکھکے دیکھے تب کھلیگی قدر کاشت
ہائے ایروڈروم نے تجھ کو کیا کیا پائمال

تھا تو ایک ویران جنگل صرف ایک درگاہ تھی
لانڈگوں اور بسور بھوں کی تو جو لانگاہ تھی
دن میں بھی جانیکی ملتی کس کو راہ تھی
تجھکو جو کنچن بنایا ذات چندا شاہ تھی
ہائے ایروڈروم نے تجھ کو کیا کیا پائمال

آئی تھی تجھ میں یہ دلچسپی اجڑنے کے لیے
اور سنورنا تھا تیرا شاید بگڑنے کے لئے
لہلہانا تھا تیرا سارا سکڑنے کے لئے
رہ گیا پہلا سا قبرستان گڑنے کے لئے

ھائے ایروڈروم نے تجھ کو کیا کیا پائمال

آہ وہ پہلا سا تیرا رنگ و روغن کیا ہوا
وہ نزاکت کیا ہوئی وہ تیرا جوبن کیا ہوا
کوئی تو کہدے خدارا اب وہ گلشن کیا ہوا
جس کو سب کہتے تھے کنج بن، اب وہ کنج بن کیا ہوا

ھائے ایروڈروم نے تجھ کو کیا کیا پائمال

ہوتے چندا شاہ اور یہ دیکھتے حالت اگر
سخت ان کو رنج ہوتا خون ہو جاتا جگر
عہد تھا زرین اونکا عصر اونکا ذی اثر
اور بہت ممکن تھا یہ ہوتے نپانا شور و شر

ھائے ایروڈروم نے تجھکو کیا کیا پائمال

خانقاہ مسجد مدرسہ اور کمانِ صوفیہ
ہیں اس کی یادگاریں تھا وہ کانِ صوفیہ
تھا وہ صوفی کیسا صوفی تھا وہ جانِ صوفیہ
ذات سے اس کی نظر آتی تھی شانِ صوفیہ

ھائے ایروڈروم نے تجھکو کیا کیا پائمال

لکھ رہا ہوں میں، مگر آنکھوں سے ہیں آنسو رواں
الفراق اے عقل و ہوش و الوداع تاب و تواں
کیا کروں سجادہ تجھ سے حال زار اپنا بیاں
شکل و صورت سے میری ہے دل کی خود حالت عیاں

ھائے ایروڈروم نے تجھکو کیا کیا پائمال

[illegible] شاندار خاندان سے نکل گئی [illegible]

شغل درس و تدریس :

سجادہ صاحب کو علم حدیث اور تفسیر سے بیحد دلچسپی تھی ۔ کیوں نہ ہو کہ آپ مولانا رشید احمد و علامہ محمود الحسن دیوبندی کے تلامذہ میں ہی سے تھے [illegible] ان کا دروازہ اس کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا ہے ۔ بہادر یار جنگ قاید ملت کے زمانہ میں درس تفسیر زور شور سے جاری رہا ۔

اخلاق و عادات :

نہایت خلیق حلیم الطبع اور متشرع اور صوم صلواۃ کے سخت پابند تھے ۔ خاندانی تنازعات برادری کے جاری رہیں ، مگر کبھی اصالتاً عدالت کی صورت نہیں دیکھی ، باوجود نزاع خاندانی ہونے کے عجیب بات مشایخین بیدر و گلبرگہ شریف میں یہ دیکھنے میں آئی کہ شادی بیاہ آپس میں کرنے سے کہیں دریغ نہیں کرتے ، جس کی زندہ مثالیں موجود ہیں ۔ نزاع اگر ہے تو صرف حقوق سے متعلق ہے ۔

حلیہ :

رنگ سانولا ، قد متوسط ، آفتابی چہرہ ، دراز بینی ، میش چشم ، پیوستہ ابرو ، ریش دراز ۔

وضع قطع :

وضع کے سخت پابند تھے ۔ زرد رنگ کا صافا اور زرد رنگ کی تہمد اور لانبا کرتا جو خاندانی لباس ہے پہنتے تھے ۔ سر پر رومال زرد رنگ کا اوڑھتے تھے ۔ اور پیر میں بیدری معمولی کفش ۔ لطیفہ : ایک مرتبہ نوجوانی میں بوجہ عجلت نماز ، کشتی نما ٹوپی پہن کر مسجد میں آگئے ، آپ کے مرشد و طائی حضرت چندا شاہ نے دیکھ پایا تو ٹوپی رکھوالی اور سخت تنبیہ کی ۔ پہلے بزرگ خود بھی وضع دار تھے اور اپنی اولاد کو وضع کا پابند کرتے تھے

اولاد :

اس وقت سجادہ صاحب کی پانچ اولاد ہیں ، ایک لڑکا اور [illegible] لڑکے کا نام شاہ جمال الدین عرف شاہ محمد ہے ۔ ایک لڑکی [illegible]
[illegible] حیدرآباد سے [illegible]

اردو تصنیفات:

(۱) دیوان اردو (۲) شرح و ترجمہ چہل حدیث (۳) سوط الہدایات علیٰ اظہر التوہمات (توہمات باطلہ میں) (۴) ارشادالاولیا (۵) تذکرۂ اولیاے بیدر (۶) سوانح حاتم طائی (۷) فلسفۂ عملیات (۸) قدحۂ قرطاس منظوم اردو یعنی قضیۂ خلافت مدلل طور پر لکھا تھا (۹) نظم، شیطان «موحد اعظم سے مکالمہ»[۱] مصنفہ سیماب اکبرآبادی مرحوم کی تردید۔ ان میں سے صرف سوط الہدیات بکوشش نواب نظامت جنگ طبع ہوسکی ہے۔

شاعری:

سجادہ صاحب کو ابتداء میں فن عروض اور شاعری میں مولوی محمد یوسف بشمل بیدری[۲] برادر مولوی محمد غلام مصطفیٰ عشقی[۳] سے تلمذ تھا۔ اس کے بعد فصیح الملک نواب مرزا خان داغ دہلوی کی خدمت میں دو ایک مرتبہ مکتوب اصلاح کلام کے متعلق روانہ کئے جن کا جواب داغ نے ۲ محرم سنہ ۱۳۱۷ھ کو اس طرح دیا:

«قدوۃالسالکین دام فیضہ۔ بعد سلام مسنون کے مدعا نگار ہوں اتنی آپ کے کئی عنایت نامہ آئے ہیں۔ علیل رہا اور اب بھی ہوں۔ مزید علیہ اہلیہ کے ماتم میں مبتلا۔ آپ اپنا کلام ضرور روانہ فرمائیے۔ میں بچشم انشاءاللہ تعالیٰ دیکھوں گا۔ زیادہ خیریت ہے۔ راقم فصیح الملک داغ دہلوی۔

مرقوم ۲ محرم شریف سنہ ۱۳۱۷ھ شنبہ جس کے جواب میں سجادہ صاحب نے غزلیں بھیجیں اور اس طرح مخاطب فرمایا:

«خاتم الشعراء، امام الفصحا حضرت فصیح الملک بہادر داغ صاحب دہلوی»

۱۔ موحد اعظم مصنفۂ سیماب اکبرآبادی مطبوعہ رسالہ ادیب دہلی ۱۹۴۱ء جس کا جواب سجادہ صاحب کے علاوہ مولانا عبداللہ رشد مکی ناظم جمعیت العلماء برما نے بھی اپنی تصنیف شہاب ثاقب منظوم ۱۳۶۱ھ میں دیا ہے۔ جو مولوی صاحب کو خود سیماب نے سیاحت آگرہ کے وقت دی تھی، مگر علامہ رشد مکی نے اس خلق [illegible] شاعری اور یونانی فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے افسوس ہے کہ محققین صوفیای کرام کو بھی موردِ الزام ٹھہرایا ہے جن کی جملہ امام غزالی، امام جلال الدین سید علی، مولانا رومی، جامی وغیرہ ہیں۔

۲۔ [illegible] بیدری [illegible] بزرگ از مولوی اکبر حسین الاوکیٹ حال مقیم کراچی

۳۔ [illegible] ۔ مؤلفہ ترکی علی شاہ ترکی مطبوعہ حیدرآباد۔ عشقی بڑی اچھی [illegible] [illegible] کا [illegible] سلام [illegible] اب بھی مقبول عام و خاص ہیں۔ [illegible]

آداب و تسلیمات۔ نوازشنامہ کے نزول سے دل باغ باغ ہو گیا سمجھا قدر پروری و فقیر نوازی فرما کر بندہ کو شرفیاب فرمایا۔ کھولا دیکھا کہ مزاج حضرت علیل ہے۔ یہ دیکھتے ہی ہوش و حواس پراں ہو گئے۔ اللہ آپ کو دواما خرم و شاداں رکھے۔ آمین۔

آمدم برسر مطلب۔ غزلیات ذیل میں ہیں۔ اصلاح سے سرفراز فرما کر سلسلہ شاگردی میں شامل فرمائیے۔

غرض سجادہ صاحب سنہ ۱۳۱۷ ھ میں داغ کے غائبانہ شاگرد ہوئے جبکہ ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ ابتدائی غزل کا جو بغرض اصلاح بھیجی گئی مطلع یہ تھا:

پیدا کئے ہیں یار نے ساماں نئے نئے
اب ہوں گے عاشقوں پہ بھی احساں نئے نئے

کچھ عرصہ کے بعد سجادہ صاحب حیدرآباد میں نواب شمس الملک ظفر جنگ بہادر کے پاس آئے جو آپ کے برادر عزیز حضرت چندا شاہ کے مرید خاص تھے۔ ایک تقریب میں نواب صاحب ممدوح نے سجادہ صاحب کا حضرت داغ دہلوی سے تعارف کرایا تو داغ نے فوراً ہی پہچان لیا اور کہا کہ آہا آپ وہی ہیں جن کی غزلیں اصلاح کے لئے بیدر سے آتی ہیں اور بہت خلوص و محبت سے ملے۔ نواب صاحب کو بہت حیرت ہوئی۔ اس کے بعد جب کبھی بلدہ جاتے استاد داغ سے ضرور ملتے۔ بالمشافہ غزلوں پر اصلاح بھی لیتے اور خود ہی پڑھکر سناتے یا کوئی ممتاز شاگرد پڑھتا۔ سجادہ صاحب کا بیان ہے کہ اکثر مولوی احسن مارہروی پڑھا کرتے تھے۔ جناب داغ کا طریقہ یہ تھا کہ سب تلامذہ وقت مقررہ پر عموماً صبح کے وقت جمع ہو جاتے۔ یکے بعد دیگرے شاگردوں کی غزلیں پڑھی جاتیں ایک شعر پڑھنے کے بعد تمام تلامذہ سے سوال ہوتا کہ اس میں کیا نقص ہے بتلاؤ اور کیا ہونا چاہئے۔ سب کی رائے کے بعد استاد کی رائے اور اصلاح مسلم سمجھی جاتی محاورہ بندی، سلاست روزمرہ کا زیادہ خیال رکھا جاتا۔ اس کے سوا خود داغ صاحب کی قلمی اصلاحیں بھی جناب سجادہ صاحب کی غزلوں پر جو بذریعہ خط روانہ کی گئی تھیں موجود ہیں۔

سجادہ صاحب کو تقریباً سات سال تک داغ کی شاگردی کا شرف حاصل رہا اور داغ آپ کو احترام اور عزت کی نظر سے دیکھتے تھے اور

«قدوۃ السالکین» «شاہ صاحب» «جناب من» سے مخاطب فرماتے۔ ایک خط میں داغ لکھتے ہیں: «آپ میرے واسطے چلہ کشی فرماتے ہیں۔ میں نہایت منفعل ہوں کہ مجھ سے کوئی خدمت نہیں ہوئی۔ زیادہ ادب۔ غزل اصلاح شدہ ملفوف بھیجتا ہوں۔»

۶ مارچ سنہ ۱۸۹۱ء

دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں —

«جناب من، مجھ کو کار سرکار سے مطلق فرصت نہیں اور اہل شہر نے بھی گھیر رکھا ہے۔ باہر کا نام بالکل بند ہے۔ کلکتہ کے سفر سے انشاءاللہ مع الخیر واپس آئیں گے تو جب اپنا کلام بھیجئے گا اور ایک غزل سے زیادہ نہ بھیجا کیجئے (دستخط فصیح الملک داغ دہلوی۔)

سجادہ صاحب کو داغ صاحب کے علاوہ ابتداء میں جناب بسمل بیلدری سے تلمذ تھا۔ سید ضامن علی جلال لکھنوی کی غیر معمولی شہرت سنکر تلمذ کا شوق پیدا ہوا۔ اور پہلے ہی مکتوب میں والہانہ طور پر اس طرح تعارف کرایا۔ استادی حضرت جلال مدجلا لکم۔

تسلیم مسنون، آداب، شاگردی عرض ہے۔ قبول ہو۔ مدت سے آپ کا شہرہ سنتے سنتے دل بیحد مشتاق تھا اس لئے یہ چار غزلیں خدمت میں بھیج کر امید کرتا ہوں کہ اصلاح فرما کر معزز فرمائیں گے (ابوالدہرفت شاہ زین الدین کنج نشین جیدی قادری)

جناب جلال نے یہ جواب دیا کہ جلال نوازا سلامت

عنایت صحیفہ مورخہ یکم جمادی الآخر سنہ ۱۹ ھ معہ غزلیات ورود فرمایا۔ کاشف مدعا ہوا۔ برب کعبہ بسبب عدم الفراغی و نحیف الدماغی مجھے دم بھر کی مہلت نہیں اور کسی کو اب میں شاگرد نہیں کرتا۔ لیکن پاس خاطر سامی و بدین خیال کہ آپ اہل اللہ سے ہیں درخواست سامی کو منظور کیا اور غزلیات سامی پر اصلاح دی۔ دیکھا بنایا الخ

اس وقت جلال[1] کی عمر تقریباً ستر سال کی تھی۔ جو جناب سجادہ نے شاید جلال لکھنوی سے استدعا کی تھی کہ ان کے کلام کی تصدیق کریں

---

[1] سید ضامن علی جلال لکھنوی (تذکرۂ آب بقا [illegible])
[illegible]

رائے یا بطور سند کوئی تحریر عنایت فرمائیں تو جلال نے یہ لکھا:

«عنایت صحیفہ مورخہ ۱۰ رمضان مبارک روز یکشنبہ سنہ ۱۳۱۹ ھ نے معہ چند غزل ورود فرمایا۔ مضامین مندرجہ سے اطلاع ہوئی۔ بوجہ ماہ صیام ابھی تک دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن عنقریب دیکھ کر اور اصلاح دے کر روانہ خدمت با برکت کرتا ہوں۔ آپ اطمینان خاطر رکھیں۔ مُہری سند میری بس یہی ہے کہ میری تالیفات و تصنیفات سے جو چند کتابیں ہیں وہ میرے تلامذہ کے پاس ہوتی ہیں۔ پس ان میں سے تین کتابیں پہلے آپ کو بھیج چکا ہوں اور دو اب ارسال خدمت کرتا ہوں۔»

غرض حضرت جلال نے حسب ذیل کتابیں سجادہ صاحب کو بذریعہ وی پی روانہ فرمائیں: سرمایۂ زبان اردو، (مشتمل بر محاورات و کنایات وامثال اردو) قواعدالمنتخب، مفیدالشعراء (رسالہ تذکیر و تانیث)

جلال اور جلال کے والد ماجد دربار رام پور کے متوسلین میں سے تھے اور غدر کے بعد عمر وہیں گذری۔ آخری عمر کچھ پریشانی سے گذری۔ ہم کو ایک درخواست مکتوبہ جلال موسومہ نواب مدا رالمہام بہادر حکومت سرکار نظام حیدرآباد ذی‌الحجہ سنہ ۱۳۱۹ ھ کی دستیاب ہوئی جس سے اس شاعر شیریں بیان اور طوطی ہزار داستان لکھنؤ کی عسیرالحالی کا پتہ چلتا ہے۔ لکھا ہے۔

«فدوی کے ٹھہرنے کا ٹھکانہ کہیں ہے نہ کھانے پینے کا کچھ بندوبست ہے۔ ...... معین ہوجائیے تاکہ فدوی باطمینان تمام زیر اقدام مبارک ..... مصروف رہے۔

عرضہ گذار

نمکخوار جان نثار قدیم سید ضامن علی جلال حکیم امید پرورش و افضال۔ مورخہ یکم مارچ سال حال۔

لفافہ پر «از ریاست رام‌پور افغانان۔»

راقم استاد ایشان ۲۹ ـ ذی‌الحجہ سنہ ۱۳۱۹ ھ

سجادہ صاحب نے جناب جلال کے متعلق بتوسط داغ دہلوی اور حسب تحریر داغ:- «آپکے دو خط آئے ـ آپکے ہم وطن خانسامان عباس علی صاحب حضور میں پیش ہیں۔ ان سے میں نے ذکر کیا «........» سعی کرو، بہتر یہ ہے کہ آپ خود ان کو ایک خط لکھو آپ سے بہتر کون تھا۔»

غرض جلال لکھنوی کو حضرت نظام نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس تلمیذ داغ کی جانب سے بھی کچھ وظیفہ مقرر تھا۔ شاید کسی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔ جس کی مکرر اجرائی کے لئے جلال نے درخواست بھیجوائی تھی اور اس وقت سجادہ صاحب کے برادر عزیز و مرشد حضرت چنداشاہ رح کے بڑے اثرات تھے۔ بہر حال اہل کمال ہمیشہ قسمت کے چکر میں رہتے ہیں بقول مروت مدراسی:

یہ وہ چرخ ہے جس میں اہل ہنر سدا چرخ کھاتے ہیں آٹھوں پہر

جلال مرحوم نے سجادہ صاحب کو مکتوبات میں « جلال نوازا » « قدردانا » سے مخاطب کیا ہے۔

• سجادہ صاحب نے اپنے اساتذہ کی تعریف میں ایک قطعہ لکھا تھا جو یہ ہے:

تھے استاد حضرت بسمل و داغ و جلال
اپنے فن میں بینظیر و لاجواب و بیمثال
عالم شعر و سخن دردپر ، آں روشن شدہ
آسمان شعر کے پرسہ یہ تھے بدر کمال
کیا فصاحت، کیا سلاست ان کے ہے اشعار میں
معترف ہیں آج سب اردو ادیبان کمال
بات جو ان میں تھی آتی ہے کسی میں اور نہ آئے
گو کہ ہوں گے اب بھی دنیا میں ہزاروں باکمال
ہے بہت آساں حسد سے خواہ مخواہ کہنا برا
پہلے وہ پیدا تو کرلے ان سا جوہر اور کمال
تیغ برمردہ کشیدن از شجاعت دور تر
غیبت پیشینیاں ہرگز نیست سجادہ حلال

دوسری جگہ کہتے ہیں:

فصاحت داغ میں جو تھی وہ ایک منجانب اللہ تھی
کسی میں بھی نہیں آتی ہے سجادہ سلاست وہ

شاعری کے متعلق رائے:

سجادہ صاحب شعر سنج اور سخن فہم تھے۔ استاد داغ کو [illegible] کلام [illegible]
[illegible]

نے ان کی زبان کو بہت صاف کیا ہے۔ محاورہ بندی اور روز مرہ پر قادر تھے۔
سجادہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ استاذ داغ محاورہ بندی پر بہت زور دیا کرتے
تھے اور بوقت اصلاح تلامذہ کو نہ صرف اس کی سخت تاکید تھی بلکہ اسی
وقت بالمشافہ اس کو صحیح استعمال کرنا سکھایا کرتے تھے۔ سجادہ صاحب کی
مشق سخن سچ پوچھو تو داغ کی وفات سنہ ۲۲ ھ تک رہی۔ یعنی سات آٹھ سال تک۔

کبھی طبیعت پر بہت زور نہیں ڈالا۔ اس کمزوری کے باعث سائل دہلوی
نے بھی قطعات وفات داغ کے ضمن میں اشارہ کیا تھا کہ « طبیعت پر زور ڈالا کیجئے »

غرض یہ ان کے عالم شباب کی بہاریں تھیں۔ دیوان بھی مرتب کیا اور
اساتذہ سخن مثلاً داغ و جلال و معلیٰ و کیفی و حبیب کنتوری وغیرہ سے تاریخ
دیوان بھی لکھوائیں۔ طبع کرانے کا بھی ارادہ تھا مگر زمانہ نے فرصت نہ دی۔
ایک تو داغ کی وفات کا سخت ملال تھا، دوسرے اپنے عزیز بھائی اور مرشد
جو نواب ظفر جنگ بہادر کے پیر تھے نواب صاحب کی قدردانی کی وجہ
سے یعنی حضرت چندا شاہ صاحب رح کا مرحوم کی جو آؤ بھگت، خاطر داری
عزت و شوکت تھی وہ ماند پڑگئی۔ چنانچہ داغ نے تعزیتاً سجادہ صاحب کو لکھا ہے کہ

« یہاں حضرت چندا شاہ صاحب کے انتقال کا تمام شہر کو صدمہ ہوا۔
غفور الرحیم ان کی مغفرت کرے اور آپ کو صبر جمیل عنایت فرمائے۔ »

چند سال فارغ البالی سے گزرے۔ اس کے بعد برادری کے تنازعات اور مقدمہ
بازی کی الجھنوں میں پڑگئے۔ نہ وہ شاعری باقی رہی اور نہ وہ حاضر دماغی۔ مجھ
سے فرمایا تھا کہ تیس سال سے شاعری ترک کرچکا ہوں تا ہم کبھی کبھی بطور
تفنن طبع اور کبھی مشاعرہ میں شرکت کے لئے مجبور کیا گیا تو کچھ کہہ لیا
ورنہ خیریت۔ تب بھی تقریباً پچاس سال تک متفرق غزلیات و منظومات کا مجموعہ
تقریباً دو ہزار سے کم نہیں ہے۔

استاد داغ نے ان کی شاعری کے متعلق کسی خاص رائے کا اظہار نہیں
کیا ہے البتہ بعض اصلاحی غزلوں کے ذیل میں رائے بھی دی ہے چنانچہ استاد
داغ کو آپکا نعت میں یہ شعر پسند آیا تھا:

قریب اہل دنیا میں بھلا وہ آ بھی سکتے ہیں
مزا جاتے ہوئے ہیں ہم شراب [illegible]

درست ہے۔ طرح دستخط (داغ دہلوی)

اس غزل کے ذیل میں استاد داغ نے یہ رائے درج فرمائی:

«تمہاری غزلیں مجھے پسند ہیں»

(داغ دہلوی)

جس شاگرد کا کلام پسند خاطر استاد اور استاد بھی کون فصیح الملک ہو اس شاگرد کا کیا کہنا۔ رسالہ نگار کے داغ نمبر میں داغ کی اصلاحیں سجادہ صاحب کے کلام پر شائع ہوچکی ہیں۔

دیوان سجادہ الموسوم بہ گنجینۂ معرفت:

سجادہ صاحب نے اپنا دیوان بیس سال کی عمر میں ہی میں تکمیل کرلیا تھا اور ارادہ تھا کہ دیوان طبع کرائیں۔ خوشخط لکھوانا شروع کیا اور اس خیال سے تاریخی قطعات بھی اساتذہ اور ہم عمر شعراء سے لکھوائے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ خانگی پریشانی کی وجہ سے طباعت کی نوبت نہ آسکی۔ مبیضہ نامکمل رہا۔ البتہ تین بیاضیں اس وقت محفوظ حالت میں ہیں جن میں (١٦٦) غزلیں حسب ذیل ردیف کی درج ہیں:

ردیف (الف) ٤٧
» (ب) ١٤
» (ت) ٥
» (ٹ) ٢
» (ث) ٢
» (ج) ٣
» (چ) ٢
» (ح) ١
» (خ) ١
» (د) ٣
» (ڈ) ٣
» (ر) ٥
» (ڑ) ٣

ردیف (س) ٣
» (ش) ١
» (ص) ٢
» (ض) ٢
» (ط) ٣
» (ظ) ٢
» (ع) ١
» (ف) ٣
» (ن) ٣
» (و) ٤
» (ہ) ٨
» (ی) ٤٢

چونکہ ہر صفحہ پر (۱٦) سطری بند ہے اس طرح جملہ اشعار (۱۶۶۸) ہوتے ہیں۔ اور بھی متفرق بیاضیں اور متفرق غزلیں زمانۂ ما بعد کی شامل ہیں جو پریشان حالت میں ہیں۔ اس لئے ان غزلوں کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکا۔
قطعات تاریخ دیوان جو داغ و جلال اور مختلف شعراء باکمال نے کہے تھے یہ ہیں:

قطعۂ تاریخ دیوان از داغ دہلوی:

شاہ زین الدین کا ہے کیا عارفانہ یہ کلام — اہل باطن کہتے ہیں صد آفریں صد مرحبا
اسکو سن کر مصرع تاریخ لکھا داغ نے — «شاہ سجادہ کا گنج معرفت دیکھو چھپا»
۱۳۱۹ھ

از سید ضامن علی جلال لکھنوی:

مطبوع شدہ چہ طرفہ دیوان — ہوش از سر عارفان ربود این
بنوشت جلال سال طبعش — «گنجینۂ معرفت کشود این»
۱۳۱۹ھ

سید رضی الدین حسن کیفی، حیدر آبادی، تلمیذ میکش و داغ دہلوی:

سجادہ جناب زین الدین کے — واصف ہیں بشر ملائک و جن
ہیں صوفی و عالم و مشایخ — گنجینۂ معرفت کے خازن
۱۳۱۹ء

آپ کا دیوان فیض بنیان — ہے رشک مخازن و معادن
لکھا ہے کیفیؔ نے طبع کا سال — گنجینۂ معرفت مقارن
۱۳۱۹ھ

ماخذ:

۱ آب بقاء مؤلفۂ نشتر لکھنوی مطبوعہ
۲ تذکرۃ القادری، مؤلفۂ مولوی قادر خان بیدری قلمی (کتبخانہ آصفیہ حیدر آباد)
۳ تذکرۂ اولیاء بیدر، مؤلفۂ شاہ زین الدین گنج نشین سجادہ قلمی (مملوکہ گنج نشین صاحب مرحوم)
۴ تذکرۂ علماء زمان، مؤلفۂ محمد ادریس نگرامی مطبوعہ نولکشور
۵ تذکرۂ شعراء دکن، مؤلفۂ عبد الجبار خان ملکاپوری مطبوعہ حیدر آباد
٦ تاریخ سلطنت آصفیہ، مؤلفۂ مانک راؤ وٹھل راؤ مطبوعہ حیدر آباد

۷ تاریخ فرشتہ (ترجمہ) فدا علی عاسب مطبوعہ مطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد
۸ حیات فضیلت صاحب مرحوم، مطبوعہ حیدر آباد
۹ سوانح جنید بغدادی، مؤلفۂ عبد الحلیم شرر لکھنوی
۱۰ سخنوران چشم دید، مؤلفۂ ترک علی شاہ ترکی نور محل مطبوعہ حیدر آباد
۱۱ سخنوران دکن، مؤلفۂ تسکین عابدی «
۱۲ شجرۂ نسب خاندانی
۱۳ شہاب ثاقب، مؤلفۂ مولوی عبد اللہ رشد مکی، مطبوعہ
۱٤ فغان راز، دیوان مولوی عبد القادر صوفی، راز بیدری مطبوعہ حیدر آباد
۱۵ «فخر قوم ملا عبد القیوم»، خصوصی نمبر مجلہ نظامیہ حیدر آباد
سنہ ۱۳۰۹ھ مطبوعہ

۱٦ مکتوبات داغ و جلال لکھنوی، سایل دہلوی و احسن مارہروی وغیرہ
(مملوکہ شاہ زین الدین کنج نشین بیدری قلمی)

۱۷ داغ نمبر، رسالہ نگار (لکھنؤ)
۱۸ عربی: تاریخ بغداد، مؤلفۂ خطیب بغدادی، رجال عربی مطبوعہ مصر
(کتب خانہ آصفیہ)

۱۹ « طبقات الصوفیہ ابو العباس سوسی تراجم عربی قلمی « «

مقالـــہ نمـا

مرتبین :
ڈاکٹر عالی جعفری، عبد القوی دسنوی، عبد الستار دلوی، علاؤ الدین جیناپڑے

فہرست عنوانات

مذہبیات

۱ ابوالاعلیٰ مودودی:

سود کے متعلق چند اہم مباحث
ادارۂ ثقافت اسلامیہ کا سوال نامہ اور اس کا جواب

[ترجمان القرآن ۶۰ ، مئی ۴۷-۶۴]

ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور کا سوال نامہ بابت سود اور اس کے جواب کی پہلی قسط درج ہے۔

۲ ابوالاعلیٰ مودودی:

سود کے متعلق چند اہم مباحث
ادارۂ ثقافت اسلامیہ کا سوالنامہ اور اس کا جواب

[ترجمان القرآن ۶۰ ، جون ۶-۵۰]

ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور کا سوالنامہ بابت سود اور اس کے جواب کی یہ دوسری قسط ہے۔

۳ ابوالاعلیٰ مودودی:

پاکستان میں اسلامی نظام حکومت کی ضرورت

[تعمیر انسانیت ، لاہور، مئی - جون ۶۰]

پاکستان میں اسلامی نظام حکومت کے قیام پر زور دیتے ہوئے اس کے بنیادی خط و خال پیش کیے ہیں۔

۴ ابوالاعلیٰ مودودی:

فلسفۂ قربانی

[تعمیر انسانیت ، لاہور مئی - جون ۶۰]

اسلامی فریضۂ قربانی پر فلسفیانہ بحث

۵ ابو محمد امام الدین رام نگری:

ہندو مذہب کی بعض اہم اور مستند معلومات

[زندگی رام پور ۶۰، جون ۴۱-۵۲]

گنگا شنکر مشر کی کتاب "بھارت کا اتہاس" کے ابتدائی ابواب سے ہندو مذہب کے متعلق معلومات کو کہیں کہیں حاشیہ دیکر اردو کا جامہ پہنایا ہے۔

۶ اجمل خاں:

الرحمٰن علم القرآن

[برہان ۶۰ ، اپریل ۲۴-۲۸]

رسالہ برہان ۵۹ فروری میں لفظ الرحمٰن سے متلق بحث کرنے کے بعد مقالہ نگار بتاتا ہے کہ رحمٰن اسم علم ٹھہرتا ہے۔

۷ اصلاحی امین احسن:

تعلق با للہ کی اساسات

[میثاق لاہور ۶۰ ، اپریل ۳۴-۴۰]

تعلق با للہ کی اساسات کے سلسلے میں شکر اور عبادت کا تذکرہ کیا ہے

(مسلسل)

۸ اصلاحی، امین احسن

تعلق با اللہ کی اساسات

[میثاق لاہور ۶۰ مئی ۲۸-۳۷]

یہ دوسری قسط ہے اس میں اطاعت اور اخلاص کابیان ہے۔

۹ اصلاحی، امین احسن

اسلامی قومیت کے عوامل

(میثاق لاہور ۶۰ جون ۲۴-۲۵

اسلامی قومیت کے عوامل کے بیان کی پہلی قسط درج ہے (مسلسل)

۱۰ اصلاحی، ضیاءالدین

امام ابن ماجہ اور ان کی سنن

(معارف ۶۰ جون ۴۴۰-۴۵۷)

ابو عبداللہ محمد بن یزید المعروف بہ ابن ماجہ کے حالات دئیے ہیں اور ان کی مشہور تصنیف سنن پر تبصرہ کیا ہے (باقی)

۱۱ اعظمی، محمد فاروق

حقیقت کی تصویر کائنات کے آئینے میں

(زندگی رامپور ۶۰ اپریل دمئی ۳۹-۵۶)

قرآن کی روشنی میں کائنات اور حقیقت کے ربط کو دیکھایا ہے۔

۱۲ اعظمی، محمد فاروق:

خدا کی پراسرار شخصیت کا تصور

(برہان ۶۰ مئی ۵-۲۶)

شخصیت خداوندی کی کیفیتیں بیان کی ہیں۔

۱۳ امینی، محمد تقی

اجتہاد

(معارف ۶۰ مئی ۳۴۴-۳۳۶)

مسئلہ اجتہاد سے متعلق طویل مقالہ کی پہلی قسط ہے (باقی)

۱۴ امینی محمد تقی

اجتہاد

(معارف ۶۰ جون ۴۰۵-۴۲۳)

دوسری قسط درج ہے (باقی)

۱۵ حامد علی

تعددازدواج اسلام میں

(زندگی رامپور ۶۰ اپریل و مئی ۱۰۹-۱۲۸)

جسٹس ایس، ایس دھون نے رامپور کے تعددازدواج کے مقدمہ کے سلسلے میں جو فیصلہ دیا ہے اس کی نقل سیاست جدید کانپور کی ۲۰-۲۱ جنوری ۶۰ء کی اشاعت سے اقتباس کیا اور مذہبی احکامات کی روشنی میں گفتگو کی ہے۔

۱۶ خلیفہ عبدالحکیم

ایمان کیا ہے؟

(ثقافت لاہور ۶۰ جون و جولائی ۹-۲۰)

موت سے ایک ہفتہ قبل کے اس آخری مقالہ میں مقالہ نگار نے ایمان کا مفہوم بیان کیا ہے۔

۱۷ خلیفہ عبدالحکیم

فطرت کا مفہوم

(ثقافت لاہور ۵۹ اپریل ۷-۲۳)

مختلف فلسفوں اور قرآن کی روشنی میں فطرت کے مفہوم کی وضاحت کی ہے۔

۱۸ رزاقی، شاہد حسین

جمہوری معاشرہ کا اسلامی تصور

(ثقافت لاہور ۵۹ مئی ۳۲ - ۴۰)

موجودہ جمہوری معاشرہ کے اہم پہلوؤں کے بالمقابل اسلامی تصور معاشرہ کی لازمی خصوصیات دکھائی ہیں اور ان کی بہتری کی کیفیت پیش کی ہے۔

۱۹ سلیم شمس

(مقام رسالت ۰ کراچی ۰ جون، جولائی ۱۹۶۰ء)

تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ اختلاف قرات کا مسئلہ خالص فنی نوعیت کا مسئلہ ہے۔ (باقی)

۲۰ سلیم شمس

عید قرباں کی اہمیت

(مقام رسالت کراچی ۰ جون - جولائی ۱۹۶۰ء)

عید قرباں کی اہمیت قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کی ہے۔ ایک تقریر ہے جو ریڈیو پاکستان سے نشر ہوئی تھی۔

۲۱ شبیر احمد خاں غوری

الوہیت مریم کا مسئلہ

(برہان ۶۰ اپریل ۵ - ۳۲)

الوہیت مریم کے مسئلہ کی تکذیب کی ہے۔

۲۲ شبیر احمد خاں غوری

مسئلہ صفات باری

(ثقافت لاہور ۶۰ مئی ۴۷ - ۵۵)

اہل تصوف و فلاسفہ اور بعض فرقے عینیت کے قائل ہیں اور ان کے نزدیک ذات و صفات میں عینیت نہیں مگر کچھ ایسی مغائرت بھی نہیں۔

۲۳ شہیداللہ

اسلام کی امن پسندی

[ثقافت لاہور ۶۰ مئی ۴۱ - ۴۵]

اسلام کا مرکزی تصور امن ہے۔ وہ دنیا میں اس لئے آیا کہ بنی نوع انسان کو امن و سکون ملے، روحانی اور مادی طور پر زمین پر بھی اور آسمان پر بھی۔

۲۴ ظفر علی خان

بخت نصر کا خواب

[تعمیر انسانیت لاہور مئی - جون ۶۰]

حضور رسالتمآب کی آمد سے متعلق شاہ بابل بخت نصر کا خواب حضرت دانیال کی تعبیر کا قصہ بیان کیا ہے۔

۲۵ عبدالغفار حسن

دعا

[میثاق لاہور ۶۰ اپریل ۱۹ - ۳۲]

دعا کے مفہوم و مطالب وغیرہ سے متعلق پہلی قسط (باقی)

۲۶ عبدالغفار حسن

دعا

[میثاق لاہور ۶۰ مئی ۲۸ - ۴۳]

دعا کے مفہوم و مطالب وغیرہ سے متعلق دوسری قسط ہے۔

۲۷ عبدالغفار حسن

معازف و مزامیر کا شرعی حکم

[میثاق لاہور ٦٠ مئی ١٨ ـ ٢٧]

گانے بجانے کے آلات وغیرہ سے متعلق شرعی حکم کی وضاحت کی ہے . (مسلسل)

۲۸ عبدالغفار حسن

معارف و مزامیر کا شرعی حکم

[میثاق لاہور ٦٠ جون ١٦ - ٢٣]

گانے بجانے کے آلات وغیرہ سے متعلق شرعی حکم کی تفصیل بیان کی ہے (جاری)

۲۹ عثمان

پردے کے شرعی حدود

[ثقافت لاہور ٥٩ مئی ٩ ـ ١٧]

قرآن اور سنن کی روشنی میں پردے کے جواز و عدم جواز پر گفتگو کی ہے .

۳۰ علی اصغر بلگرامی

بردہ فروشی

[سب رس ، حیدرآباد اپریل ٦٠]

بردہ فروشی کا سرسری تاریخی جائزہ لیتے ہوتے اسلامی نقطۂ نظر پیش کیا ہے .

۳۱ عمری جلال الدین

جنسی بے راہ روی کا انسداد

[مقام رسالت، کراچی اپریل ٦٠]

قران و حدیث کے حوالوں سے بتایا ہے کہ جنسی بے راہ روی کے انسداد کے لئے اسلام نے کیا بندوبست کیا ہے .

۳۲ عمری ، جلال الدین

خدا کا قانون

[زندگی رام پور ٦٠ جون ٢٤-٣٢]

انسانی قانون کے مقابلہ میں خدائی قانون کی اہمیت اور نوعیت بیان کی ہے .

۳۳ فریدی ، نسیم احمد امروہی

تجلیات مجدد الف ثانی مکتوبات کے آئینے میں

[الفرقان لکھنؤ ٦٠ جون ١٢-٢٧]

مجدد الف ثانی کے ١٤ (١٦٣ ـ ١٨٦) خطوط کا ترجمہ درج ہے . ان میں مختلف مذہبی مسائل سے گفتگو کی ہے .

۳٤ محی الدین احمد

زکوٰۃ اور اس کی حقیقت

[ثقافت لاہور ٥٩ اپریل ٥٧-٦٨]

انسانی زندگی میں زکوٰۃ کی اہمیت دکھلائی ہے (باقی) .

۳۵ ملا ، واحدی دہلوی

اسلام اور معاشرہ ـ حقوق اور ذمہ‌داریاں

[نازان ٦٠ جون ٧-٢٣]

زیر ترتیب کتاب « حیات سرور کائنات حصہ سوم سے ماخوذ ، مقالہ میں میاں بیوی ، اولاد ، غلام ، بیمار ، عام حاجتمند بیوہ ، یتیم ، ہمسائے اور عام رشتہ دار کے سلسلہ میں اسلام کی روشنی میں متعلقہ حقوق اور ذمہ داریوں کا احصاء کیا ہے .

۳٦ نذیر احمد

دساتیر پر ایک نظر

[فکر و نظر، علی گڑھ ٦٠ اپریل]

دساتیری عقائد کے مطابق دساتیر سولہ آسمانی کتابوں کا ایک مجموعہ ہے

مضمون نگار نے دساتیر کے مذہبی، تاریخی اور لسانی پہلوؤں پر محققانہ نظر ڈالی ہے۔

۳۷ مہدی الحسینی

ہندوستان میں اشاعت اسلام

[عارف لاہور ۶۰ جون]

بتایا ہے کہ عہد رسالت مآب اور خلفائے راشدین کے عہد میں ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کس طرح ہوتی رہی۔

۳۸ وحید الدین خان

محمد رسول اللہ

[زندگی رام پور ۶۰ اپریل و مئی ۵۷-۴۵]

آں حضرت کی رسالت کی تصریح کی ہے۔

تذکرہ و سیرت نگاری

۳۹ آغا مہدی لکھنوی

قاضی میر ہاشم علی

[آجکل دہلی ۶۰ مئی]

زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۴۰ ابو علی

مولانا سید سلیمان ندوی کے علمی و تاریخی کارنامے

[برہان ۶۰ مئی ۴۸-۵۷]

سید صاحب کے علمی و تاریخی کارناموں کا اور ان کی اہمیت کا تذکرہ کیا ہے۔

۴۱ حمید الدین محمود

جمال عبد الناصر

[آجکل دہلی ۶۰ اپریل]

ناصر کی ابتدائی زندگی، فوجی خدمات، انقلاب مصر، انقلاب کے بعد متحدہ عرب جمہوریہ کی تشکیل وغیرہ پہلوؤں کو مختصراً پیش کیا ہے۔

۴۲ ڈار، بشیر احمد

خلیفہ صاحب کی علمی خدمات

[ثقافت لاہور ۶۰ جون جولائی ۵۷-۶۴]

خلیفہ عبد الحکیم مرحوم کی علمی خدمات کا مختصر تذکرہ درج ہے۔

۴۳ سعید احمد، اکبر آبادی

ناظم سیوہاروی

[برہان ۶۰ مئی ۴]

قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی کے انتقال پر ان کی دینی و دنیاوی سوجھ بوجھ کی تعریف کی ہے۔

۴۴ شرف الحسینی

سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

[عارف لاہور ۶۰ مئی]

حضرت فاطمۃ الزہرا رض کے مختصر سوانح حیات بیان کیے ہیں۔

۴۵ شروانی، ہارون خان

خلیفہ عبد الحکیم مرحوم کا حیدرآباد دکن میں قیام

[ثقافت لاہور ۶۰ جون و جولائی ۷۰-۷۲]

خلیفہ عبد الحکیم مرحوم کی ملازمت اور قیام حیدر آباد کی کیفیت تحریر کی ہے۔

۴۶ صابر مٹھالوی

تذکرہ بزرگان اسلام

[عارف لاہور ۶۰ مئی]

حضرت تاج الدین مہاجر مکی رح کے مختصر سوانح حیات بیان کئے ہیں۔

۴۷ عبد القدیر، سید

مرحوم ڈاکٹر خلیفہ کا حکیمانہ ادب

[ثقافت لاہور ۶۰ جون و جولائی ۴۷-۵۱]

خلیفہ عبد الحکیم مرحوم کی تحریرات کا مختصر جائزہ درج ہے۔

۴۸ عبد المجید سالک

حسرت جیسے کچھ تھے

[چراغ راہ ۶۰ مئی ۲۵]

حسرت کے سراپا، روز مرہ، سفر انگلستان اور سیاسی و دینی شغف کے سلسلے میں ہلکے اشارے درج ہیں۔

۴۹ عرفانی، عبد الحمید

خلیفہ عبد الحکیم ایران میں

[ثقافت لاہور ۶۰ جون و جولائی ۶۲-۷۰]

اپریل ۱۹۵۲ء میں خلیفہ عبد الحکیم مرحوم کے سہ روزہ اتفاقی قیام کی علمی و ادبی مصروفیات وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

۵۰ علی عباس حسینی

مرزا محمد ہادی رسوا

[آجکل دہلی مئی ۶۰]

مرزا کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۵۱ قاضی محمد اسلم

خلیفہ صاحب کی ممتاز شخصیت

[ثقافت لاہور ۶۰ جون جولائی ۳۸-۴۴]

خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کی شخصیت کے علمی و فکری پہلو کا تعارف پیش کیاہے۔

۵۲ قیصر محمود حسن سید

طالب علی عیشی

[معارف ۶۰ اپریل ۲۶۱-۲۷۳]

طالب علی نام عیشی تخلص، علی بخش خاں لکھنوی کے بیٹے، مذہباً اثنا عشری تھے۔ ۱۱۹۷ تا ۱۲۴۰ ھ حیات پائی۔ اردو اور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے، کلام کی نا دستیابی سے شہرت نہ ہوئی ورنہ اساتذہ تک نے ان کی تعریف کی ہے (باقی)۔

۵۳ قیصر محمود حسن سید

طالب علی عیشی

[معارف ۶۰ مئی ۳۸۰-۳۸۹]

اسی دوسری قسط میں عیشی سے متعلق اساتذہ کی رائیں اور اس کے اشعار کا انتخاب دیا ہے۔

۵۴ مسعود احمد

حضرت غمگین شاہ جہاں آبادی

[اہل ۶۰ مئی ۵۰-۴۷]

میر سید علی (ب ۱۱۶۷ ھ) دینی و دینوی حیثیتوں سے ممتاز اور بلند پایہ شاعر اور سعادت یار خان رنگیں کے شاگرد تھے. انھیں کی زندگی اور شاعری کا تعارف درج ہے (باقی).

۵۵ مسعود احمد

حضرت غمگین شاجہاں آبادی

[برہان ۶۰ جون ۴۱ ۵۸]

غمگین کی روحانی عظمت اور ان کے کلام کی خوبیاں جستہ جستہ بیان کی ہیں.

۵۶ ندوی، حسن مثنیٰ

پاکستان و ہندوستان کے خادمان سیرت

[ثقافت لاہور ۶۰ مئی ۱۹-۳۲]

سیرت نبوی کے سلسلے میں ہند و پاکستان میں جو کچھ کام ہوا ہے اس کا مختصر تذکرہ درج ہے.

تاریخ و سیاسیات

۵۷ ابوالا علیٰ مودودی

مصر و شام کا جدید عائلی قانون

[ترجمان القرآن ۶۰ مئی ۴۱-۴۸]

مصر و شام کے قوانین کو یکساں کرنے والی کمیٹیوں (لجان توحیدالقوانین) کی ترمسیحات اور ان سے متعلق مولانا کے ارشادات درج ہیں.

۵۸ ابوالا علیٰ مودودی و دیگر علماء

آئین کمیشن کا سوال نامہ اور علماء کی طرف سے اسی کا متفقہ جواب

[ترجمان القرآن مئی ۶۰، ۱۷-۴۰ و ۶۴]

پاکستان کے آئین کمیشن نے چالیس سوالوں پر مشتمل ایک سوال نامہ مرتب دیگر علماء کے پاس بھیجا تھا. اسی کا متفقہ جواب ۱۹ علماء نے مرتب کیا ہے.

۶۰ خدا بخش صاحب اظہر

مہدی سوڈانی

[تنویر السالک لاہور، مئی جون ۶۰ء]

مہدی سوڈانی کی تاریخی زندگی کا جائزہ لیا ہے.

۶۱ خلیق احمد نظامی

ایک بصیرت افروز مقدمہ

[العلم اپریل تا جون ۶۰، ۳۸-]

(دوسری قسط)

۱۹۰۰ء کے ایک مقدمہ کا تعارف ہے. اس سے بہادر شاہ ظفر کے عہد پر تفصیل سے روشنی پڑتی ہے.

۶۲ خلیق احمد نظامی

طبقات اکبری

[فکر و نظر، علی گڑھ، اپریل ۶۰ء]

طبقات اکبری اور اسکے مصنف خواجہ نظام الدین بخشی کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ایک قدیم قلمی نسخہ ہے جس کی مدد سے طبقات اکبری کا نیا ایڈیشن تیار کرانا چاہئے.

۶۳ خلیق احمد نظامی
سترھویں صدی کے ایک فرانسیسی سیاح
کے تاثرات
[فکر و نظر، علی گڈھ، اپریل ۶۰]
سترھویں صدی کے کسی سیاح نے ہندوستان کے حالات کا اتنا تفصیلی اور گہرا جائزہ نہیں لیا جتنا کہ مشہور فرانسیسی سیاح برنئیے نے لیا تھا۔ مضمون نگار نے برنئیے کے مشاہدات و تاثرات کا تعارف کرایا ہے۔

۶۴ قاضی اطہر مبارکپوری
ہند و عرب کے قدیم علمی اور ثقافتی
تعلقات
[معارف اپریل ۶۰ ۲۴۵-۲۶۶]
مقالہ کی پہلی قسط ہے۔ (مسلسل).

۶۵ قاضی اطہر مبارکپوری
ہند و عرب کے قدیم علمی ثقافتی تعلقات
[معارف مئی ۶۰ ۳۶۷-۳۷۵]
مقالہ کی یہ دوسری قسط ہے۔

۶۶ قاضی عبدالودود
واجد علی شاہ کا سفر کلکتہ
[قومی زبان یکم جون ۶۰ ۱۰-۱۲]
واجد علی شاہ نے ۳۲۵ ابیات کی مثنوی لکھی تھی جس کا کوئی خاص نام نہیں ہے اس مثنوی سے واجد علی شاہ کے سفر کلکتہ کا حال معلوم ہوتا ہے

۶۷ مختار رضا قاسم
عبداللہ ابن سبا
[نگار مئی ۶۰ ۱۸-۲۰]
عبداللہ بن سبا کو تاریخ کی روشنی میں پیش کیا ہے۔

۶۸ مومن محی الدین، ڈاکٹر
فیضی اور ابوالفضل کے دو خواہر زادے
عبدالصمد اور نور الدین محمد عبد اللہ
[معارف اپریل ۶۰ ۲۸۹-۲۹۹]
ان دونوں کی حیات و تصانیف کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔

۶۹ ندوی، احتشام احمد
سنوسی تحریک کی تنظیمی و نظریاتی بنیادیں
[معارف اپریل ۶۰ ۳۰]
مقالہ کی دوسری قسط ہے۔

تنقید ادب، لسانیات

۷۰ آغا ناصر
ناول اور ڈرامہ
[ماہ نو جون ۶۰ ۱۲-۱۴]
ناول اور ڈرامہ کو جدید حالات کی روشنی میں پیش کرتے ہوئے ڈرامہ کی مشکل پسندی پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

۷۱ آل احمد سرور
مولانا آزاد ۔ ایک تاثر
[اردو ادب، علی گڈھ، آزاد نمبر ۶۰]

مولانا آزاد کی ہمہ گیر شخصیت اور خدمات سے متعلق اپنے تاثرات پیش کئے ہیں۔

۷۲ ابو سعید قریشی

میں انہیں نہیں جانتا تھا

[ماہ نو مئی ۶۰ ء ۱۵-۲۱]

پطرس کی یک رخی تصویر پیش کرتے ہوئے ان کی شخصیت کا نفسیاتی تجزیہ پیش کیا ہے۔

۷۳ ابوعلی اعظمی

مولانا ابوالکلام آزاد

مولانا شبلی کے خطوط کی روشنی میں

[اردو ادب ، علی گڈھ آزاد نمبر ۵۹ ء]

آزاد اور شبلی کے باہمی تعلقات اور اخلاص و محبت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۷٤ اجمل خاں

مولانا آزاد کی گھریلو زندگی

[اردو ادب، علی گڑھ ، آزاد نمبر ۵۹ ء]

مولانا آزاد کی شخصی زندگی کے بعض دلچسپ واقعات پیش کئے ہیں۔

۷۵ احسن فاروقی ابو محمد سحر

اردو ادب کی تشکیل نو

[قومی زبان ۱٦ مئی ٦۰ ء ۲٦-۳۰]

اردو ادب کی موجودہ رفتار کا جائزہ پیش کرتے ہوئے اس کی وسعت اور ترقی کے لئے مشورے پیش کئے ہیں۔

۷٦ احمد شمیم

محسن دربھنگوی

[صبح نو پٹنہ اپریل ٦۰ء]

زندگی اور شاعری کا تعارف کرایا گیا ہے۔

۷۷ خواجہ احمد عباس

کرشن چندر کی کہانی

[صنم پٹنہ افسانہ نمبر ٦۰ ء]

کرشن کی قلمی تصویر کے ساتھ ان کے مزاج اور رجحان کا مختصراً تذکرہ کیا گیا ہے۔

۷۸ اختر ش

غالب کی ترقی پسندی

[صبح نو پٹنہ مئی ٦۰ ء]

غالب اردو کا پہلا شاعر ہے جس نے عظمت آدم کا بھرم رکھا ہے اور اس مولود خاکی کی اہمیت کو سمجھا ہے۔ ان کے یہاں ترقی پسندانہ رجحانات ملتے ہیں۔

۷۹ ادارہ

نذرالاسلام نمبر

[ندیم ڈھاکا جون جولائی ٦۰ ء]

نذرالاسلام سے متعلق حسب ذیل مضامین شائع ہوئے ہیں۔

نذرالاسلام کی تصانیف۔ نذرل ایک مطالعہ۔ نذرالاسلام اور اُردو، نذرالاسلام ان کی موسیقی۔ گدھے کی کہانی قاضی صاحب کی زبانی، نذرالاسلام کی غزل گوئی، نذرالاسلام سے میری پہلی ملاقات، میری زندگی کا سرچشمہ نذرالاسلام

۸۰ ار[illegible] کاکوی

شخصی نوحے

[صبح نو پٹنہ اپریل ۶۰ء]

شخصی نوحے کو نوحے اور مرثیے سے الگ کرتے ہوئے بتا گیا ہے کہ شخصی نوحے کا لکھنے والا مرحوم سے نہ صرف قریب تر رہا ہو بلکہ اس کی وفات سے اسی طرح متاثر ہوا ہو جس طرح مرحوم کے عزیز اقارب ہوئے ہیں۔ مضمون میں اردو کے شخصی نوحوں پر روشنی بھی ڈالی گئی ہے۔

۸۱ اسد الحق، شیدائی

حالی ۔ غزل گو

[ندیم ڈھاکا مئی ۶۰]

حالی کی غزلگوئی کے مختلف پہلوؤں کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

۸۲ اسد ملتانی

خطوط اسد ملتانی مرحوم بنام عبد المجید حیرت شملوی

[فاران ۶۰ مئی ۱۷۔۲۹]

حیرت شملوی کے نام اسد ملتانی کے ۲۱ خطوط درج ہیں۔ جن سے دونوں کے تعلق خاطر، حیرت کی پریشانیوں اور دوسری نجی اور ادبی باتوں کا تذکرہ ہے،

۸۳ اسد ملتانی

اسد ملتانی مرحوم کے خطوط عبدالمجید حیرت شملوی کے نام

[فاران ۶۰ء جولائی ۳۶۔۴۶]

ستمبر ۵۲ء تا جون ۵۴ء تک کے آٹھ خط درج ہیں، ان میں نجی باتوں کے علاوہ ادبی مذاکرات بھی ملتے ہیں۔

۸۴ إسر دیوبندر

سرریلزم: خواب اور حقیقت کا سنگم

[ماہ نو ۶۰ء اپریل ۲۶۔۳۰۔۵۷]

فرانس اور یورپ کے دوسرے ملکوں کی ممتاز فنی و ادبی تحریک کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

۸۵ اسلوب احمد انصاری

« غبار خاطر » پر ایک نظر

[اردو ادب علی گڑھ، آزاد نمبر ۵۹ء]

غبار خاطر کے اسلوب بیان پر اظہار خیال کیا ہے۔

۸۶ اقبال ماہر

علامہ سیماب اکبر آبادی مرحوم

[شاعر بمبئی ۶۰ء اپریل]

سیماب کی شاعری کا سرسری جائزہ لیا ہے۔

۸۷ امتیاز علی عرشی

انشا کی دو نادر کتابیں

[نیا دور لکھنؤ ۶۰ء اپریل]

انشا کے حالات زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی تصنیف « سلک گوہر » اور « روز نامچہ » کا تعارف کرایا گیا ہے۔

۸۸ امداد صابری

حیات خواجہ میر درد

[شاہراہ ۶۰ء مئی ۸-۱۶]

خواجہ میر درد کی زندگی اور ان کے عہد کی تصویر پیش کی ہے۔

۸۹ انجم فاطمی

صحت مند قدریں

[شاعر، بمبئی ۶۰ء اپریل]

ادیبوں کو اپنی صلاحیتوں کا جائزہ لینے کے بعد صحت مند قدروں کو سمجھنے اور اپنانے کا مشورہ دیا ہے۔

۹۰ تخلیق ادب اور مذہب

[دانش ۶۰ مئی ۱۱-۱۴]

تخلیق ادب اور دوسرے فنون لطیفہ میں مذہب کی کارفرمائی کو پیش کیا ہے۔

۹۱ ایک طالب علم

اقبال کی اردو شاعری پر ایک نظر

[فروغ اردو لکھنؤ اپریل ۱۹۶۰ء]

اقبال کی شاعری کے تین دور پہلا دور ۱۹۱۲ء تک دوسرا دور ۱۹۳۵ء تک اور تیسرا دور ۱۹۳۸ء تک قائم کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ تیسرا دوران کی شاعری کا زرین دور ہے۔

۹۲ ایک عقیدتمند

یاد ظفر علی خان

[فروغ اردو لکھنؤ اپریل ۱۹۶۰ء]

ظفر علی خان کی نظم نگاری پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ انہوں نے حالی اور اقبال کی طرح مذہب اور شعر کو اس طرح ہم آہنگ کیا کہ کروڑوں دل برما گئے اور کتنی ہی آنکھیں آنسوؤں کے خزانے کی مالک بن گئیں۔

۹۳ بدر جلالی:

سیماب کے سیاسی عقائد

[شاعر بمبئی، سالنامہ ۱۹۶۰ء]

سیماب نے ایک شاعر کی سیاسی اور قومی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی سعی بلیغ کی ہے۔ وہ نیشنلیسٹ، کانگریسی اور جمہوریت نواز تھے

۹۴ بدیع الزماں

دنکر کی شاعری

(آجکل دہلی اپریل ۱۹۶۰ء)

رام دھاری سنگھ دنکر کی شاعری سے ہندی شاعری میں ایک نئے عہد کا آغاز ہوتا ہے۔ سامراجی شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہندوستان کی تمناؤں، حسرتوں اور مجبوریوں کا جتنا بھرپور اظہار دنکر کی شاعری میں ہوا ہے ہندی کے کسی اور شاعر کے یہاں نہیں ہوا ہے۔

۹۵ برنی سید خضر

نواب شیفتہ

(نگار ۶۰ء مئی ۲۱ - ۲۷)

شیفتہ کے خاندان کے علم و اقتدار کو پیش کرنے کے بعد ان کی شاعری پر مختصر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

۹۶ بیدار عابد رضا

آزاد ببلیو گرافی

(اردو ادب، علی گڑھ، آزاد نمبر ۵۹ء)

مولانا آزاد کی تصانیف اور متفرق تحریروں کی توضیحی فہرست پیش کی ہے۔

۹۷ بیدار عابد رضا

آزاد، ایک صحافی

(اردو ادب، علی گڑھ، آزاد نمبر ۵۹ء)

مولانا آزاد کی صحافیانہ زندگی کا تجزیاتی مطالعہ تفصیل و تحقیق کے ساتھ پیش کیا ہے۔

۹۸ بیدار عابد رضا

مولانا آزاد، غبار خاطر اور کاروان خیال حیرت انگیز اصلاحی عمل

(برہان ۶۰ء اپریل ۳۷ - ۴۶)

غبار خاطر اور کاروان خیال میں شامل مشترک خطوط کے فرق کو تقابلی طور پر دکھایا ہے۔

۹۹ تاثیر محمد دین

اقبال - ایک آفاقی شاعر

(ماہ نو ۶۰ء اپریل ۷ - ۹)

اقبال کو ایک آفاقی شاعر کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

۱۰۰ تارا چند

مرزا غالب کی برسی

(اشارہ پٹنہ مئی ۱۹۶۰ء)

غالب نے، تصوف اور ویدانت کو اپنی شاعری میں سمویا ہے اور ہندوستان کے اس تخیل کو جو ہزارہا برس کی میراث ہے اپنے شعر میں کھپایا ہے وحدت الوجود کا ایک دفتر جمع کر دیا ہے۔

۱۰۱ تبسم کاشمیری

لاہور پنچ

[قومی زبان ۱۶ مئی ۶۰ء ۳۱-۳۴]

لاہور کے مزاحیہ اخبار لاہور پنچ کا تعارف پیش کیا ہے۔

۱۰۲ تحسین سروری

سالک اور غالب

[آجکل دہلی اپریل ۶۰ء]-

مرزا قربان علی بیگ سالک غالب کے شاگردوں میں سے تھے ان کے حالات زندگی پر مختصراً روشنی ڈالتے ہوئے ان کے کلام کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔ غالب کے انتقال پر انہوں نے جو قطعہ اور مرثیہ تحریر کیا تھا اسے درج کیا گیا ہے اور ان کے قطعات و قصائد کی فہرست بھی درج کی گئی ہے۔

۱۰۳ تقی رحیم

اُردو کہانیوں میں سیاسی میلانات

[صنم پٹنہ مارچ اپریل ۶۰ء]

کہانی اور داستانوں کی تاریخ پر مختصراً روشنی ڈالتے ہوئے اردو ناولوں اور کہانیوں میں سیاسی میلانات کس حدتک پائے جاتے ہیں اس کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

۱۰۴ تہور حسین

مجلس مشاعرہ انجمن پنجاب اور آزاد

[قومی زبان کراچی ۶۰ء جون ۹-۱۲]

مولانا محمد حسین آزاد نے پنجاب میں اردو کی توسیع کے لئے جو کچھ کام کیا ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے آزاد کے اسلوب پر بھی تفصیلی بحث کی ہے۔

۱۰۵ جعفر طاہر

اختر شیرانی

[قومی زبان یکم اپریل ۶۰ء ۸-۹]

اختر کی شخصیت اور شاعری پر مختصراً روشنی ڈالی ہے۔

۱۰۶ جعفر طاہر

خوشی محمد ناظر

[قومی زبان یکم مئی ۶۰ء ۲۱-۲۲]

زندگی اور شاعری کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔

۱۰۷ چنگ مو اور ہوآنگ چاوین

چینی ناول کے گذشتہ دس سال

[شاہراہ ۶۰ء جون ۵-۱۰]

چینی ناول کے گذشتہ دس سالوں پر تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

۱۰۸ حسن سید

لکھنؤ سوا سو برس پہلے

[نیا دور لکھنؤ مئی ۶۰ء]

نجات حسین خاں صاحب پٹنہ کے معزز اور ذی علم خاندان سے تعلق رکھتے تھے فروری ۱۸۴۳ء میں وہ لکھنؤ گئے تھے۔ وہاں کے جو کچھ حالات دیکھے اسے انہوں نے فارسی زبان میں قلمبند کردیا تھا۔ انہی کے تحریر کئے ہوئے حالات یہاں پیش کئے گئے ہیں۔

۱۰۹ حسن عسکری پلکھنوی

مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب زندگی

[اردو ادب، علی گڑھ، آزاد نمبر ۵۹ء]

مولانا آزاد کی زندگی کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۱۰ حسن، محمد

اترپردیش میں اردو نظم آزادی کے بعد

[فروغ اردو لکھنو مئی ۶۰ء]

مضمون کی پہلی قسط جس میں جگر، فراق، رویش صدیقی، مجاز، ساغرنظامی، آنند نرائن ملا، شادعارفی اور آل احمد سرور کی نظم نگاری کا سر سری جائزہ لیا گیا ہے۔

۱۱۱ محمد حسین

اردو شاعری کا تہذیبی پس منظر

[فکر و نظر، علی گڑھ ۶۰ء اپریل]

ولی سے میر تک، ہندوستان کے سیاسی معاشی، معاشرتی اور تعلیمی حالات کا سرسری مگر تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہے کہ کس طرح ان کے اثرات اردو شاعری کا پس منظر بنے ہیں۔

۱۱۲ حسن نود

پاکستان کے اردو رسائل

[مہر نیمروز ۰٦۰ اپریل ۲۱-۲۵]

دوسری قسط

پاکستان کے اردو رسائل کی مختلف قسموں وغیرہ کے اعداد وشمار پیش کرتے ہوئے ان کی خصوصیات بیان کی ہیں.

۱۱۳ حمید عظیم آبادی

سوانح شاد عظیم آبادی

[ندیم ڈھاکا اپریل ۰٦۰]

۱۹۲۱ء سے لیکر شاد کے انتقال تک کے مختلف واقعات اور حالات پیش کئے گئے ہیں.

۱۱٤ خان رشید

ہماری شاعری کا سیاسی پس منظر

[ادب لطیف لاہور اپریل مئی ۰٦۰]

اورنگزیب کے زمانے سے لیکر دلی کی تباہی اور بربادی تک تاریخی روشنی ڈالتے ہوئے بتایا گیا ہےکہ اردو شاعری ان حالات سے کس حد تک متاثر ہوئی.

۱۱۵ دیسنوی بشیرالحق

مقالہ نما برائے شبلی

[معارف جون ۰٦۰ ٤۵۸-٤٦۲]

مذکورہ عنوان سے اسحاق نعمانی نے ایک مضمون (آج کل جنوری ۰٦۰) لکھا تھا جو بقول مقالہ نگار ناقص تھا اور اب انہوں نے اسے مکمل کرکے یہاں شائع کیا ہے اس میں ٤۲ مندرجات ہیں.

۱۱٦ ذکی ذاکانی

«شعلۂ خیال» کا ایک فنی مطالعہ

[چراغ راہ ۰٦۰ ٤۲-۵۰ ۲]

نعیم صدیقی کے مجوعۂ کلام پر فنی تبصرہ کیا ہے.

۱۱۷ راز یزدانی

اردو میں داستان گوئی اور داستان نویسی

[آجکل دہلی ٦۰ مئی]

انسانوں کی داستان گوئی کی ابتدا سے بحث کرتے ہوئے اردو میں داستان گوئی اور داستان نویسی کی ابتدا پر روشنی ڈالی گئی ہے

۱۱۸ رشید احمد صدیقی

اردو نثر کا بنیادی اسلوب

[قومی زبان کراچی ۰٦۰ اپریل مئی جون]

اردو نثر کے بنیادی اسلوب پر سلسلہ وار مضامین ہیں.

۱۱۹ رضی الدین صدیقی

قوموں کا عروج و زوال

[قومی زبان ۰٦۰ مئی ١٤-۲۰]

قومی کے عروج و زوال کا سرسری جائزہ پیش کرتے ہوئے اقبال کے فرد اور قوم پر اقبال کے خیالات کو قلمبند کیا ہے.

۱۲۰ رفیق حسین

عصمت چغتائی اور افسانوی تکنیک

[شاعر ، بمبئی سالنامہ ۰٦۰]

عصمت چغتائی کے افسانوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے.

۱۲۱ ریاض الرحمن

مولانا آزاد کی زندگی پر تحقیقی

(صبا ۶۰ء جون ۱۹ - ۳۳)

مولانا مائل ملیح آبادی کی کتاب «ذکر آزاد» کی روشنی میں مولانا آزاد کی زندگی پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

۱۲۲ زور، محی الدین قادری

قصۂ پنجۂ آفتاب و مہر شاہ

(سب رس، حیدرآباد، اپریل ۶۰ء)

مذکورہ عنوان کی ایک مثنوی، عمدۃ الامراء غلام حسین خاں کے دور میں ارکاٹ میں لکھی گئی۔ مضمون نگار نے اس کے مخطوطے کا تعارف کرایا ہے۔

۱۲۳ زور، محی الدین قادری

مثنوی چھو منتر

(سب رس، حیدرآباد، مئی ۶۰ء)

میر تقی میر کے شاگرد میر ذوالفقار علی خان صفا کی مثنوی چھو منتر کا تعارف کرایا ہے،

۱۲٤ زینت ساجدہ

محمد قلی اور اس کی شاعری

(اشارہ پٹنہ، اپریل ۶۰ء)

محمد قلی کی قادرالکلامی یہ ہے کہ وہ غزل کا سب سے کامیاب شاعر ہونے کے علاوہ تمام مروج اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتا ہے۔ جتنا حصۂ کلام غزلوں پر مشتمل ہے اتنا ہی نظموں پر بھی۔ اس کی نظموں میں اس کے عہد کی جیتی جاگتی تصویر بھی جھلکتی ہے،

۱۲۵ سحر، ابو محمد

ناسخ - معتقد میر

(نگار ۶۰ء مئی ۲ - ۱۷)

ناسخ کی شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے انہیں معتقد میر ظاہر کیا ہے۔

۱۲٦ سخاوت مرزا

سلطان محی الدین سالک کڑپوی ثم حیدرآبادی

[نوائے ادب، بمبئی، اپریل ۶۰ء]

سلطان محی الدین سالک کڑپوی ثم حیدرآبادی کے سوانح حیات کا خلاصہ اور تصانیف کا تعارف ہے۔

۱۲۷ سعید نفیسی - مترجم، شاعر ندیم

جدید فارسی ادب کا سرسری جائزہ

[صبا، ۶۰ء مارچ ۷ - ۱۵]

جدید فارسی ادب کا سرسری جائزہ پیش کیا ہے

۱۲۸ سلطان جمیل نسیم

«التماس» پر ایک تحقیقی نظر

(مہر نیمروز ۶۰ء مئی ۲۰ - ۲۲)

لفظ «التماس» کی تذکیر و تانیث پر محققانہ نظر ڈالی ہے۔

۱۲۹ سندر لال

آزاد ہندوستان کی تعمیر میں مولانا ابوالکلام مرحوم کا حصہ

(اردو ادب، علی گڑھ، آزاد نمبر ۵۹ء)

مولانا آزاد کی آزاد خیالی و وسیع المشربی کا ذکر کرتے ہوئے ان کی قومی خدمات کا سرسری جائزہ لیا ہے،

۱۳۰ شان الحق حقی

ا (الف)

[ماہ نو کراچی ۶۰ء مئی ۲۹-۳۱]

وزارت تعلیم (پاکستان) کی زیر نگرانی ترقی اردو بورڈ ایک لغت تالیف کر رہا ہے۔ مضمون نگار نے اس سلسلے میں صرف الف کی تشریح نموتاً پیش کی ہے۔

۱۳۱ شان الحق حقی

شرح دیوان غالب

[ادب لطیف لاہور جون ۶۰ء]

شارحین کے خیالات سے بحث کرتے ہوئے غالب کے دو شعر کی تشریح کی گئی ہے۔

۱۳۲ شاہد جلیلی

علامہ عیش جانشین امیر مینائی

[عارف لاہور ۶۰ء جون]

اپریل کے شمارہ عارف میں دل شاہجہانپوری مرحوم سے متعلق صابر مٹھیاوی کا مضمون شائع ہوچکا ہے۔ یہ مضمون اس کا جواب ہے۔

۱۳۳ شکیب رضواں، سیتا پوری

دل شاہجہاں پوری

[نیا دور لکھنؤ ۶۰ء مئی]

دل شاہجہاں پوری کے مختصر حالات زندگی اور شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کے نزدیک شاعری محض ذوق جمال کو تسکین دینا نہیں بلکہ انسانی ذہنیت کی تربیت کرکے اس کو ایک اعلیٰ مقصد کے لئے اوکسانا بھی ہے۔

۱۳۴ شمس نوید

ادب ـ ایک جمالیاتی توانائی

[دانش ۶۰ اپریل ۴-۱۳]

ادب میں جمالیاتی عناصر اور ان کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۳۵ شیدا راجندر ناتھ

حدی را تیز تر می خواں

[قومی زبان ۶۰ء اپریل ۲۵-۳۱]

اردو ادب کے موجودہ مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے موجودہ اردو ادب کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔

۱۳۶ صباح الدین عبد الرحمان

شاہان دہلی کی بزم شاعری

[آجکل دہلی ۶۰ء اپریل]

دہلی میں غلام بادشاہوں سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک ان کی ادب نوازی اور شعر و شاعری سے دلچسپی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۳۷ صدیقی محمد احمد

قاضی زین العابدین فرجاد کی شاعری

[العلم ۶۰ء اپریل، جون ۸۷-۹۰]

آزاد اور حالی کے ہم عصر فرجاد کے خاندانی حالات اور ان کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے۔

۱۳۸ ضمیر احمد خان

دیوان نظیر اکبر آبادی

[نوائے ادب، بمبئی ۶۰ء اپریل]

نظیر اکبر آبادی کا ایک قدیم مطبوعہ دیوان جناب نجیب اشرف صاحب ندوی کی ذاتی لائبریری میں ملا ہے۔ مضمون نگار نے مرزا فرحت اللہ بیگ کے ترتیب دئیے ہوئے دیوان کے ساتھ اس کا تقابلی مطالعہ پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اول الذکر دیوان صحیح تر ہے۔

۱۳۹ ضمیر علی

اقبال اور آئن سٹائن

[ماہ نو ۶۰ء اپریل ۱۶۔۲۰]

زمان و مکان کے سلسلے میں مختلف نظریوں سے اقبال کے آئن سٹائن سے اختلافات و اتفاقات کو مفصل بیان کیا ہے۔

۱۴۰ ضیا احمد بدایونی

انشا تذکرہ

[اردو ادب علی گڑھ ۵۹ء ازاد نمبر]

مولانا آزاد کی تصنیف تذکرہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

۱۴۱ طیب عثمانی

ادب اور آخرت

[دانش ۶۰ء جون ۱۷۔۱۹]

ادب میں آخرت کے تصور اور اس کی اہمیت کو پیش کیا ہے۔

۱۴۲ طیب عثمانی

فکر اقبال

[... اشارہ پٹنہ مئی ۶۰ء]

اقبال نے اردو شاعری میں نہ صرف یہ کہ فکر انگیزی بخشی بلکہ اردو شاعری کو انہوں نے ایک نیا اسلوب، ایک نئی ہئیت اور ایک نیا رنگ و روپ عطا کیا۔

۱۴۳ ظفر احمد

نظیر اکبر آبادی

[شاعر بمبئی سالنامہ ۶۰ء]

نظیر اکبر آبادی کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے۔

۱۴۴ ظفر عظیم

غالب اور قومی شعور

[قومی زبان ۶۰ء یکم مئی ۲۰۔۲۱]

غالب نے اپنی شاعری میں سیاسی شعور کو جس طرح پیش کیا ہے اس کا مختصر جائزہ ہے۔

۱۴۵ عابد حسین

زندہ ادب

[شاعر بمبئی: سالنامہ ۶۰ء]

ترقی پسند ادب کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے زندہ ادب کی تخلیق کے متعلق اپنے خیالات پیش کئے ہیں۔

۱۴۶ عارف سیالکوٹی

کلام اقبال اور اشتراکیت

[نیر الاسلام ۶۰ء اپریل ۳۴۔۴۰]

اقبال کے کلام کی روشنی میں اس بات کا تجزیہ کیا گیا ہے کہ اقبال اشتراکیت کا حامی تھا، یا درحقیقت مسلمان تھا۔

۱۴۷ عباسی اقرار احمد

آب حیات کا تذکرہ یا تاریخ
[نگار ۶۰ء اپریل ۳۳-۳۶]
آب حیات کی اہمیت کی کئی وجوہات ہیں، مضمون نگار نے اس کی تاریخی اور ادبی اہمت کو پیش کرتے ہوئے اردو تذکرہ نویسی میں اس کے اہم کردار کو پیش کیا ہے۔

۱۴۸ عبد الحق

بیا بہ مجلس اقبال
[ماہ نو ۶۰ء اپریل ۶]
اقبال سے چند ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۴۹ عبد السبوح قاسمی

پشاور یونیورسٹی لائبریری کے قلمی نسخے
[قومی زبان ۶۰ء جون ۳۲-۳۵]
مصنف نے پشاور یونیورسٹی لائبریری کے قلمی نسخوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

۱۵۰ عبد الستار دلوی

شبلی۔ مکتوب نگار کی حیثیت سے
[شاہراہ ۶۰ء جون]
اردو میں مکتوب نگاری کی مختصر تاریخ پیش کرتے ہوئے شبلی کے مکاتیب پر تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

۱۵۱ عبد السلام ندوی و کبیر احمد جائسی

عرش ملسیانی کی شاعری
[نگار ۶۰ء مئی ۴۲-۴۶]
عرش کی شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے ان کی شاعری کی مختلف خصوصیات کو واضح کیا ہے۔

۱۵۲ عبدالشاہد خاں شروانی

مولانا ابوالکلام آزاد کی علمی و دماغی کاوشوں پر طائرانہ نظر
[اردو ادب، علی گڑھ، آزاد نمبر ۵۹ء]
مولانا آزاد کی تحاریر و تصانیف کا سرسری جائزہ لیا ہے۔

۱۵۳ عبد العلیم

اردو ادب کی جدید تصویر
[شاہراہ ۶۰ء مئی ۵-۶]
غالب سے آج تک کے ادب کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔

۱۵۴ عبد الغفار شکیل

مولانا ابوالکلام آزاد اور شاعر
[اردو ادب، علی گڑھ؛ آزاد نمبر ۵۹ء]
شعر و شاعری سے مولانا آزاد کی دلچسپی کا ذکر کرتے ہوئے اُن کی چند شعری کاوشوں کو پیش کیا ہے۔

۱۵۵ عبدالقوی دیسنوی

لسان الصدق
[اردو ادب، علی گڑھ، آزاد نمبر ۶۰ء]
لسان الصدق کے اجراء کے مقاصد اور انکے حصول میں مولانا آزاد کی کوششوں کی وضاحت کی ہے۔

۱۵۶ عبدالغنی

افسانے میں تکنیک
[ماہنامہ ستم ظریف افسانہ نمبر ۶۰ء]

افسانے میں عناصر ترکیبی تین ہیں، پلاٹ موضوع اور اسلوب. تکنک اگر کچھ ہے تو وہ ان ہی تینوں کی مجموعی ترتیب ہے لیکن ان تینوں کے امتیازی وصف پر بندھی ٹکی بات کہنی ممکن نہیں. مضمون نگار نے موضوع اسلوب اور پلاٹ سے بحث کی ہے.

۱۵۷ عبدالوہاب

ش مظفر پوری ـ ایک فنکار

[صنم پٹنہ مارچ اپریل ۶۰ء]

حالات زندگی، فن اور شخصیت کا تذکرہ کیا گیا ہے.

۱۵۸ عتیق صدیقی

سحر سامری

[نیا دور لکھنؤ مئی ۶۰ء]

یہ اخبار نومبر سنہ ۱۸۵۶ء میں لکھنو سے جاری ہوا تھا. یہاں اسی کا تفصیلی تعارف کرایا گیا ہے.

۱۵۹ عتیق صدیقی

مولانا آزاد اپنے آئینے میں

[اردو ادب، علی گڑھ، آزاد نمبر ۵۹ء]

نقشِ آزاد، انڈیا ونس فریڈم اور «آزاد» کے حوالوں سے مولانا آزاد کی شخصیت کے بعض پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے.

۱۶۰ عطا کاکوی

حسرت اور طرز لکھنؤ

[ندیم ڈھاکا اپریل ۶۰ء]

چند اشعار کی مثالوں کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ حسرت نے لکھنؤی طرز کی دل کھولکر داد دی ہے.

۱۶۱ عظیم فیروز آبادی

اقبال ایک مفکر کی حیثیت سے

[شاعر بمبئی، سالنامہ ۶۰ء]

اقبال کی فکر و نظر اور ان کی بے عمل شخصیت پر تنقید کی ہے.

۱۶۲ علی جواد زیدی

نئی تنقید

[شاہراہ ۶۰ء اپریل ۶۴ـ۵]

نئی تنقید پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے.

۱۶۳ علی عباس حسینی

اپنا بیان

(سب رس، حیدرآباد، مئی ۶۰ء سبرس نومبر دسمبر ۵۹ء)

«ناول کی تاریخ اور تنقید» پر اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر قمر رئیس صاحب نے، پریم چند سے متعلق کچھ غلطیوں کی نشاندہی کی تھی. مضمون نگار نے جواب دیا ہے.

۱٦٤ عمیق حنفی

غالب اور فلسفہ

(صبا اپریل ۶۰ء)

کوثر چاند پوری کے اس خیال کے جواب میں کہ «غالب کے یہاں کوئی نظریۂ حیات یا نظام فکر نہیں» مضمون نگار نے غالب کی مفکرانہ عظمت کو

پیش کرنے کی سعی کی ہے۔

۱۶۵ عندلیب شادانی

ریختی کا موجد

(ندیم ڈھاکا اپریل ۰۶۰)

صنف ریختی سے بحث کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ریختی کا موجد رنگین ہے۔

۱۶۶ غلام حسین ندوی

بہار کا ایک گمنام شاعر

(نوائے ادب، بمبئی اپریل ۰۶۰)

مفتی غلام مخدوم ثروت، پھلواری کا تعارف کراتے ہوئے ان کے ایک قلمی دیوان سے فارسی اشعار پیش کئے ہیں۔

۱۶۷ فاروقی نثار احمد

غالب نما

(برہان ۰۶۰ء اپریل ۴۷ - ۵۹)

برہان (فروری ۰۶۰) میں ۲۷۳ مندرجات اور تحریک دہلی (مارچ ۰۶۰) میں ۲۶۰ مندرجات کے بعد غالب نما کی یہ تیسری قسط ہے جس میں ۱۴۹ مضامین کا انڈکس ہے۔

۱۶۸ فرید احمد نسیم علوی کاکوروی

مولانا حسرت موہانی

(فروغ اردو لکھنؤ جون ۰۶۰)

حسرت کی تعلیمی زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی شاعری کی خوبیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں ان کے کلام کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔

۱۶۹ فگار عبدالرحمن

اقبال کا نظریۂ حرکت

(ماہ نو ۰۶۰ء اپریل ۱۱ - ۱۵)

اقبال کے نظریۂ زندگی پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

۱۷۰ فوقانی بن شوق نیموی

مولانا ابوالکلام آزاد کی پہلی تقریر

[اردو ادب، علی گڈھ آزاد نمبر ۵۹ء]

مولانا آزاد کی پہلی تقریر حضرت شوق نیموی کی صدارت میں کلکتہ میں ہوئی۔

۱۷۱ فیضی

بابائے اردو

(ماہ نو ۰۶۰ء مئی ۱۱ - ۱۴)

ڈاکٹر عبدالحق کی شخصیت اور ادبی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۷۲ قادری محمد ایوب

مکتوبات خواجہ حسن نظامی دہلوی

[العلم ۰۶۰ اپریل تا جون ۶۴-۲۴]

خواجہ حسن نظامی کے اکیس خطوط کا تعارف پیش کیا ہے جو انہوں نے خواجہ فضل احمد خاں شیدا دہلوی کے نام لکھے تھے۔

۱۷۳ قاضی عبدالودود

اودھ پنچ سنہ ۱۸۷۸ء

[فروغ اردو لکھنؤ ۰۶۰]

اودھ پنچ ۱۸۷۸ء ۲۱ مئی تا ۲۵ دسمبر مضمون نگار کے پیش نظر ہے شمارہ ۲۱ اور ۲۲ کا تعارف کرایا گیا ہے اور ۲۳ سے ۵۲ شمارے تک خاص خاص باتیں درج کی گئی ہیں۔

۱۷۴ قاضی عبدالودود

بعض قدیم شعراء

[اردو ادب، علی گڑھ ، آزاد نمبر ۵۹ء]

ایک قدیم ماہنامہ مرقع عالم (ہردوئی) سے مولانا آزاد اور ان کے بھائی کی تحریریں مع تعارف پیش کی ہیں۔

۱۷۵ قاضی عبدالودود

تقریظ و تبصرۂ تذکرۂ صادقہ

(اردو ادب علی گڑھ ، آزاد نمبر ۵۹ء)

مولوی عبدالرحیم صاحب زیری کے تذکرۂ صادقہ پر مولانا آزاد کی تقریظ اور تبصرہ پیش کیا ہے اور ان کا تعارف کرایا ہے۔

۱۷۶ قاضی عبدالودود

عبدالحق بحیثیت محقق

(مہر نیمروز ۶۰ء اپریل ۱۶ - ۲۰)

عبدالحق کو بحیثیت محقق کے پیش کیا ہے۔

۱۷۷ قاضی عبدالودود

عبدالحق بحیثیت محقق

(مہر نیمروز ۶۰ء مئی ۱۳ ، ۱۹)

عبدالحق کو بحیثیت محقق پیش کیا ہے۔

۱۷۸ قاضی عبدالودود

عبدالحق بحیثیت محقق

(مہر نیمروز جون ۶۰ء ۱۴ - ۱۶)

(آخری قسط)

عبدالحق کو بحیثیت محقق پیش کیا ہے۔

۱۷۹ قاضی عبدالودود

غالب کے اشعار فارسی کا ایک مجموعہ

(فکر و نظر، علی گڑھ اپریل ۶۰ء)

کتبخانۂ دانش گاہ علی گڑھ میں نواب محمد اسماعیل خاں مرحوم نبیرۂ شیفتہ کا دبا ہوا غالب کے اشعار فارسی کا ایک مجموعہ ہے۔ اسی کا تعارف کرایا ہے

۱۸۰ قاضی عبدالودود

گلزار جعفری

(فروغ اردو لکھنؤ مئی ۶۰ء)

مرزا فاخر مکین کی فارسی نثر کا مجموعہ گلزار جعفری ہے۔ مضمون نگار نے اس کا مختصراً تعارف کرایا ہے۔

۱۸۱ قاضی عبدالودود

لسان الصدق

[شاعر ، بمبئی سالنامہ ۶۰ء]

ابوالکلام آزاد کے اخبار لسان الصدق کے چند اولین شماروں کا تعارف کرایا ہے۔

۱۸۲ قدوس صدیقی

سریلی بانسری کا شاعر - آرزو لکھنوی

[جام نو کراچی مئی ۶۰ء]

آرزو لکھنوی نے اُردو غزل کو ایک نئی ہئیت بخشی، زبان کو ہندی کے ایک عام فہم بول سے مالا مال کیا۔ آرزو کی تصانیف نظام اُردو اور سریلی بانسری کا اُردو میں اہم مقام ہے۔

۱۸۳ قریشی ، عبدالرزاق

مرزا مظہر جان جاناں کی فارسی شاعری

[معارف ۶۰ء جون ۴۲۱ تا ۴۳۹]

مظہر جان جاناں کی فارسی شاعری کا تعارف درج ہے۔

۱۸ قطب النسا ہاشمی

ایک غیر معروف دکنی شاعر

[نوائے ادب، بمبئی، ۶۰، اپریل]

دکن کے ایک غیر معروف صاحب دیوان شاعر، تسلیم گلشن آبادی، کا تفصیلی تعارف کراتے ہوئے ان کے اردو اور فارسی کلام کے نمونے پیش کئے ہیں۔

۱۸ قمر رئیس

محمد حسین آزاد

[پگڈنڈی ۶۰، اپریل]

آزاد کا سرسری تعارف کرایا گیا ہے۔

۱۸۶ کبیر احمد جائسی

جدید فارسی شاعری

[تعمیر انسانیت، لاہور ۶۰، مئی جون]

قدیم فارسی شاعری کے پس منظر کے ساتھ جدید فارسی شاعری کا مختصر ترین جائزہ لیا ہے۔

۱۸۷ لطیف حسین ادیب

رتن ناتھ سرشار کی تصانیف

[آج کل دہلی ۶۰، مئی]

مضمون نگار نے سرشار کی تمام تصنیفات شمس الضحیٰ، فسانۂ آزاد، جام سرشار، سیر کہسار، کامنی، کڑم دھم، بچھڑی ہوئی دلہن، پی کہاں، ہشو، طوفان بے تمیزی، گورغریبانہ چنچل نار اور ترجمۂ الف لیلہ، خدائی فوجدار وغیرہ کا تعارف کراتے ہوئے ان کا جائزہ لیا ہے۔

۱۸۸ جمال عبد ذکریا

احسن بلگرامی شاعر گر

[العلم ۵۹، اپریل تا جون]

مولوی محمد احسن کے حالات زندگی اور ان کی شاعرانہ حیثیت پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۸۹ مالک رام

غالب کا ایک گمشدہ قصیدہ

[شاعر، بمبئی، سالنامہ ۶۰]

غالب نے ایک فارسی قصیدہ شمس الامرا نواب محمد رفیع الدین خان یا فخر الدین خان نائب والی حیدر آباد کی مدح میں لکھا تھا۔ مضمون نگار نے اس کے متعلق اپنی تحقیق پیش کی ہے۔

۱۹۰ مجنوں گورکھپوری

پردیسی کے خطوط

(کچھ بورس پاستر ناک کے سلسلے میں)

[شاعر، بمبئی، سالنامہ ۶۰]

روسی شاعر و ادیب، بورس پاسترناک کی شخصیت اور اس کی تصنیفات پر تبصرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ اپنے ناول ڈاکٹر زیواگر کے لئے نوبل پرائز کا مستحق ہرگز نہیں تھا۔

۱۹۱ محسن انصاری

اقبال کی مسجد قرطبہ

[واقف ۶۰، جولائی ۱۲]

اقبال کی نظم مسجد قرطبہ کی خصوصیات اور اس کی موضوعات پر ...

حاصل تبصرہ کیا ہے۔

۱۹۲ محمد احمد صدیقی

غزل کا تجزیہ

[جام نو، کراچی ۶۰ء مئی]

غزل کا تجزیہ کرتے ہوئے مختلف نقادوں کی مدد سے تغزل کی خصوصیات، دور بینی کے عناصر، رمزی علامتیں، شعر کی تعریف، غزل کے موضوع، تغزل کے عناصر، حسن ادا کی وضاحت کی گئی ہے۔

۱۹۳ محمد احمد صدیقی

اقبال کا نظریۂ حیات

[جام نو، کراچی ۶۰ء جون]

اس مضمون کی پہلی قسط مارچ سنہ ۶۰ء میں شائع ہوچکی ہے۔ اس قسط میں «فلسفۂ فقرا» اور «فلسفۂ تقدیر» پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۹۴ محمود الٰہی

مظفر علی اسیر ۔ بحیثیت قصیدہ نگار

[نیا دور ۶۰ء اپریل]

اسیر مصحفی کے شاگرد تھے اور آتش کی طرح بڑے کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر تھے۔ خصوصی طور پر اسیر ایک بڑے قصیدہ نگار تھے۔ جدت، تشبیب، واقعہ نگاری، لسانیت، تسلسل، رمزیہ، مناظرہ [illegible]

اردو ادب اور تلمیحات

[نگار ۶۰ء اپریل ۲۹-۳۲]

تلمیح کے مفہوم اور ادب میں اس کی ضرورت کو بیان کرنے کے بعد اردو ادب میں مستعمل شدہ تلمیحات کا جائزہ پیش کیا ہے۔

۱۹۶ مختار الدین احمد

مکاتیب سر سید

[فکر و نظر، علی گڑھ، اپریل ۶۰ء]

مکاتیب سر سید کی دوسری قسط پیش کی گئی ہے۔

۱۹۷ مرتضیٰ حسین، فاضل لکھنوی

مصحفی اور اُردو غزل

[صبح نو پٹنہ ۶۰ء جون]

مصحفی کے زمانہ کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۹۸ مسیح الزماں

اُردو شاعری میں ہولی

[نیا دور ۶۰ء اپریل]

اُردو شاعری میں ہولی کا جس طرح ذکر کیا گیا ہے ان کے اقتباس سے اس موضوع سے بحث کی گئی ہے۔

۱۹۹ مظہر عالم

نظیر اکبر آبادی

[فروغ اردو، لکھنؤ ۶۰ء مئی]

نظیر کی شاعری کی خصوصیات کا جائزہ [illegible]

نسائوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ اپنے زمانے کی حقیقت پسند نمائندے ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے طبقہ کے ایک بہترین مصور ہیں۔

۲۰۰ مفتوں کوٹوی
حسرت اور احترام حسن
[فروغ اردو، لکھنؤ ۶۰ء مئی]
حسرت کے اشعار پیش کئے گئے ہیں جن میں احترام حسن اور آداب محبت سے متعلق لطیف جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔

۲۰۱ مفتوں کوٹوی
مرزا دبیر شاگرد کی حیثیت سے
[شاعر؛ بمبی ۶۰ء اپریل]
مرزا دبیر کے استاد، میر ضمیر کی شاگرد سے رنجش اور صلح کے واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۲۰۲ مقبول احمد
ابو الکلام کی صحافت
[اردو ادب، علی گڑھ، آزاد نمبر ۵۹ء]
ابو الکلام کی صحافیانہ زندگی کا سرسری جائزہ لیا ہے۔

۲۰۳ ملک اسماعیل نیاز
سرور کی شاعری (حریم ناز کے آئینے میں)
[فروغ اردو، لکھنؤ ۶۰ء اپریل]
سورج کلا سرور، راجہ سراودھ نرائن بسریا بھوپال کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ «حریم ناز» انکے کلام کا مختصر سا مجموعہ ہے جس کی روشنی میں ان کی شاعری کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۲۰۴ مہ جبین انور ناز
اُردو ادب میں پیروی مغرب کے اثرات
[صبح نو پٹنہ ۶۰ء اپریل]
مغرب نے اردو نظم و نثر کو کس حد تک متاثر کیا ہے اس کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

۲۰۵ نارنگ، گوپی چند
اردو ادب کی تشکیل نو
[قومی زبان ۶۰ء یکم مئی ۱۶-۱۸]
رفیق خاور کے مضمون اردو زبان کی تشکیل نو کا جواب ہے۔

۲۰۶ نارنگ، گوپی چند
میر کی ایک عشقیہ تمثیل
[ماہ نو ۶۰ء مئی ۲۲-۲۶]
میر کی ایک عشقیہ تمثیل «مور نامہ» کا تعارف پیش کیا ہے۔

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی
پرنٹر پبلشر حامد اللہ ندوی نے ادبی پرنٹنگ پریس، ۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸ میں چھپوا کر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲، دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱ سے شائع کیا۔